گورمت ساہتیہ چیری ٹیبل ٹرسٹ
رجسٹرڈ آفس: بازار مائی سیواں، امرتسر

دولت رائے کی نظروں میں

صاحبِ کمال

گُورُو گوبند سنگھ جی

گورمت ساہتیہ چیری ٹیبل ٹرسٹ

رجسٹرڈ آفس: بازار مائی سیواں امرتسر

یہ کتاب پنجابی، ہندی، انگریزی، بنگالی اور گجراتی میں بھی دستیاب ہے۔

گورمت ساہتیہ چیری ٹیبل ٹرسٹ کی طرف سے

تیسری بار ۱۹۹۴

چوتھی بار اگست ۲۰۰۰

قیمت ۲۵ روپے

ناشر

گورمت ساہتیہ چیری ٹیبل ٹرسٹ رجسٹرڈ

بازار مائی سیواں امرتسر

مطبوعہ

پرنٹویل، ۱۴۶ انڈسٹریل فوکل پوائینٹ۔ امرتسر

ہم ایہہ کاج جگت مو آئے
دھرم ہیت گوردیو پٹھائے
جہاں تہاں تُم دھرم بتھارو
دُسٹ دوکھئین پکڑ پچھارو۔ ۴۲۔
یاہی کاج دھرا ہم جنمنگ
سمجھ لیہو ساڈھو سب ممنگ
دھرم چلاون سنت اُبارن
دُسٹ سبھن کو مُول اُپارن۔ ۴۳۔
(بچتر ناٹک ادھیائے۔۶)

☆

کرتار کی سوگندھ ہے نانک کی قسم ہے۔
جتنی بھی ہو گوبند کی تعریف وہ کم ہے۔
ہر چند میرے ہاتھ میں پُر زور قلم ہے۔
ستگور کے لکھوں وصف کہاں تابِ رقم ہے۔
اک آنکھ سے کیا بُلبلہ کُل بحر کو دیکھو۔
ساحل کو یا منجدھار کو یا لہر کو دیکھو۔۱۸۔
(اللہ یار خاں جوگی)

☆

نہ کہوں اب کی نہ کہوں تب کی۔
اگر نہ ہوتے گُورو گوبند سنگھ تو سُنت ہوتی سب کی۔
(بُلھے شاہ)

دیس پردیس میں کتاب حاصل کرنے کے مقام

- S.S. Balbir International
  607-Sanko Building, Higashiku, Osaka, Japan.
- S. Niranjan Singh Sachdeva,
  685/1, Khalong Thom Road, Bangkok, Thailand.
- S. Sangat Singh,
  M/s. Surjit Singh Ranjit Singh & Co.,
  G-7, High Street, Plaza, Singapore.
- Hindustan Refrigeration Stores,
  Darya Ganj, New Delhi.
- Sri Guru Singh Sabha,
  Havelock Road, Southall, Middx. (U.K.)
- S. Hardip Singh Chawla,
  Star Mansion, 4th Floor, Flat 'F', Minden Row,
  T.S.T. Kowloon, Hongkong.
- S. Ripudaman Singh Malik,
  1030, Hamilton St., Vancouver, B.C. Canada.
- S. Satnam Singh,
  18/1, Old Block, Mulund Colony, Mumbai-82.
- S. Gurcharan Singh,
  57, The Green, Southall, Middx. (U.K.)
- سنگھ بردرز۔ بازار مائی سیواں۔ امرتسر
- پال پرکاشن۔ دکان نمبر ۳۰۹۸۔ سیکٹر ۴۵۔ڈی۔ چنڈیگڑھ

فہرست مضامین

اِلتماس

صاحبِ کمال گورو گوبند سنگھ (دولت رائے کی نظر میں) کا پنجابی ترجمہ 1979ء میں کچھ مخلصان کی سعی سے شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں آج تک اس کے تین مزید ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کا ایک قلیل مُدّت میں بھاری تعداد میں بارہا شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جانا بذاتِ خُود اس کتاب کی قدر و منزلت کا حامل ہے۔ ناظرین نے جس جذبہ کے ساتھ اس کتاب کی پذیرائی فرمائی ہے، اس کے ساتھ بندوں میں مزید استقلال پیدا ہُوا ہے اور اس کتاب کی اشاعت کے مقصد کو مدّ نظر رکھ کر گور سکھ مُخلصوں کے تعاون سے 'گورمت ساہتیہ چیری ٹیبل ٹرسٹ' قائم کیا گیا ہے۔

ٹرسٹ کی طرف سے طے شُدہ پروگرام میں اس کتاب کو تمام ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ کروا کر شائع کرنے کا مقصد بھی شامل ہے۔ اس مقصد کے حصُول کے لئے ٹرسٹ کی طرف سے اس کا ہندی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ اب اصل اُردُو کتاب کو بھی مرتب کر کے شائع کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ بعد ازیں انگریزی اور پھر دُوسری زبانوں میں اس کتاب کے تراجم کروا کر بھارت کے لوگوں کو کلغی دھر پِتا کے انسانیت پر کیئے گئے احسانات سے مطلع کروانے کی کوشش کی جائے گی۔ ستگورو رحمت کرے۔

اُردُو زبان میں اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر امرونت سنگھ شعبہ فارسی پنجابی یُونیورسٹی پٹیالہ نے تعاون دیا ہے، جس کے لئے ٹرسٹ اُن کا از حد مشکور ہے۔

ٹرسٹ کی طرف سے شائع شدہ کتب زرِ مصرف سے بھی کم قیمت پر بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ لہذا گورسکھ محبّوں کی خدمت میں اِلتماس ہے کہ وُہ تن من اَور دھن کے ساتھ تعاون دے کر ٹرسٹ کی طرف سے طے شُدہ پروگرام کو سرانجام دینے میں مدد فرمائیں۔

کنوینر

گورمت ساہتیہ چیریٹیبل ٹرسٹ

پیش لفظ

ماؔن صاحب سپیکر پنجاب اسمبلی ایک مرتبہ پارلیمنٹری ڈیلیگیشن پر امریکہ گئے تو واپسی پر لنڈن میں ٹھہرے۔ اُنہوں نے اپنے ساتھ پیش آیا واقعہ بہت دلفریب طریقہ سے بیان کیا۔

'میں (مان صاحب) ایک دن باہر خلوت میں سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرے قریب سے تین امریکن گزرے۔ اُن میں سے ایک کا لباس پادریوں جیسا تھا اور دُوسرے کا مِلا جُلا سا۔ اُنہوں نے گزرتے وقت مُجھ پر سوالات کے تین اَیسے تیر چھوڑے جو میری اندرُونی غیرت کو جھنجوڑ کر رکھ گئے اور میں شرمندہ ہو کر بحرِ فکر میں غوطہ زن رہا اور اُن سوالات کے جواب تلاش کرتا رہا۔'

پہلا سوال تھا:۔ کیا آپ ہندوستانی ہیں؟

جواب:۔ جی ہاں۔

دُوسرا سوال:۔ کیا آپ ہندُو ہیں؟

جواب:۔ جی نہیں۔

تیسرا سوال:۔ پھر آپ کیا ہیں؟

جواب:۔ جی سکھ یعنی میں نے بڑے فخر سے کہا کہ میں سکھ ہُوں۔ لیکن اُنہوں

نے سُنتے ہی فرمایا 'نہیں تُم فُول (بیوقُوف) ہو'۔ یہ میری انتہا درجے کی بے عزتی تھی جس کو برداشت نہ کرتے ہُوئے میں نے اُن سے پُوچھنے کی جُرأت کی کہ اُنہوں نے کس حقیقت پر مبنی وجُوہات پر یہ غیر مہذب الفاظ استعمال کیے اور یہ نتیجہ نکالا؟ جواب بیحد حیران کُن تھا۔ اُن کے سر کردہ ساتھی نے کہا کہ 'ہمارا ایک شخص سُولی پر لٹکایا گیا ہے اور اس سے تمام دُنیا آگاہ ہے۔ آپ کے پاس بیشمار شہید ہیں لیکن اُن سے کوئی واقف نہیں۔ پھر تُم فُول (بیوقُوف) نہیں تو کیا ہو؟'

یہ سوال مآن صاحب سے ایک امریکن نے کیا اور احسان فراموش کہہ کر ساری انسانیت کی ناراضگی کا اظہار کیا۔ اُس انسانیت کی ناراضگی جو اُن شہیدوں اور انسانیت کے ہیروں کے درشن دیدار کی طلبگار ہے۔ لیکن افسوس کہ وُہ ہیرے اس احسان فراموش قوم کی کانوں میں پوشیدہ پڑے ہیں جو باہمی نااتفاقی اور حکُومت کی ہوس کی وجہ سے مال و دولت کے جال کی گہری نیند میں سوئی پڑی ہے۔ جو قوم بذاتِ خُود اپنے شہیدوں کی قدر نہیں کر سکی اُس نے ان شہیدوں کے عمیق تریں درشن دُوسروں کو کیا کروانے ہیں؟

مآن صاحب سے امریکہ میں کیا گیا سوال ایک اشارہ ہے 'عاقلے را اشارہ کافی است'۔ دراصل یُورپ میں بلکہ ساری دُنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی 'ثابت صُورت دستار سرا' شخصیت کسی قائلِ خُدا و عاقبت شخص کو دکھائی دیتی ہے تو یہ سوال خُود بخُود ہی زبان سے نکل اُٹھتا ہے اور اس کے وجُود سے یہ جواب طلبی ہوتی ہے۔ لیکن کتنی مُدّت تک یہ ساری قوم مآن صاحب والی خاموشی اختیار کر رکھّے گی؟

اِس خاموشی کو توڑنے اور ہیروں کو کان سے باہر نکال کر دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ہی لالہ دولت رائے جیسے شجاع فرزندوں کی ضرُورت ہے جو اپنی دلیری اور غیر جانبداری کے ذریعہ ہیروں کے سرتاج ہیرے، انسانیت کے کوہِ نُور گورو گوبند سنگھ جی کی سوانح عُمری کو اپنے قلم کے ساتھ سارے بھارت کے سواحل پر اوجاگر کر سکے۔ جو قوم کی بے قدری اور ہندُو سماج کی بے عزّتی کی آہ و فغاں سُنا کر آنسُو بہا سکے۔ اور اُس کے ساتھ شورِ زمیں کی طرح نہ بھیگنے والے ہیروں کو سرشار کر سکے۔

سوامی دیانند سرسوتی نے 'ستیارتھ پرکاش' میں سکھ گورو صاحبان کے متعلق کسی مغالطہ کی رُو سے چند ناواجب الفاظ تحریر کئے ہیں جس پر سکھ جگت نے اپنی ناراضگی کا جی بھر کر اظہار کیا۔ اور اس کا کفارہ سری گورو گوبند سنگھ کی سوانح عُمری کی شکل میں اس آریہ سماجی سوامی دیانند کے پیروکار لالہ دولت رائے نے کیا ہے۔ لالہ دولت رائے اس کتاب میں اس بات کا رونا روتے ہیں کہ سکھ قوم نے گورو گوبند سنگھ کی شناخت نہیں کی اور ہندوستان میں مقیم ہندو سماج نے ان کی مطلق پروا نہیں کی۔ خالصہ قوم زمانہ حال میں بھی وہی کچھ کر رہی ہے جس کی گورو گوبند سنگھ نے اپنے سارے خاندان کی قربانی دے کر ممانعت کی تھی۔ آج سے ۸۳ سال پہلے تحریر کردہ لالہ دولت رائے کے الفاظ میں کتنی غیر جانبداری، دلیری اور سچائی ہے۔

اس قوم کو ازسرِ نو تشکیل دینے کے لئے یہ بات نہائت ضرُوری محسُوس ہوتی ہے کہ گورو جی کے پاک خیالات اور حصُول و وسائل کو دولت رائے کے الفاظ اور قلم کی جادُوگری کی شکل میں آج پھر سکھ قوم کے نونہالوں کی سٹیج پر پیش کیا جائے۔ لہٰذا

لالہ دولت رائے کی کتاب کو کچھ غیر ضرُوری حصص خارج کر کے شائع کیا جارہا ہے۔

اگر کوئی سکھ مصنف گُورو جی کا ہندُو اوتار کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو عظیم ترین شخصیت ثابت کرتا تو ہندو سماج اس کو جانبدار گردانتا اور قبُول کرنے کی بجائے کئی طرح کی من گھڑت باتیں بتاتا۔ لیکن دلیل و جرأت کے ساتھ لالہ دولت رائے نے سری گُورو گوبند سنگھ کو عظیم ترین شخصیت، انسانیت کا اوتار، جمہُوریت کے ڈھانچہ کا اعلیٰ ترین عالم اور انسانیت کا نجات دہندہ ظاہر کیا ہے وُہ صرف لالہ دولت رائے کی ہی قلم کا مُعجزہ ہے۔

١٦٩٩ء میں گُورو گوبند سنگھ جی نے ہندوستان میں انقلاب کا تجربہ کیا اور اس کو انسانیت اور سماج کی مساوات کی بنا کے طور پر استعمال کر کے جدید ترین سماج کی تعمیر کی۔ اس کے ذریعہ نہ صرف انسانیت کو ہندوستان میں ہی نجات ملی بلکہ اُس نے یُورپ میں رونما ہونے والے انقلابوں کی بھی رہنمائی کی۔ در حقیقت گُورو جی کا نعرہ 'مانس کی ذات سبھے ایکو پہچانبو' ایسا اُصُول تھا اور اُس کے سینے میں ایسی آگ موجود تھی جو نہ صرف انسانیت کے توہّمات اور اُونچ نیچ کے تفرقہ کو ہی بھسم کرتی تھی، بلکہ اُس کے شُعلوں کے ساتھ اورنگزیب کی متعصب اور مُغلیہ حکُومت جو اُس وقت دُنیا بھر میں قوی ترین شخصی حکُومت تھی، مُشت بھر فقیروں اور درویشوں کے ہاتھوں معدُوم ہو گئی۔

اگر مُتناسب اور تقابلی طریقہ سے بھی مطُالعہ کیا جائے تو فرانس اور رُوس کے انقلاب بھی اپنے اصُول اور طاقت اس ١٦٩٩ء کے انقلاب میں سے ہی بُنیادی طور پر اخذ کرتے ہیں کیونکہ اس میں ہی اُن کی جڑیں تھیں۔ لیو ٹالسٹائے، رُوسو اور والٹیر کی

تحریروں کے مطالعہ سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وُہ اِسی انقلاب اور قُبولیت کو یُورپ میں پذیرائی اور طاقت دیتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے عوام اُلنّاس کو صدیوں کے بوجھ، وہم اور توہم پرستی سے نجات دلانے کی کوشش کی تھی۔ انسان کی تخلیق تو آزاد تھی لیکن انسان کی خُود غرضی اور تعصب نے اس کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جس انقلاب کو گُورو جی نے جنم دیا اور کمال کی معراج کو پہنچا کر طاقتور شخصی حکُومت کا قلع قمع کرنے کے قابل بنایا، کارل مارکس اور لینن اس کو یُورپ میں چلانے کے لئے جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اُن کے وسائل وسیع تھے اور انسانیت اُس وقت کُچھ منزلیں طے کر چکی تھی۔

سردار گورچرن سنگھ جرنلسٹ جب بھی 'صاحبِ کمال' کا ذِکر کرتے تھے تو لالہ دولت رائے کا نام بڑے فخر کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ان کا نہایت ممنُون ہُوں جو اُنہوں نے اپنی تحریر کے ذریعہ اس کتاب کا تعارف کرایا ہے۔

دیگر جن مخلصوں نے اس کتاب کی اشاعت میں مطلُوبہ مدد بہم پہنچائی ہے، اُن کا بے حد شکرگُزار ہُوں۔ پردیسوں میں بیٹھے یہ کام ان کی امداد کے بغیر محال تھا۔

آخر میں ناظرین کی خدمت میں گزارش ہے کہ وُہ اس کتاب کے متعلق اپنا قیمتی مشورہ دینے اور خطاؤں سے آگاہ کرنے کی عنایت کریں تاکہ آئیندہ ایڈیشن میں اُن غلطیوں کی اصلاح کی جا سکے۔

۲۴۔ اکتوبر نیاز مند

۱۹۷۸ء **باؤرا**

تعارف

صاحبِ کمال گُورو گوبند سنگھ کی سوانح عُمری پر بے شمار کتب لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ سکھ مصنفوں نے اپنے محبوب گُورو کی زندگی کے حالات کو عقیدت، محبت اور تعظیم کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ غیر سکھ مدّاحوں نے ان کو علیحٰدہ علیحٰدہ اشکال میں بیان کیا ہے۔ انگریز مورّخوں نے آپ کو ایک عظیم ترین مذہبی رہنما، اعلیٰ منتظم، شجاع اور انقلابی ریفارمر ظاہر کیا ہے۔ تعصبّی مُسلمان مصنفوں نے آپ کے عظیم کارناموں کو اسلام مخالف ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

گُورو گوبند سنگھ جی کی دُو پہلُو زندگی کو سمجھنے سے بہت لوگ قاصر رہے ہیں۔ وُہ اُن کی زندگی کے کراماتی اور انقلابی مقاصد کا صحیح نظریے کے ساتھ مطالعہ نہیں کر سکے۔ یہاں تک کہ جس ہندُو قوم اور تہذیب کے لئے گُورو جی نے اپنے والدِ ماجد کا بلیدان دیا اور تمام خاندان قُربان کیا، اُس قوم کے رہنما مہاتما گاندھی کو وُہ ایک بھٹکے ہُوئے محبِّ وطن نظر آئے۔ ہندُو مورّخ سر جادُوناتھ سرکار کو وُہ ایک سیاسی جنگباز محسُوس ہُوئے۔ آج بھی دسمیش پِتا کی اعلیٰ قُربانیاں، کارنامے، اعمال، پند و نصائح اور احکام کئی قسم کے مغالطوں کا باعث بنے ہُوئے ہیں۔

لیکن جس نظریہ سے مشہُور و معرُوف آریہ سماجی مصنف لالہ دولت رائے نے گُورو گوبند سنگھ جی کے حالاتِ زندگی کو ناظرین کے سامنے آج سے ۸۳ سال پہلے پیش کیا وُہ ایک اہم خاصیت کا حامل ہے۔ تاریخی، سماجی، مذہبی، سیاسی اور ادبی پہلُو سے بالکل اچھُوتا ہے۔

آج سے آٹھ دہا کے پہلے جب سکھوں کی طرف سے اپنے ستگُورو کی تاریخ لکھنے کی کوشش شُروع نہیں کی گئی تھی اور اُس وقت جب پنجابی زُبان کے علاوہ کسی اور زبان میں گُوروؤں کی تاریخ نہیں لکھی گئی تھی، اور غیر سکھ مورّخوں نے خصُوصاً مُسلمان اور انگریز مورّخوں نے اپنے اپنے نظریہ سے لکھی، وُہ گُورو گوبند سنگھ کی زندگی کے متعلق راست و پاک تخّیل سے کام لینے میں مکمّل طور پر ناکامیاب رہے۔

ایسے زمانے میں لالہ دولت رائے نے شہید والد کے فرزند ارجمند اور شہید فرزندوں کے والد ماجد مہابلی گُورو گوبند سنگھ کی سوانح عُمری کو پُر جوش الفاظ میں سپُردِ قلم کیا۔ بلا شُبہ اُنہوں نے گُورو جی کی زندگی کو ایک ایسے ہندُوستانی ہندُو کے نظریہ سے دیکھا جس کے سابقہ سات سو سال کا زوال عیاں طور پر مدِ نظر تھا۔ جس کی نظر کے سامنے سے غزنویوں، غوریوں، غُلاموں، خلجیوں، تُغلقوں، سیّدوں، پٹھانوں، تُرکوں اور مُغلوں کی طرف سے کئے گئے مذہبی، سیاسی، سماجی ظُلم و ستم کے وقائع اس طرح سے گزر رہے تھے، جس طرح وُہ ان کے اپنے عہد میں واقع ہُوئے ہوں۔ اُنہوں نے گُورو گوبند سنگھ کے سوانح حیات کو ایک ولولہ سے پُر کتاب کی شکل میں رقم کیا ہے۔ اگرچہ آپ پکے آریہ سماجی تھے لیکن آپ کی زندگی پر کلغی دھر پتا کے جیون اور پند و نصائح کی گہری

چھاپ لگی ہُوئی تھی۔ وُہ گُورو گوبند سنگھ جی کی حیات سے بہت مُتاثر تھے۔

لالہ دولت رائے کی تحریر ولولہ، عقیدت اور تعظیم سے پُر ہے۔ اُنہوں نے اَیسی تاریخی سچائیوں اور حقیقتوں کو اُردو خواندہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جو اُن سے پہلے کے مورّخ پیش نہیں کر سکے۔ اُنہوں نے بیخوف اور بے پرواہ ہو کر گُورو گوبند سنگھ جی کی مدح اور اُن کی اعلیٰ قُربانیوں کو اُجاگر کیا۔

کیونکہ وُہ ایک عقیدت مند ہندُو تھے، اس لئے اُن کی نظر میں گُورو گوبند سنگھ جی ہندُو قوم کے مُحافظ اور ہندُو مذہب و تہذیب کو از سرِ نو زندہ کرنے والی ایک اعلیٰ رُوح تھی۔ اُنہوں نے خالصہ کی شکل میں مکمّل اور خالص آریہ ویدک مذہب کا نُور دیکھا۔ لالہ جی نے ہندُوؤں کی غُلامی کا سبب اُن غلط سماجی رسم و رواج، غلط مذہبی دستُور العمل، چھُوت چھات، اُونچ نیچ اور علیحٰدہ علیحٰدہ فرقوں میں تقسیم ہونے میں دیکھا۔ جب ہندُو اپنی قدیم مفاخرت بھُول چُکے تھے، اُن میں سے دیش بھکتی اور قوم پرستی کا جذبہ پر لگا کر پرواز کر چکا تھا۔ غیر ملکی حملہ آوروں کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کا حوصلہ ختم ہو چکا تھا۔ اپنے مذہب اور معبدوں کی حفاظت کرنے کی طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی حفاظت کرنے کی ہمّت جاتی رہی تھی۔ وُہ اپنی ثقافت و تہذیب کو بھُول چکے تھے۔ اُس وقت گُورو گوبند سنگھ جی کی شخصیت کی شکل میں ایک اعلیٰ نُور ظاہر ہُوا۔ لالہ دولت رائے کے الفاظ میں اُنہوں نے قدیم ہندُو تہذیب کو از سرِ نو پیدا کیا۔ مُردہ قوم کی رگوں میں نیا خُون بھرا۔ گُورو جی نے قوم میں سے مایُوسی، ناتوانی، عاجزی، بے غیرتی اور گراوٹ کو دُور کر کے نیا حوصلہ اور قُوّت عطا کی۔ جس کے نتیجہ میں صدیوں سے

ظالموں کے آگے سر جھکاتے آرہے لوگ ہاتھوں میں شمشیریں لئے گردنیں اُٹھائے اور سینہ تانے اُن کے مقابلہ میں آکر ڈٹ گئے۔ یہ بات کوئی مُعجزہ سے کم نہیں تھی کہ پست جاتیوں کے اچھوت کہلانے والے، دُکانوں میں ترازُو تولنے والے اور کھیتوں میں ہل چلانے والے لوگوں کو ہاتھوں میں مالا کے ساتھ ساتھ بھالا پکڑوا کر ایک قوی اور بیخوف قوم میں بدل دیا۔ گُورو گوبند سنگھ جی کی اعلیٰ شخصیت اور پند و نصائح نے ناتواں اور کمزور انسانیت میں نئی رُوح پھُونک دی۔ اُن کو بھگتی کے ساتھ شکتی دی۔ بانی کے ساتھ بانا (رہت مریادا) دیا۔ مالا کے ساتھ بھالا دیا اور نئی وضع قطع اور شکل و شباہت عطا کی۔ جس سماج میں بُزدلی، نفرت، اُونچ نیچ، چھوت چھات، تعصّب اور علیحٰدہ علیحٰدہ فرقوں کے کیڑے مارے مارے دوڑے پھر رہے تھے، اُس کو پاک صاف کر کے خالصہ پنتھ تیار کیا اور تمام لوگوں کو ایک نُور کا عابد بنایا۔

پٹھانوں اور افغانوں کے مقابلہ میں جن کے سامنے راجپوت اور کھتری کھڑا ہونے سے گھبراتے تھے، خالصہ سینہ سپر ہو کر ڈٹ گیا اور دُنیا نے دیکھا کہ ان لوگوں کو جو سات صدیوں سے براستہ خیبر مُلک کی عزّت و آبرُو لُوٹتے چلے آئے تھے، نہ صرف مُلک میں داخل ہونے سے روکا بلکہ خیبر کی چوٹیوں پر گُورو گوبند سنگھ جی کا بسنتی پرچم لہرا کر اُلٹی گنگا بہادی۔

لالہ دولت رائے نے گُورو گوبند سنگھ کی حیات کے علیحٰدہ علیحٰدہ پہلُوؤں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے منقش کیا ہے۔ ان کی جذبہ سے مملو اس تحریر کو پڑھ کر نیا جوش پیدا ہوتا ہے۔ لالہ جی نے گُورو جی کی زندگی کے کئی واقعے اور ان کے پند و نصائح کو ایسی

بیخوفی کے ساتھ قلمبند کیا ہے کہ اُن کو پڑھ کر ہر عقیدت مند سکھ کا سر تعظیم سے جھک جاتا ہے۔

گورو جی کے عہد میں ہندو قوم کی جو قابلِ رحم حالت تھی اُس کو اوجاگر کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:۔

'وہ آپس میں چھوٹے چھوٹے فرقوں میں ایسے شاخ در شاخ منقسم ہو گئے تھے کہ اُن کا قومی بل برباد ہو چکا تھا اور اخوت کا رشتہ ٹوٹ کر منتشر ہو گئے تھے اور اُن کی ہستی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی تھی۔ مگر اورنگزیب کی بیدردیوں اور جابرانہ تلوار کے طوفان سے وہ ٹمٹماتا چراغ قریب تھا کہ ہمیشہ کیلئے بجھ جائے کہ گورو گوبند سنگھ نے اپنا ہاتھ اُس پر رکھا اور اُس کو بجھنے سے بچالیا' (صفحہ ۸۷)

گورو گوبند سنگھ جی کے حیات بخش پند و نصائح کے اثر کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرما ہیں:۔

'گورو جی نے ان ہندوؤں کو جنہوں نے سات سو سال تک اسلام کی غلامی میں کیا کیا اذیتیں اُٹھائی تھیں اور جو اسقدر دراز عرصہ میں اپنے تمام جوہر بہادری کھو بیٹھے تھے، جو اپنی عورتوں، بیٹیوں اور بہنوں کو دو دو دینار میں بکتا ہوا دیکھ کر خاموش ہو بیٹھے تھے، جن کے املاک اور جائدادیں چھینی جاکر فاقہ مستی میں گزرتی تھی، جن کے مقدّس معبدوں کی ان کے متبرّک

جانوروں کے خُون سے لپائی کی جاتی تھی اور اُن میں جوش پیدا نہ ہوتا تھا، جن کے خود ہستی اور دھرم مسلمانوں کے رحم وکرم پر منحصر تھے، جو بلیّوں کی طرح گھروں میں دُبکے بیٹھے تھے اور چوہیوں کی طرح پہاڑوں کے بلوں میں گھسے ہُوئے تھے، اُن کے پژمُردہ دلوں، مرجھائے ہُوئے حوصلوں، بجُھے ہُوئے دلوں میں وُہ پھُونک لگائی، وُہ حرارت اور جوش پیدا کیا کہ ایک ایک سکھ (ہزار ہزار) مُسلمانوں کی طاقت کو ہیچ سمجھنے لگا اور حُب الوطنی اور قومی محبت کے لئے شہید ہونے اور شربتِ شہادت پینے کو اپنی عزّت، اپنا فخر اور اپنا دھرم سمجھنے لگا۔ اس نے بلیّوں کو شیر بنایا۔ نامردوں کو مردِ میدان بنایا'

(صفحہ ۱۳۴۔۱۳۵)

یہ مغالطہ عام پایا جاتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ جی اسلام کے مخالف تھے اور مُسلمانوں کے عُدو تھے۔ لالہ جی نے اس بات کا نہائیت دلکش الفاظ میں جواب دیا۔ آپ رقمطراز ہیں:۔

'وُہ مذہبِ اسلام کا نہ دشمن تھا اور نہ اس کے برخلاف دشمنی سے اُسکو کچھ فائدہ کی اُمید تھی۔ وُہ اُن مسلمانوں کا دُشمن تھا جو مذہب کے نام پر جور و ستم اور ظُلم کے عادی تھے۔ جو خُود اسلام کے ننگ تھے اور نام کے مسلمان۔ وُہ اُن وحشیوں، ظالموں اور سفاکوں کا دُشمن تھا جو اسلام کی تعلیم کے سایہ میں ہر قسم کی خُونریزی اور ہر مذہب کی توہین، ہر انسان کی ہلاکت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے'۔

(صفحہ ۷۵۔۷۶)

اِس کتاب کو کسی تجارتی نُقطہ نگاہ کے تحت شائع نہیں کیا جارہا۔ ٹرسٹ کا مقصد اِس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اُردو خواندہ نسل اس سے مستفیض ہو سکے۔

اُمید کی جاتی ہے کہ سکھوں اور غیر سکھوں کی جانب سے اس کتاب کا پُر تپاک استقبال کیا جائے گا۔

گُورو پنتھ کا داس

گورچرن سنگھ خالصہ (جرنلسٹ)

۴۸۔اے ایوینو۔ کرینفرل مڈل سیکس یُو۔ کے۔

دیباچہ

اگرچہ اپنی بے بضاعتی مجھ کو معلوم تھی لیکن دو امُور نے مجھ کو اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا۔ اوّل کوئی کتاب ایسی مفصّل نہیں لکھی گئی تھی کہ جس میں گُورو گوبند سنگھ جیسے محبّ الوطن اور مہاں بلی کے اوڈیش کو وضاحت کے ساتھ لکھا گیا ہو۔ مختلف قسم کی جنم ساکھیاں گزشتہ زمانہ اور زمانہ حال کی مروّج ہیں۔ لیکن وُہ ایسے خُوش اعتقاد لوگوں کی لکھی ہُوئی ہیں جو اپنے حُسنِ عقیدت کے جوش میں ایسی باتیں بھی ساتھ ہی لکھتے آئے ہیں جن کی سچائی میں ظاہرا شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض دفعہ واقعاتِ زندگی کے سچے خاکے بناوٹی خاکوں سے تمیز کرنے مشکل ہوتے ہیں۔ اور اس لئے جس شخص کی سوانحعُمری کو لکھنا مقصُود ہوتی ہے، اُس کے ساتھ سخت بے انصافی ہوتی ہے کہ افراطِ تفریط میں اُس کے خیالات اور حالات اصلی رنگ میں نہ دکھائے جائیں۔ گُورو گوبند سنگھ کی جنم ساکھیاں بھی اس نقص سے خالی نہ تھیں بلکہ بعض حالات ایسے تھے کہ اگر اُن پر یقین کیا جائے تو اُن کے مہان اُتم کام بھی ہیچ اور بیہُودہ معلُوم ہوتے تھے۔ اس لئے مجھے محسُوس ہوتا تھا کہ اس طرز کی کوئی کتاب لکھی جائے جس سے اُس مہابلی کی محنتوں کا حال اور خیالات بخُوبی معلُوم ہوں۔ دُوسرا امر

اس کتاب کو لکھنے کا یہ تھا کہ عوام اُلناس میں سے کئی لوگ اس مہابلی کے حالات سے اسقدر کم واقف تھے جس کے نتیجہ کے طور پر خُود غرض لوگ بہت غلط اور فضُول باتیں اُن کے خیالات اور زندگی کے واقعات کے ساتھ وابسطہ کرتے ہُوئے اپنے اغراض پُورے کرتے تھے۔اور میری زیادہ حیرت ایک کتاب کے دیکھنے سے اور بھی بڑھ گئی جس میں اُس مصنف نے معلُوم نہیں کہ اس مہابلی کے حالات کی عدم واقفیت میں یا اپنے خیالات کو رنگ دینے کے لئے گورو گوبند سنگھ کے اقوال کو غلط تعبیر کر کے ان کے مہان پوتّر اودیش کو آلُودہ کرنے کی کوشش کی ہے۔اور میرا یہ استعجاب اور بھی زیادہ ہو گیا جب کہ مجھے کئی مسائل پر خود اُس وقت کے خالصہ سکھوں سے اُن مسائل پر دریافت کرنے کی ضرُورت ہُوئی جن میں زیادہ حِصّہ تو بالکل ناواقف محض ایسا پایا کہ جن کو معلُوم بھی نہ تھا کہ گورو گوبند سنگھ کے اصل خیالات کیا تھے۔اور کئی ایسے ملے کہ جن کو غلط خیالات نے گھیرا ہُوا تھا اور پھر اُن کے مُختلف خیالات تھے۔اس لئے میں نے اس مہابلی کے جیون چرتر کو خُود اس کی تصانیف سے جانچنے کی کوشش کی۔جس قدر مجھے اُس کی تصانیف پر مجبوراً غور کرنا پڑا، اُس قدر میرے دل میں اس مہابلی کی عِزّت زیادہ ہوتی گئی اور میرا دل اس امر کو محسُوس کرنے لگا کہ افسوس ان کے پوِتّر خیالات کو بہت کچھ تو ظاہر ہی نہیں کیا گیا ہے اور بہت کچھ غلط پیرایہ میں اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ کئی صاحبِ علم اور لیاقت اور اہل الرائے لوگوں سے جو میں نے اُن کی زندگی کے حالات اور خصوُصاً اُن کے اُودیش کی نسبت بحث کی تو معلُوم ہُوا کہ وُہ نہ فقط ایسے مہابلی کے اُودّیش سے ناواقف پائے گئے بلکہ بہت حد تک غلط واقف تھے۔اور کئی

حلقوں میں اَیسے غلط خیالات گھُسے ہُوئے تھے کہ اگر مجُھ کو خُود گُورو گوبند سنگھ جی کی اپنی تصانیف کو دیکھنے کا موَقع نہ ملتا تو میری نظروں میں بھی اس مہابلی کے کام اَیسے معلُوم ہوتے جن سے اُن کی کوئی بزُرگی میرے دل میں محسُوس نہ ہوتی۔ چنانچہ کچھ عرصہ میرا خُود یہی خیال تھا کہ وُہ صرف ایک معمُولی ریفارمر سے زیادہ درجہ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے خیالات اور حالاتِ وقت کے مطُالعہ نے میری کئی راؤں، میرے کئی خیالات اور کئی معلُومات کو نہ فقط غلط ثابت کیا بلکہ اُس مہابلی کی عزّت اور محبت میرے دل میں وُہ گہرا گھر کرتی گئی کہ آخر مجُھے یہ محسُوس ہُوا کہ اِس مہابلی کے خیالات سے لوگوں کو واقف کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ ان کے خیالات کو بذریعہ اشاعت ظاہر کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ بھارت کے کئی دیگر مہاتماؤں اور بیروں کے حالات سے اپنی واقفیت کے بعد اُن کی جو عزّت اور محبت میرے دل میں قائم ہُوئی تھی، میرا ارادہ تھا کہ اُن کے وقائع زندگی لکھ کر عوام اُلنّاس کے سامنے اپنا ہدیہ پیش کرُوں۔ چُنانچہ میں نے اس کے لئے مسالہ بھی بہم پہنچایا۔ لیکن اس مہابلی کے حالات دریافت ہونے پر میرے دل میں اس کی عزّت اور محبت نے اُن سے زیادہ گہرا نقش پیدا کیا۔ اس لئے میں نے ارادہ کر لیا کہ اُن کی سوانح عُمری اور بھارت کے دیگر مہاتماؤں کی سوانحعُمری کا سلسلہ شرُوع کرنے سے پہلے اس مہابلی کی سوانح عُمری لکھُوں۔ چُنانچہ ڈیڑھ سال ہُوا میں نے یہ ارادہ کیا لیکن مُنتظر رہا کہ کوئی خالصہ شائد اس کام کو مُکمل کرے جو زیادہ واقفِ حالات ہو۔ لیکن آخرکُچھ تو کسی اور طرف سے ایسی کوشش نہ ہُوئی اور کُچھ اپنے دل نے اُبھارا اس لئے چند ورق ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے لئے میں نے سعی

کی۔اور جو کام میرے نزدیک سب سے مشکل تھا۔ میرا ہاتھ میرے معزّز عزیز دوست لالہ جوالاداس ماسٹر ہائی سکول ڈیرہ غازیخاں نے بٹایا جس کا میں تہ دل سے مشکور ہُوں۔

مجُھے خُود معلُوم ہے کہ میں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے وُہ مکمل نہیں ہے لیکن محض اس اُمیّد میں لکھا ہے کہ شائد آئندہ کوئی اس کی تکمیل کرنے کی کوشش کرے۔ ناظرین سے مجُھے اُمیّد ہے کہ میری کوتاہیوں پر نکتہ گیری کرنے کا اگر اُن کو موقع ملے تو اُس کو اس مہابلی کی تصنیف سے مقابلہ کر کے اُس کا فیصلہ کر لیں۔ لٰہذا جو مجُھ سے بن پڑا ہے، ہدیۂ ناظرین ہے۔

فقط

المرقُوم ۲۳۔ جنوری ۱۹۰۱

دولت رائے ڈیرہ غازیخاں

شری گُورو گوبند سنگھ جی

تمہید

ہندُوؤں کی اُس حالت کا بیان جس نے گُورو گوبند سنگھ جی کو پیدا کیا

اُن حالات کے لکھنے سے پہلے جو گُورو گوبند سنگھ جی کے خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھنے اور ہندُوؤں کی اخلاقی، قومی، سیاسی اور سوشل حالت بدلنے کے محرک ثابت ہُوئے، کسی قدر ہندُوؤں کی اندرُونی اور بیرُونی حالت کا تذکرہ کرنا ضرُوری معلُوم ہوتا ہے کیونکہ گُورو گوبند سنگھ جی نے ہندُو دھرم میں کچھ اصلاح ہی کی ہے اور ہندُوؤں کی حالت کو محض ایک پلٹا دیا ہے نہ کہ کوئی نیا مذہب ایجاد کیا یا کسی جدید فرقہ کی بُنیاد رکھی[1] ہے۔ اس لئے جن چیزوں نے گُورو گوبند سنگھ جی کو پیدا کیا اُن چیزوں کا کچھ مختصر بیان ضرُوری معلُوم ہوتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس امر کا بیان کرنا مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ اس دھرم کی ابتدائی بُنیاد کس طرح رکھی گئی۔

سکھ فرقہ کی بُنیاد گُورو نانک دیو جی سے شُروع ہُوئی۔ گُورو نانک دیو جی بابر کے زمانہ میں کام کرتے تھے۔ بابر کی حکومت کا آغاز سمت ۱۵۸۲ بکرمی مطابق ۱۵۲۶ء ہے۔

[1] یہ مصنف کا ذاتی خیال ہے۔

بابر سے پہلے ۳۵۰ سال تک ہندوستان کا تقریباً سارا حصہ حکومتِ اسلام کے تابع چلا آیا تھا۔

مُسلمانوں کو ہندوستان آنے کی کن چیزوں نے ترغیب دی، بطور اجمال جس کا کسی قدر بیان بطور تمہید کتاب ہذا لازمی معلوم ہوتا ہے۔ مُنو اور مہابھارت کے زمانہ کے بعد ہندُو دھرم نے ایسا پلٹا کھایا کہ تمام ہندُوؤں کے اتفاق اور قومیّت کی شیرازہ بندی کو ایسا منتشر کردیا کہ ورق ورق الگ ہوگیا۔ ذاتوں کی امتیاز ایسی قائم ہُوئی کہ نہ فقط ہر ایک فرقہ اور ذات ایک دُوسرے سے جُدا ہوکر اڑھائی چاول کی کھچڑی الگ الگ ہی پکانے لگا، بلکہ ایک دُوسرے سے مُخالف ہوکر آپس کی تخریب میں مصرُوف ہوگئے۔ گو کئی وجوہات سے پولیٹیکل حالاتِ مُلک و موسم اور سوشل رسُوم وغیرہ نے ذاتوں اور فرقوں کے تفریق در تفریق میں اثر کئے۔ لیکن مذہبی مسائل کی تفریق یعنی دیوتا پرستی، آدم پرستی، بُت پرستی اور بالآخر حیوان پرستی نے بھی ہندُوؤں میں ذاتوں کے امتیاز اور فرقہ بندی میں کچھ کم اثر نہیں کیا بلکہ ہندُوؤں کی تفریق اور تقسیم در تقسیم کا محرّک ان کا مذہبی اختلاف ہے۔ بہت کچھ مذہبی اختلافات کی بُنیاد برہمنی دھرم کے عرُوج کے زمانہ میں پڑی جب برہمنوں نے کافی اقتدار حاصل کرلیا۔ چاروں ورنوں کی قید اس طرح پختہ ہوگئی کہ شُودروں کے بلند ہونے کی اُمید ہمیشہ کے لئے زائل ہوگئی تو سب تعلیم سے محرُوم کئے جاکر جہالت میں مُبتلا ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ویدک دھرم برہمنی دھرم کی صُورت میں ایک وحشیانہ اور جاہلانہ دھرم نظر آنے لگا۔ اور دھرم جو ہمیشہ شانتی، اطمینانِ دل اور نیک اخلاق کا مسلّمہ ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، خُود ہندُوؤں کی شانتی اور

تسکینِ دل کا ذریعہ نہ رہا۔ اس لئے دیگر غیر ویدک دھرموں نے ہندُوؤں کو لتاڑنا اور اُن کے دھرم کو برباد کرنا شُروع کیا۔ پہلا حملہ بُدھ دھرم کا تھا۔ چُونکہ اس میں ذات کا امتیاز نہ تھا اور چھوٹوں کو بڑا ہونے کا وسیلہ تبدیلیٔ مذہب کے ساتھ ہی مل جاتا تھا اور اس کے مسائل سہل فہم تھے۔ آئیندہ بہبُودی اپنے ہی کرموں کی بُنیاد پر مبنی تھی اس لئے وُہ مذہب نہایت جلدی پھیل گیا۔ اور اُس کے پھیلنے کا میدان سوائے ہندُوؤں کے کوئی اور تھا ہی نہیں۔ اس لئے ہندُوؤں کا بڑا حصہ خصُوصاً جن کو شُودر کہا جاتا تھا، بُدھ مذہب اختیار کر کے ہمیشہ کے لئے ہندُوؤں سے کٹ گیا اور جُدا ہو گیا۔ اُس نے برہمنی دھرم کو ہلا دیا۔ بُدھ دھرم نے آخر وُہ فروغ پایا اور ایسا عرُوج حاصل کیا کہ قریباً تمام ہندُوستان میں اُن کا راج پھیل گیا۔ بُدھ والوں کے راج نے سُورج بنسی خاندانوں، چندر بنسی اولاد کی سلطنتوں کا نام و نشان مِٹا دیا اور رام چندر اور کرشن کی راجدھانیوں کا نام صفحۂ ہستی سے اُٹھا دیا۔ مدّت تک برہمنوں نے بُدھ مذہب کے مقابلہ میں ہاتھ پاؤں مارے لیکن چُونکہ کھتری دُربل ہو چکے تھے اور آپس میں نفاق تھا اس لئے ہمیشہ مُنہ کی کھائی۔

آخر اگنی کُل کھتریوں نے کھتری دھرم کو پھر ایک دفعہ زندہ کرنے کا ارادہ کر کے کمرِ ہمّت باندھی۔ شنکر اچارج نے دماغی میدان میں قدم رکھا۔ مذہب کو زمانہ کی ضرُورت کے مطابق نیا لباس دے کر چھتریوں کے زورِ بازُو کے سہارے بُدھ مذہب کو ہندُوستان کی حدُود سے خارج کرنے میں کامیاب ہُوا۔ کیونکہ برہمن سوائے دستگیری

کھتریوں کے کبھی اس قابل نہیں ہُوئے کہ خُود کسی قسم کا اقتدار حاصل کریں۔ لیکن تاہم قومیّت قائم کرنے میں اور ہندُوؤں کو ایک زبردست اور طاقتور قوم بنانے میں کامیاب نہ ہُوئے۔ فرقہ بندی اور نفاق ایک دُوسرے کی تخریب میں بدستُور سرگرم رہے اور گُزشتہ تاریخ سے کچھ سبق نہ سیکھا۔ اگنی کُل کھتریوں کی اولادیں اپنی اپنی کئی شاخیں قائم کرکے ہمیشہ ایک دُوسرے کو کمزور کرنے میں اپنا زور صرف کرتی رہیں۔ اِدھر شنکراچارج کے چیلے جو برہمن ہی تھے وہی قدیمی خُوداقتداری حاصل کرنے، ذاتوں کی تمیز اور عام ہندُوؤں کو تعلیم سے محرُوم رکھنے کے مسائل پہلے کی سی سرگرمی کے ساتھ مروّج کرنے میں لگے رہے اور سب کو خُدا بنا کر جامہ سے باہر کر دیا۔ ایسی صُورت میں یک جہتی نہ قائم ہونی تھی نہ ہُوئی۔ ہر ایک اپنے رنگ میں ڈُوبا ہُوا نظر آتا تھا۔ شنکراچارج نے برہمنوں کی بزُرگی قائم رکھنے میں جتنا مُمکن تھا زور لگایا۔ لیکن بُت پرستی کو مٹانے کے لئے بھی سوامی شنکراچارج نے پُوری کوشش کی۔ کیونکہ بمقابلہ لامذہبی چارواک کے اور مادہ پرست بُدھ مذہب کی بُت پرستی کے طریق اور تعلیم کو قائم رکھنا شنکراچارج کے لئے نہ صرف نامناسب تھا بلکہ اس کے اُودیش اور دھرم کے سدِّراہ اس لئے اُس نے ہمہ اوست کے مسئلہ کا نہ صرف خُود پرچار کیا بلکہ اپنے چیلوں کا سلسلہ قائم کرکے خُوب پرچار کیا اور کرایا۔ مگر پھر بھی اس سے اشانتی کی نہ تو پیاس بُجھی اور نہ یک جہتی کا خیال ہی پیدا ہُوا۔ یہ نُسخہ ہندُوؤں کی اصلی مرض کے مناسب حال نہ تھا۔ شنکراچارج کے نزدیک سب ایشور تھے لیکن تاہم شُودر تو آخر شُودر ہی رہے۔ ذات اور ورن کی تقسیم کو شنکراچارج کی ایسی زبردست فلاسفی مٹا نہ سکی۔

اگرچہ برف کی طرح بالصورت بظاہر شنکراچارج کے مسائل اشانتی کی گرمی کے لئے مفید ثابت ہُوئی لیکن اُس سے ہندُو ضرُورت کی پیاس رُوحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بڑھتی ہی گئی۔ شنکراچارج کے مقلّدوں کے پرچار اور اُس کے ظاہر ادلچسپ اور خُوش مسائل نے ہندُوؤں کے مخالف بُدھ دھرم کو ہندُوستان سے نکالنے میں میں کامیابی حاصل کی۔ لیکن اس ساری کامیابی کو شنکراچارج کے ساتھ منسُوب کرنے میں نہ صرف غلطی ہے بلکہ ایک قسم کی بے انصافی ہے کیونکہ شنکراچارج اور اُس کے مُقلّد ہرگز اس قابل نہ ہوتے اگر اگنی کُل خاندان کے چھتری راجپُوت بُدھوں کی پولیٹیکل طاقت کو کمزور اور نابُود کرنے میں مددگار ثابت نہ ہوتے۔ تو اس کامیابی کی تحسین کے مستحق زیادہ تر راجپُوتوں کے خاندان ہیں۔ چنانچہ اُس وقت کا زبردست راجپُوت راجا ہی شنکراچارج کا پہلا حامی تھا۔ شنکراچارج کا اشٹ دیو شو تھا۔ یہ سب کچھ ہُوا لیکن شنکراچارج کی تعلیم نہ تو مُنتشر شدہ ہندُوؤں کو یکجا کر سکی اور نہ کل ہندُو کسی ایک نقطہ پر ہمخیال ہو سکے۔ جو اختلاف مذہبی چلے آتے تھے، جو مذہبی شاخیں اُن میں پھیلی ہُوئی تھیں، اُن پر اُس کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ بلکہ مُلک کی پولیٹیکل یا اخلاقی حالت پر کچھ زیادہ اثر ہُوا کیونکہ کسی امر پر وُہ ایک نہ ہو سکے اور مذہبی پولیٹیکل اختیارات اُن کے بدستُور ہی قائم رہے۔ اس لئے شنکراچارج کے مقلد ایک اور فرقہ بن کر خرابی میں ایک اور زیادتی ہو گئی۔ اصل مرض نے بجائے گھٹنے کے بڑھنا شُروع کیا۔ اس کے چیلے رامانج نے ہندُو دھرم کے صحیفہ کا ایک اور ورق اُلٹا اور وشنُو کو اپنا اشٹ دیو قرار دے کر نئی تعلیم اور تلقین شُروع کی۔ ہندُوؤں کے مشہُور ویشنو فرقوں سری وشنُو، مادھوی،

وشنُو سوامی، ولبھاچاری وغیرہ وغیرہ کاؤ ہی اصل بانی ہے۔ اس کے مُختلف پَیر وؤں نے جن میں سے رامانند جی سب سے زیادہ مشہُور ہیں، وشنُو کے مُختلف اوتاروں کی پرستش قائم کی اور شانتی حاصل کرنے کے لئے لوگ اُن کے چشموں کی طرف بھاگ بھاگ کر گئے جو ظاہرا تو لبالب اور مقطر نظر آتے تھے لیکن جن کی تہ میں غلیظ اور متعفن مادہ موجود تھا۔ اُس نے بیماری کو اور بھی بڑھادیا۔ قوم دُربل تھی اور اپاہج، مُنتشر تھی اور ایک دُوسرے کے مُخالف خُدا سے دُور تھی۔ اس فرقہ کے لوگوں نے عیاشی اور ہر قسم کے آرام اور انواع واقسام کی عشرتیں قوم کی بیماری کا علاج بیان کیں۔ لیکن قوم کی بیماری بجائے گھٹنے کے بڑھتی گئی۔ عیاشی اور تن پروری، اوباشی اور تن زیبی نے اس بیماری کو بڑھانے میں بہت ہی اثر کیا۔ کرشن کے مداحوں نے تو وُہ اندھیر گردی مچادی کہ اخلاقی خُون جو قوم میں کسی قدر باقی تھا، متعفن ہوگیا۔ قوم کا جسم پہلے سے ہی کمزور تھا اور دُربل، نفاق کی مرض سے لاغر تھا اور نحیف۔ اُس کے ساتھ ہر عضو کسی نہ کسی مرض میں مُبتلا ہوتا گیا، مگر ویشنو فرقہ نے تو مرض کو مُہلک ہی کردیا۔ لوگ عیاشی کی طرف بڑھنے لگے۔ آرام طلبی نے قومی قُوت اور طاقت کو زیادہ سلب کردیا۔ تن من دھن سب کچھ گورُو کے ارپن کر کے قوم لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے لگی۔ بُت پرستی کو اِن فرقوں نے بہت بڑا رواج دیا۔ گورُوڈم کی بنیادوں کو اُنہوں نے نہایت مضبُوط و مربُوط کیا جو آج تک ہلنے میں نہیں آئیں۔ انسانی زندگی کا معراج نجات ہے۔ اُس کے حصُول کا ذریعہ صرف گورُوؤں پر ایمان لانے پر رکھا۔ سیوکوں کا تن من اور دھن اپنا کرنے کے لئے مایا مِتھیا اور سب کچھ برہم ہونے کا جال بچھا کر قوم کو بالکل ناکارہ بنادیا۔ زمانہ حال

کے مدبّر جسٹس راناڈے بمبئی نے اپنے ایک لیکچر میں بیان کیا تھا کہ ویشنو دھرم سے ہندُوؤں کو حالت سنوارنے کا بڑا موقعہ ملا ہے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ یہ نتیجہ کس طرح نکالا گیا ہے جو ظاہراً اور واقعات کے بر خلاف ہے۔ ظاہرا تو اس مذہبی فرقہ سے ترقی دھرم یا پولیٹیکل یا سوشل پہلوؤں میں سے کسی طرح کوئی فائدہ مرتّب نہیں ہُوا بلکہ آرام طلبی، بُزدلی، تن پروری، خُود غرضی ایک دُوسرے سے کھانے پینے کی نفرت البتّہ بڑھ گئی ہے۔ اگر یہ مُراد ہو کہ اس مذہب کی ترویج سے شراب نوشی کا رواج کم ہُوا اور گوشت خوری کے کم ہونے کے باعث حیوانوں کی تکلیف کا نظارہ کم ہو گیا تو اس کا فخر جینیوں کو زیادہ ہے۔ وُہ اُن سے آگے بڑھے ہُوئے ہیں۔ ویشنو فرقے دراصل ہندُوؤں کی قومی خصلت بنانے یا قائم رکھنے اور سوشل یا پولیٹیکل یا مذہبی ترقی کے ہارج ہی رہے ہیں۔ اُن سے فائدہ مطلق نہیں پہنچا۔ فی الحقیقت جسمانی بل کے ساتھ قوم کا ایمان بھی زائل ہو گیا اور طُرّہ یہ کہ بجائے اس کے کہ ایک دُوسرے کی تخریب کا ہر ایک مددگار ہوتا، اختلاف اور بھی وسیع ہو گیا۔ ہندُو مدُتوں سے دماغی غلامی میں گرفتار تھے۔ اگر کچھ کسر باقی تھی تو ان ویشنو گوروؤں نے وُہ بھی پُوری کر دی۔ ہندُو مکمل طور پر دماغی غلامی میں مُبتلا ہو گئے۔ اپنی عقل اور دماغ سے کام لینا چھوڑ دیا اور جن کے بھروسے پر دماغ سے کام لینا چھوڑا، اُن کو آخر بمصداق

؎ 'بجو دیدم عاقبت تو گرگ بودی'

کے مصداق پایا۔ ایسی کمزوریٔ حالت اور طاقت میں دُوسری طرف شاکتک

دھرم کے پَیر و بیر حمی، بداخلاقی اور ناپاکیزگی پھیلانے میں مصرُوف تھے۔ شیوی اپنے دیوتا کی عزّت کی یادگار میں چرس، گانجا، بھنگ اور شراب سے مدہوش تھے اور دیگر بیشمار فرقے تھے اس باعث آپس میں نفاق اور اختلاف تھا۔ ایسی کمزور حالت میں ہندُو قوم کے جب دل و دماغ اپنے نہ رہے ہوں، ایک دُوسرے سے لڑنے بھڑنے میں مصرُوف ہوں، ایشور کو بھُول کر آدمیوں، جانوروں اور جمادات کو پُوجتے ہوں، توہمات میں گرفتار ہوں، سب کچھ متھیا جانتے ہوں، مایا کے جال میں پھنسے ہُوئے ہوں، دین دُنیا سے بے پرواہ ہوں، مذہبی اور سوشل اختلاف کی وجہ سے پھر مل جانا ان کا محال نظر آتا ہو، رسُوم اور توہمات میں گھرے ہُوئے بھٹکتے ہوں، ایک دُوسرے کی بھلائی کا جن میں مطلق خیال و گمان بھی نہ ہو تو ایسی قوم ایک خُدا پرست اور زبردست قوم کے حملوں سے کب تک بچ سکتی تھی۔ ہندُوؤں کا کوئی ایک معراج نہ رہا تھا۔ المختصر ہندُوؤں کے لئے ایسا وقت آگیا تھا کہ ذاتوں میں تقسیم شدہ تھے، ایک ذات ایشور کی پرستش سے دُور بھٹکے ہُوئے تھے، مُختلف دیوتاؤں اور اوتاروں اور انسانوں کی عبادت میں مصرُوف تھے، علم سے محرُوم تھے۔ برہمن قوم کا خُون چُوسنے میں سرگرم قوم جہالت میں مُبتلا تھی، نہ مذہب اور دھرم میں، نہ سوشل حالات میں نہ کسی دستُور یا رسُوم میں، نہ طریقِ معاش میں، نہ کسی پولیٹیکل پہلو پر متفق تھے۔ ایک دُوسرے سے کسی قسم کی وابستگی اور محبت نہ تھی۔ غرض ہندُو قوم ہر پہلُو سے کمزور اور ناتواں تھی اور زبردست تصادم کے مقابلہ کے بالکل ناقابل۔ اور ظاہر ہے کہ کمزور اور لاغر زبردست اور صاحبِ طاقت کا ہمیشہ محکوم رہتا ہے۔ اس لئے اسلام کے فاتحان کی توجہّ ہندوستان کی طرف پھری اور

اُس کا نتیجہ یہ ہُوا جیسی کہ ایسی حالت میں اُمید ہو سکتی تھی، کہ اسلام کی تلوار نے ہندُوؤں کی رہی سہی طاقت سب مُنتشر کر دی اور جس قدر ممکن تھا، ان کو مسلمانوں نے ذلیل اور رُسوا کیا۔ ان کے ننگ و ناموس کو برباد کیا۔ اُن کی عزّت اور دولت کو اپنا بنایا اور طوقِ غلامی اُن کے گلے میں ایسا ڈالا کہ پھر اُن کے گلے سے نہ نکل سکا۔ اور آخر وہ ہندوستان کے اس طرح مالک بن گئے جیسا کہ مویشیوں کے انسان مالک ہوتے ہیں۔ اسلام کے مظالم کے طُوفان اور طُغیانی میں ہندوستان کو ہوش ہی نہ رہا۔ بہت حصہ اُن سے جُدا ہو گیا۔ وُہ ناعاقبت اندیش اسی میں خُوش رہے کہ ناکارہ حصّہ بدن کا جُدا ہوا تو اچھا ہُوا۔ اور کوتاہ اندیش یہ نہ سمجھے کہ جن کو وُہ ناکارہ حصّہ بدن کہتے ہیں وُہ تبدیلی آب و ہوا مذہبی سے بہادر بن جاتا ہے اور بُزدل ہندُوؤں کے مال و متاع اور مِلک املاک کا مالک بن جاتا ہے۔ اسلام کی پہلی فُتوحات سے ہندُوؤں نے سخت ظُلم برداشت کئے تھے۔ ہندُوؤں کی بُت پرستی اسلام کے لئے ظُلم کرنے کا عظیم بہانہ رہا۔ اسی بُت پرستی کے باعث ہندُو مجموعاً ان کی نظروں میں کافر تھے۔ اس لئے وُہ نہ صرف قابلِ نفرت اور حقارت تھے بلکہ ہر طرح کی اذیّت، عقُوبت، ظُلم، جور و جبر، بے عِزّتی اور سرزنش کے مستحق تھے۔ ابتدائی فاتحانِ اسلام نے مذہبی جوش میں نہایت شرمناک ظُلم کئے۔ نہ صرف ہندُوؤں کے مذہبی مکان اور مندر وغیرہ ناپاک کئے بلکہ اُن کو گرایا مسمار کیا اور اُن کی جگہ مسجدیں بنوائیں۔ ہندُوؤں کے نہ صرف سیم و زر، دھن دولت کو لُوٹا کھسُوٹا بلکہ اُن کے گھر اور بستیاں جلا پھُونک کر خاکستر کر ڈالیں۔ نہ صرف ہندُو عورتوں کی بے عِزّتی پر اکتفا کیا بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کو قتل کیا۔ بیشمار پیر جوان بُوڑھے بچےّ اور

عورتیں تہ تیغ کیئے اور بے حساب عورتوں کو لونڈی اور غُلام بنایا اور دو دو دینار کو غزنی کے بازاروں میں فروخت کیا۔ ہندُووں کو نہ صرف حقیر اور ذلیل ہی سمجھا کیئے بلکہ جبراً اُن کو مُسلمان کیا اور اُن کی عورتیں جبراً چھین کر اپنے نکاح میں لائے اور جو خاندان مُسلمانوں کا ایک دُوسرے کے بعد آیا سب نے کم و بیش ہندُووں کے ساتھ یہی سفاکانہ اور ظالمانہ سلُوک جاری رکھا۔ اُن حالات میں نتیجہ لازمی تھا کہ مابین فاتحان اور مفتُوح نفرت پیدا ہو۔ چنانچہ مابین اُن کے سخت نفرت پیدا ہُوئی اور رہی۔ دونوں ایک دُوسرے کو نہایت درجہ تک حقیر جانتے تھے۔ آپس میں کسی قسم کا رشتۂ اتحاد نہ تھا۔ اہلِ اسلام اپنے تئیں فاتح سمجھ کر اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آئے دن ظُلم کیئے جاتے تھے۔ ہندُو کبھی کبھی آنکھیں لال پیلی کرتے مگر کمزور اور دُربل ہمیشہ مُنہ کی کھا کر اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتے تھے۔ مُسلمانوں کے جور و ستم اس قدر وسیع تھے کہ ان کا مفصّل بیان اس کتاب کے احاطۂ مطلب سے باہر ہے۔ خُود مُسلمان مؤرّخوں کی کتابوں میں ان کے دردناک خاکے موجود ہیں۔ اگرچہ اس وقت پُرانی قبریں کھودنی زیبا معلُوم نہیں ہوتیں لیکن مذہبی جوش اور طاقت کے خروش میں مُسلمانوں نے جور و ظُلم خُدا کا حکم یعنی شرعی فرمان سمجھ کر کیئے ہیں اور اُن کے ثواب میں رطب اُللسّان ہیں۔ اُن میں سے بَرنی یعنی صرف چند واقعات کو نہ بطرزِ شکائیت بلکہ بر سبیل حکائیت اور روائیت بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین اندازہ لگا سکیں کہ وُہ لوگ جو گُورو گوبند سنگھ جی پر ایجاد طرز خُونخواری کا الزام لگاتے ہیں وُہ معلُوم کر سکیں کہ زمانہ میں کیا ہوا چل رہی تھی اور اُس کا کیا علاج تھا۔

از تاریخ خالصہ حصہّ اوّل :۔ محمود نے ہندُوؤں کے مندروں کو لُوٹا۔ اُن کے دیوتاؤں کی بے عزّتی کی اُن کی مُورتیوں کو توڑا۔ ہندُوؤں کو خُوب دل کھول کر لُوٹا۔ ہزاروں خاندانوں کو زروسیم سے محرُوم کیا۔ گھاس اور چارہ کے لئے سارا ملک ویران کر دیا۔ اُن کے مندروں کی چوکھٹیں اور دیگر سامانِ آرائش اُٹھا کر اپنی مسجدیں سجائیں۔ مُورتیوں کو توڑ کر اُن کے ٹکڑوں سے مسجدوں کے پائدان بنائے۔ جہاں اہلِ اسلام جُوتیاں اُتار کر مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ لاکھوں عورتوں اور مردوں کو قتل کرایا اور لاکھوں کو گرفتار کر کے لونڈی اور غُلام بنایا۔ دو دو دینار (دینار ۱۰ آنے یا ۴ آنے قیمت کا ہوتا تھا) کو غزنی کے بازاروں میں فروخت کیا۔ متھرا میں بیس روز شہر لُوٹا۔ مندروں میں ہندُوؤں کے دل دُکھانے والے کام کئے۔ جہاں کے راجہ نے آخر اپنی تمام اولاد کو قتل کر کے خُودکشی کرلی۔

اس سے پہلے محمد قاسم نے ہندُوؤں کو تاخت و تاراج کر کے راجہ داہر والئے سندھ کی دو بیٹیوں کو قید کر کے بیشمار عورتوں کو گرفتار کر کے بغداد میں جہاں وُہ تھا وہاں کے خلیفہ کے حرم سرائے میں داخل ہُوئیں۔

قُطب اُلدین ایبک نے میرٹھ میں تمام مندروں اور بُتوں کو توڑ ڈالا اور وہاں مسجدیں تعمیر کرادیں۔ جس نے اسلام قُبول کرنے سے انکار کیا اُن کو شربتِ مرگ پلایا۔ صرف ایک شہر کالنجر میں ۱۱۳۰ ہندُوؤں کے مندر پائمال کرا کے مسجدیں بنوائیں۔ ہزاروں ہندُو قتل ہُوئے اور غُلام بنائے۔ صفحہ ۹۔ بحوالہ طبقاتِ ناصری علاقہ بہار کی فتح میں قُطب اُلدین مذکور نے ایک لاکھ کے قریب تو صرف برہمن قتل کرائے تھے اور

ہندُوؤں کا مشہُور اور قدیمی کتب خانہ جلادیا۔ صفحہ ۹ بحوالہ تاریخ علائے امیر خُسرو فیروز شاہ نے دکھن کی فتح میں بیشُمار بُت لاکر اپنے قلعہ کے دروازہ پر پھینکوادئے اور مُدّت تک ایک ہزار ہندُوؤں کے خُون سے اِن بُتوں کو غُسل کروایا۔ دو مرتبہ ملک مالوہ کی فتح کے وقت اس کو اس طرح سے لُوٹا کہ روٹیوں تک باشندوں کو مُحتاج کر دیا۔

(صفحہ ۹)

بحوالہ تذکرۃ العمر امیر عبداللہ خاں و تذکرۃ الامصمد علاؤالدین خلجی نے کمبات کے گردونواح میں اس قدر ہندُو قتل کئے کہ خُون کی ندیاں بہادیں۔ ہزار ہا بچّوں اور بیس ہزار حسین عورتوں کو غُلام بنانے کے لئے اپنے ملک کو روانہ کیا تھا۔ اس علاؤالدین نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ ہندُوؤں کو سوائے پارچات پوشیدنی اور غلّہ حسب مقدار خرچ ششماہی سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ اس کے سوائے باقی سب مُسلمانوں کے حوالے کیا جائے کیونکہ ہندُو کافر ہیں اور اُن کا مال و متاعِ حقِ اسلام ہے۔ اس بادشاہ کی نسبت مرقُوم ہے کہ اپنے بھائی اور بھانجی کی بغاوت کے شُبہ میں کھال کھچوائی تھی اور اُن کے گوشت کا پلاؤ پکوا کر اُن کے بال بچوں کو کھلوایا۔ (جو اپنے ہم مذہب اور بھائیوں سے ایسا سلُوک کرتا تھا ہندُوؤں کے ساتھ ظُلموں کا صرف قیاس کرنا ہی بہتر ہے۔)

اُس نے شہر دولت آباد کو یہاں تک برباد کیا کہ کُتّا بِلّی تک باقی نہ چھوڑا۔ اندھوں کو گھوڑوں کی دُم سے بندھوا کر مروایا۔ (صفحہ ۹۔۱۰)

بحوالہ تاریخ ہندوستان صفحہ ۱۳۴ شہر پٹن کو اُس نے خاک میں ملادیا اور کولا دیوی کو جبراً اپنے حرم سرا میں داخل کیا۔ (صفحہ ۱۰)

بحوالہ امیر خُسرو جلال الدین خلجی نے تمام ملک مالوہ، گجرات کچھ تاخت و تاراج کرایااور اس حد تک کہ سوائے مٹی کے برتنوں اور پارچات پوشیدنی ہندوؤں کے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ بیس ہزار جوان عورتیں اور مرد بچے مُسلمانوں میں بطور انعام تقسیم کئے۔ چودہ ہزار ہندو رِشیوں کے سر کٹواکر قلعہ کی دیواروں پر رکھوائے۔ ہر ایک پر علیٰحدہ علیٰحدہ چراغ روشن کرایااور پھر جمنا میں پھینکوادیا۔

بحوالہ تاریخ فرشتہ فیروز شاہ نے جب نگر کوٹ کانگڑہ فتح کیا تو تمام ہندوؤں کو غارت کر کے بُتوں کو تُڑوادیااور اُن پر گائے کا گوشت لپیٹ کر برہمنوں کے گلے میں بندھوادیا۔ تیرہ ہزار ہندو بُت پرستوں کو گرفتار کرا کے سب کے مُنہ میں گائے کا گوشت دے کر قتل کرایا۔ (صفحہ ۱۲)

رانامل بھٹی کی لڑکی کو غیاث الدین نے جبراً مُسلمان کیااور اپنے عقد نکاح میں لایا جس سے فیروز شاہ پیدا ہُوا۔

اسی بادشاہ کے عہد میں جیسلمیر میں آٹھ ہزار بھٹنڈہ میں ۲۴ ہزار عورتوں نے اپنے تئیں بدنامُوسی اور بے عزتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو زندہ جلایا تھا۔

(صفحہ ۱۳)

تیمُور نے علاقہ دیال پُورہ کے پانچہزار، اجودھیا کے ۱۴ ہزار اور بنارس کے بیس ہزار بُت پرست ہندوؤں اور برہمنوں کو قتل کرایااور اُن کے عیال واطفال کو لونڈی اور غُلام بنا کر لشکریوں میں تقسیم کیا تھا۔ اُس نے شہر بھٹنیر میں ۲۹ ہزار ہندوؤں کو مکانوں میں بند کر کے اُن کو آگ لگادی تھی۔ آگ سے بھاگے ہُوئے ہندوؤں کو قتل کرایا تھا۔

ایک لاکھ پچاس ہزار تُزر کی سپاہیوں کو اُس نے لُوٹ اور تاخت و تاراج کرنے کے لئے تعینات کیا تھا۔ دہلی میں فخریہ کہتا تھا کہ میں گو پہلے لاکھوں ہندُو قتل کر چکا ہُوں مگر پھر بھی آرام سے بیٹھنا محال ہے کیونکہ میں تو ہندوستان میں صرف ہندُوؤں کو نیست و نابُود کرنے کے لئے آیا ہُوں نہ کے عیش و عشرت کے لئے۔ (صفحہ ۱۴)

بحوالہ تُزکِ بابری جو ہندُو لڑائی میں گرفتار کئے جاتے تھے وُہ سب بادشاہ کے رُوبرُو قتل کئے جاتے تھے۔ (صفحہ ۱۵)

شہاب اُلدین اور محمُود نے اُس قنوج کو لوٹ مار کر بالکل تباہ اور برباد کر دیا تھا جس میں بیس ہزار پنواڑیوں کی دُکانیں تھیں۔ (صفحہ ۱۵)

بحوالہ امیر خُسرو شہر بھلسہ کا مندر جو ایک سو پانچ گز بُلند اور نصف کے قریب لمبا چوڑا تھا، شمس اُلدین نے مسمار کرا دیا تھا۔ اس کے بچانے میں لکھُوکھہا ہندُو قتل ہُوئے اور آخر وہاں مسجد بنوائی گئی۔ فاتحانِ اسلام (بحوالہ تاریخ میر معصُوم) نے ابتدا میں یہ حکم جاری کیا تھا کہ کوئی ہندُو عُمدہ کپڑا نہ پہنے، نفیس طعام نہ کھائے، گھوڑے پر سوار نہ ہو، دو منزلہ مکان نہ بنوائے اور خُوبصُورت لڑکا لڑکی نہ رکھے۔ اگر ہوں تو مُسلمانوں کے حوالے کریں۔ پاخانہ کا مُنہ مغرب کو نہ رکھیں۔ (صفحہ ۱۶)

بحوالہ تاریخ چچنامہ خلیفہ کا حکم تھا کہ ہندُو کافروں کو چین نہ لینے دو۔ جہاں تک ممکن ہو مذہبِ اسلام میں لاؤ ورنہ قتل کر ڈالو۔ (صفحہ ۱۶)

تیمُور شاہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ میرا ہندوستان کے ملک میں اس قدر تکلیف اُٹھا کر آنا صرف دو امروں کے لئے ہے۔ ایک تو ہندُو کافروں کو دینِ اسلام میں

لانایا قتل کرنااور دُوسرا اُن کا مال و متاع لُوٹ کر مُسلمانوں کو فائدہ پہنچانا۔
(تمر ناسک، صفحہ ۵۸)

از دیگر تاریخ ہا انگریزی وغیرہ۔

اُردُو تاریخ ہند الفنسٹن صاحب کے صفحہ ۴۹۱ پر درج ہے۔ سندھ پر سمندر کی راہ سے عرب والوں کا آنا کافی عرصہ پہلے یعنی خلیفہ عمر کے عہد میں ہُوا اور غالب یہ ہے کہ سندھ کی حسین عورتوں کے لئے لٹیروں نے ارادہ کیا ہو گا۔ اس لئے کہ ملک عرب میں اس مُلک کی حسین عورتوں کی کمال آرزُو تھی۔

تواریخ مذکور صفحہ ۴۹۳ جب محمد قاسم نے بمقام دیول میں پہلا مندر اور قلعہ فتح کیا تو اُس نے پہلے پہل یہ خواہش کی کہ برہمنوں کا ختنہ کیا جائے۔ اُنہوں نے انکار کیا تو محمد قاسم نے صاف حکم سنایا کہ ۱۷ برس کی عمر سے زیادہ سب قتل کئے جائیں اور باقی لونڈے غُلام بنا کر بغداد میں بھیجے جائیں۔

تاریخ مذکور صفحہ ۴۹۵ بحوالہ تاریخ ٹاڈ صاحب جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۲۷ ترجمہ تاریخ فرشتہ برگز صاحب جلد نمبر ۴ صفحہ ۴۰۹ راجہ داہر کی بیوہ نے محمد قاسم کا مقابلہ کیا اور محصُور ہُوئی۔ آخر ذخیرہ کم ہُوا تو بال بچے اور عورتیں آگ جلا کر مریں اور مردوں نے دروازہ شہر کا کھول کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور سب کے سب مارے گئے۔ جب مُسلمان اندر شہر داخل ہُوئے تو باقیماندہ مردوں کو قتل کر کے اُن کے بال بچوں کو غلام بنایا۔

تاریخ مذکور ۴۹۷ جو برتاؤ اہلِ اسلام اُن لوگوں سے کرتے تھے اُس سے خونریزی عرب کا حال آغازِ فتوحات کے مانند ظاہر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب کسی بستی پر حملہ کیا جاتا تھا تو بستی والوں پر پہلے پہل یہ درخواست کی جاتی تھی کہ تم اسلام قبول کر دیا جزیہ ادا کرو اور انکار کی صورت میں بستی پر حملہ ہوتا تھا اور ہتھیار بند آدمی قتل کئے جاتے تھے۔ اہل و عیال اُن کے لونڈی اور غلاموں کی طرح بکتے تھے۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۳۰ نگر کوٹ کے ایک مندر سے سات لاکھ دینار طلائی اور ۹ سو من سونا، دو ہزار من چاندی اور بیس من جواہرات لے گیا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۳۵ محمود متھرا کے مندروں کو بیس دن تک گرواتا رہا اور بُت تُڑواتا رہا۔ شہر کو لُوٹتا رہا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۳۶ محمُود نے مہابن کے راجہ کے ساتھ صلح کا وعدہ کر کے دغا کیا۔ کئی ہندُو قتل ہُوئے اور ہزاروں دریا میں ڈُوب کر مر گئے۔ راجہ نے اپنی جورو و بچوں کو قتل کر کے خُود کشی کر لی۔ شہر میں لوگوں نے اپنے آپ کو قلعہ کی فصیلوں سے گرا کر ہلاک کیا یا اپنے جورو بچوں سمیت آگ میں جل کر مر گئے۔ یہاں تک کہ کوئی زندہ نہ بچا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۴۰ محمُود نے اجمیر کا ملک بے چراغ کر دیا اور دار اُلسلطنت کو تاخت و تاراج کر دیا۔

صفحہ ۵۴۳ سومنات کے بُت کے دو ٹُکڑے مدینہ بھیجے گئے اور دو غزنی، مجملہ ان کے ایک ٹکڑا دیوانِ عام میں رکھا گیا اور ایک ٹکڑا جامع مسجد کی نذر کیا گیا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۵۷ شاید کہ اس کے (محمود) جہادوں میں نہایت ناپسندیدہ بات وُہ ہے جس کو ایک مُسلمان مؤرّخ نے لکھا ہے اور پرائیس صاحب نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جو قیدی ہندوستان سے گرفتار ہو کر گئے تھے وُہ اس کثرت سے تھے کہ لونڈی غُلاموں کو سوا دو دو روپئے میں بھی کوئی خرید نہ کرتا تھا۔

تواریخ ٹاڈ صاحب صفحہ ۲۶۳ 'جوان محمُود کے افعال کو دیکھ کر آسمان کی آنکھیں تیرہ ہو گئیں'۔

تاریخ الفنسٹن صفحہ ۵۹۲ یہ شہاب الدین سلطان محمُود کی نسبت بہت زیادہ سفاک تھا۔ چنانچہ جب اُس نے لڑائی سے تھوڑے دنوں کے بعد اجمیر کو فتح کیا تو اس کے کئی ہزار باشندوں کو جو اس کے مقابل ہُوئے تھے گردن مارا اور باقی باشندوں کے بچے کچوں کو لونڈی غُلام بنانے کے واسطے رکھا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۵۹۷ 'پنجاب کے گکھڑوں اور غزنی کے مشرق میں رہنے والے ہندُووں کو شہاب اُلدین نے جبراً مسلمان کیا'۔

تاریخ ٹاڈ صفحہ ۲۷۱ جب قنوج فتح ہُوا اور اپنی قوم کا نمک حرام دُشمن جے چند اپنے کیئے کی سزا میں گنگا کی لہروں میں ڈُوب مرا تو چوہان کی گدّی کے لئے تنازعہ کرنے والا بمقابلہ شہاب اُلدین اب ہندوستان میں کوئی باقی نہ رہا۔ بربادی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے نظارے شُروع ہو گئے جو صدیوں تک جاری رہے۔ جس عرصہ میں تقریباً تمام نشانات مذہبی تقدّسات اور علم و ہُنر ہندُووں کے اس وحشی اور بیدرد ظالم

غنیموں کے ہاتھوں تلف اور برباد کیئے گئے۔ شریف راجپوتوں نے استقلال اور صابرانہ دلیری سے ہر ایک موقع پر اپنے مُخالف کے مُنہ پھیرنے کا مقابلہ کیا۔ اپنی ثابت قدمی اور بہادری سے اُنہوں نے دُشمنوں کے تمام خاندانوں کو توڑا پھوڑا۔ لیکن آخر کار تقدیر کے آگے سر جھکایا۔ راجستھان کی کل سڑکیں فاتح اور مفتوح کے خُون کی ندیوں سے سیراب ہُوئیں۔ لیکن بے فائدہ۔ ہمیشہ نئے نئے سامان فاتحان کے لئے بہم پہنچتے تھے۔ ایک خاندان کے بعد دُوسرا خاندان جانشین ہُوا۔ جو اُس ایک ہی قوم کی بیدردانہ عادتوں اور خصائل کے وارث تھے۔ جس سے قتل کارِثواب، تاخت و تاراج شرعی حکم، فنا اور بربادی حکمِ خُدا متصور ہوتے تھے۔ اُن مایوسانہ لڑائیوں میں راجپوتوں کی تمام قومیں رُوئے زمین سے اُٹھ گئیں۔ جن کے صرف نام اُن کی گزشتہ وجود اور عظمت کی نشانیاں باقی رہیں۔ تاریخ الفنسٹن صفحہ ۶۱۹ 'بیان کیا گیا ہے کہ ایک لاکھ آدمی اُس نے میوات میں قتل کرایا'۔

تاریخ مذکور صفحہ ۶۳۹ 'دیوگڑھ کو علاؤالدین خلجی نے لُوٹا اور روپیہ حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے عذاب دیئے۔ رتن بھُور ایک برس کے محاصرہ کے بعد فتح ہُوا اور تمام محصُورین اور راجہ اپنے خاندان سمیت قتل ہُوئے۔ علاؤالدین نے دیول دیوی کے لئے راجپوتوں پر کئی حملے کیئے اور چتوڑ پر راجہ کی بیوی کو جبراً لینے کے لئے کئی ظالمانہ حملے کیئے اور بیشُمار خُونریزی کی'۔

تاریخ مذکور صفحہ ۶۵۲ مبارک شاہ خلجی نے دیوگڑھ کے راجہ ہرپال دیول کی زندہ کھال کھچوائی۔

تاریخ مذکور صفحہ ٦٦ زیادہ ستانے سے کاشتکار اپنے کھیت چھوڑ کر چلے گئے اور جنگلوں میں جابسے اور بہت لوگ اپنی بستیوں میں سے بھاگ گئے۔ بادشاہ (محمد شاہ تغلق) ان باتوں کے واقع ہونے سے جس کا باعث آپ تھا، بہت برہم ہُوا اور ایسی بری تدبیر سے اُن سے انتقام لیا جو تمام ظُلموں سے بڑھ کر ہے یعنی اُس نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا اور بدستُور شکارِ ہندوستان ایک بڑے خطّہ کو رمنہ کی طرح گھیرا اور بعد اُس کے یہ حکم عام کر دیا کہ جو شخص اس گھیرے میں پاۓ شکار کی مانند اُس کو قتل کر دو۔ اس قسم کا شکار کئی مرتبہ کھیلا گیا اور پچھلا شکار یہ ہُوا کہ قنوج کے باشندوں کا قتلِ عام کیا۔

تاریخ مذکُور صفحہ ٦٧٦ تیمُور نے تلبہ کے تمام باشندوں کا قتلِ عام کرایا۔ بعد اس کے تیمُور بھٹنیر پر گیا اور تمام لوگوں کو قتل کیا، بستی جلائی گئی اور تمام باشندے جان سے مار دیئے گئے۔ اس کے بعد سمانہ کا ارادہ کیا اور جہاں جہاں گزرتا گیا باشندوں کو قتل کرتا گیا۔

تاریخ صفحہ ٦٧٧ تیمُور نے دہلی میں اُن تمام قیدیوں کو قتل کرایا جن کی عُمر پندرہ برس سے اُوپر تھی۔ جن کی تعداد بقدر ایک لاکھ تھی۔

تاریخ مذکُور صفحہ ٦٧٧ تیمُور کے دہلی فتح کرنے کے بعد فوج نے یہاں تک خُونریزی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور لاشوں کے انباروں سے بعض کُوچوں میں آنے جانے کی راہ مسدُود گئی۔ پانچ دن تک شہر لُوٹنا، جلنا، پھُکنا اور قتلِ عام اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہا اور ایسا قتلِ عام کیا کہ بیان کی نسبت خیال اس کا آسان ہے۔

تاریخ مذکُورہ صفحہ ٦٧٨ اور اُن ایاّم میں خُود جشن مناتا رہا اور پھر فیروز تُغلق کی

مسجد میں خُدا کا شکر ادا کیا اور ہر درجہ کے مرد عورتوں کو لونڈی غُلام بنایا۔

تاریخ مذکُور صفحہ ۶۸۲ سکندر لودھی جو شہر اور قلعے ہندُوؤں کے فتح کرتا تھا اُن کے مندروں کو ڈھا پھوڑ کر برابر کر دیتا تھا اور گنگا کے اشنان سے روکتا تھا۔

صفحہ ۶۸۵ تاریخ مذکُور بابر کی فوج نے لاہور کو جلا پھُونک کر سیاہ کیا۔ بعد اس کے دیپالپور پر چڑھائی کی اور محصُوروں کو جان جلکڑ کر گردن مارا۔

صفحہ ۷۰۸ تاریخ مذکُور بابر نے میواڑ پر فوج کشی کر کے ہزاروں قتل کیئے۔ چندیری کے محاصرہ میں ہزاروں محصُوروں نے اپنی عورتوں کو قتل کر کے حملہ کیا۔

صفحہ ۷۴۹ تاریخ مذکُور شیر شاہ نے رائے سین کے قلعہ میں ہندُوؤں سے دغابازی کر کے سب کو قتل کیا۔

صفحہ ۸۱۳ تاریخ مذکُور قطب کی لاٹھ کے پاس دہلی میں جو مسجد واقع ہے یہ ایک مندر تھا جس کو قطب اُلدین ایبک نے مندر سے مسجد بنوایا۔

صفحہ ۸۴۲ تاریخ مذکُور اکبر نے بہار امل والئے جے پور کی بیٹی سے نکاح کیا، چتوڑ کو برباد کیا جہاں ہزاروں راجپوتوں نے اپنے بال بچوں کو جلا کر مقابلہ کیا اور مارے گئے۔

صفحہ ۸۴۳ تاریخ مذکُور راجوں سے رشتہ ناطہ کرنے کو اکبر جی جان سے چاہتا تھا اور بڑی کوشش کرتا تھا۔ اِس کے جانشینوں نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا۔ چنانچہ جے پور اور مارواڑ کے خاندانوں کی دو رانیاں اکبر کی بیگمات تھیں اور اس کے بڑے بیٹے جہانگیر کی شادی بھی جے پور کی دُوسری رانی سے ہُوئی تھی۔ بجائے اس کے کہ تبدیل مذہب اور تغیّر ذات سے نفرت کی جائے بادشاہوں کی دامادی کے رشتے کا اعزاز و اکرام

اُن کے دلوں میں بیٹھا تھااور اُس کی خواہش کرنے لگے تھے۔

صفحہ ۸۷۹ تاریخ مذکور نرسنگھ دیو اور اُس کی جورُو بچوں کے پکڑے جانے اور اُس کے گھربار لُوٹنے کھسوٹنے کے لئے اکبر نے ایک فوج روانہ کی اور ایسی ایسی سختیوں کی اجازت دی کہ بھُولے چُوکے بھی ویسی سختیوں کی اجازت کبھی نہ دی تھی۔

صفحہ ۹۲۶ تاریخ مذکور اگرچہ جہانگیر اب بھی خُود پسند اور ستمگار، خُود پرست اور جفاشعار تھا مگر جیسا کہ وُہ پہلے وقتوں میں جفاکار اور ناخدا ترس تھا ویسا اب نہ رہا تھا۔

تاریخ مذکور صفحہ ۱۰۷ جب بابر آگرہ کو فتح کر چکا تو اوّل اُس نے یہ کام کیا کہ جو غنیمت ہاتھ آئی وُہ رفیقوں میں بانٹ دی۔ اپنے بیٹے ہمایوں کو ایک ایسا ہیرا عنایت کیا جو دُنیا میں نظیر نہیں رکھتا تھا اور ایک ایک شاہ رُخی (قیمتی ۸ آنے) بطور تُحفہ تمام کابل کے چھوٹے بڑے مرد عورت غُلام آزاد کو بھیجی۔ ایسی فیاضی کے باعث لوگ اُس کو قلندر کہتے تھے (کیوں نہ ہو مالِ مُفت دلِ بیرحم) یوں تو اُن پر کئی اور مثالیں ایزاد ہو سکتی ہیں۔ لیکن بطور مُشتے نمُونہ از خروارے اس امر کے اظہار کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ گُورو گوبند سنگھ جی نے واقعی قوم کو نہایت دُکھوں میں مُبتلا اور غایت پیڑت دیکھ کر اُن کی دست گیری کا خیال کیا۔ ہندوستان کی تاریخ زمانۂ اِسلام کی کوئی اُٹھالو اور غور سے مطالعہ کرو، تو صفحہ صفحہ پر اہلِ اسلام کے مظالم اور بیدردیوں کے نمُونے نظر آتے ہیں۔ ہر ایک بادشاہ نے جس قدر اُس کے امکان میں تھا، ہندُوؤں پر ظُلم کیا۔ المختصر اسلام کا زمانہ ہندوستان میں فنا، بربادی اور خُونریزی کا زمانہ تھا۔ ہزاروں انسان آئے دن تہ تیغ کئے، خُون کی ندیاں بہائیں، لاکھوں مرد و زن لونڈی غُلام بنائے اور اُن کے مُلک

اور جائدادیں چھین کر خُود مالک بن بیٹھے۔ نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ہنُدو کوئی اچھی چیز نہیں رکھ سکتے تھے حتّٰی کہ خُوش شکل اولاد کو بھی اُن کی نذر کر دینے کا حکم تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کی اِن کو اجازت نہیں تھی۔ دستار باندھنے کی اُن کو ممانعت تھی خصُوصاً سفید۔ اگر باندھیں تو لال رنگ کی۔ اگر کسی ہنُدو کا عُمدہ مکان باغ اسباب پسند آتا تو مُسلمان چھین کر اپنے تصرّف میں کر لیتے تھے۔ کسی کی بہُو بیٹی اور خُوبصُورت عورت سنتے تھے تو اس کے لئے فوج کشی ہوتی تھی اور جبراً چھین کر بیاہ ہوتے تھے۔ اگر ہنُدوؤں کی کوئی کتاب عُمدہ سُنتے دیکھتے تو اُس کو تلف کرا دیتے تھے۔ مندر شوالے توڑ کر مسجدیں بنوائیں۔ ہر ایک ہنُدو کے سامنے خواہ وُہ قصُوروار ہو یا نہ ہو دو سزائیں پیش ہوتیں اسلام یا قتل جس کو وُہ پسند کر لے۔ البتہ اتنا اختیار تھا کہ اگر کوئی ہنُدو حکیم صنّاع وغیرہ اچھا سُنا تو حکم ہُوا کہ وُہ سالام کی زینت کا باعث ہونا چاہئے نہ کہ کافروں کی۔ اس لئے اُس کو جبراً اسلام میں داخل کیا جاتا۔ ایک برہمن نہایت شاطر مشہُور تھا۔ ایک نواب نے خواہشاً بُلوا کر اُس کے ساتھ شطرنج کھیلا۔ آخر نواب ہار گیا۔ حکم ہُوا کہ اس کو مُسلمان کر لو کہ کافروں میں فتح پانے کی کوئی لیاقت نہیں ہونی چاہئے۔ مغرب کی طرف مکان کا دروازہ اور پاخانہ کا مُنہ رکھنے کا حکم نہ تھا۔ کیونکہ پہلی صُورت میں پُشت اور دُوسری صُورت میں مُنہ کرنے سے کعبہ کی بے عِزتی ہو گی۔ ایک ہنُدو پہلوان نے مُسلمان پہلوان کو مغلُوب کیا۔ ارشاد ہُوا کہ فوراً مُسلمان کیا جائے کہ اُس نے مُسلمان کو مغلُوب کیوں کیا ہے؟ ہنُدو اپنے مندروں میں ناقُوس اور گھڑیال نہیں بجا سکتے تھے۔ صرف ہنُدو رہنے کے لئے اُن کو سالانہ جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اور جزیہ ادا نہ کرنے کے

جُرم میں لاکھوں ہندُو مذہبِ اسلام میں داخل کئے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ تمام راجے محکوم ہو چکے تھے۔ ملک بے چراغ کر دیئے گئے تھے۔ راجپوتوں کا یہ حال تھا کہ اپنی لڑکیاں مُسلمانوں کو دینے میں فخر محسُوس کرتے تھے اور جو ہندُو اُن سے نفرت کرے اُن کے ساتھ خُود ہندُو راچھوت ناواجب سلُوک کرتے تھے۔ مذہبی اختلاف تو تھا ہی اور فاتحانِ اسلام ہندُوؤں کو حقیر سمجھتے تھے۔ لیکن سوشل مُعاملات میں بھی حقارتاً مُسلمان ہندُوؤں سے نفرت رکھتے تھے اور جو کچھ ہندُو کرتے تھے مُسلمان اُن کے برخلاف عمل میں لاتے تھے۔ ہندُو پیرہن کا گاد دائیں طرف رکھتے تھے تو مُسلمان بائیں طرف رکھنے لگے۔ ہندُو قبا کے بند دائیں جانب رکھتے تھے مُسلمانوں نے بائیں جانب رکھنا شُروع کیا۔ ہندُو نیلے رنگ سے نفرت کرنے لگ گئے تھے تو مُسلمانوں نے اس کو مُقدس بنالیا۔ ہندُو زعفرانی رنگ کو متبرّک سمجھتے تھے، مُسلمان اُس سے نفرت کرنے لگے۔ ان واقعات سے تین امُور قابلِ غور پیدا ہوتے ہیں:۔

اوّل مُسلمان فاتحان کے دل کس قسم کے سخت مادہ کے بنے ہُوئے تھے کہ ان کو اپنی رعایا کو اس بیدردی اور سفاکی سے قتل کرانے میں کبھی رحم کا خیال نہیں آتا تھا۔ نہ ضمیر نے کبھی اِن کو بیدار کیا بلکہ وُہ ایسے قتل اور خُونریزی میں خوش ہوتے تھے اور خُدا کے شُکریہ میں مصرُوف ہو جاتے تھے۔ گویا کہ اُن سے کارِ ثواب بن پڑا تھا۔

دُوسرا اسلام کی مذہبی تعلیم کے اثروں کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ وُہ ایسے بیدردیوں اور جور و جفا کے لئے کس طرح اُن کو تیار کرتی ہے۔ رحم اور نیک ضمیری کیونکر اُن کے دلوں سے معدُوم ہو جاتی ہے۔ اور طُرفہ یہ کہ وُہی ہندُو جن کو جبراً مُسلمان کیا گیا تھا اُن

میں جاتے ہی اُن جیسے جفاکش اور ظُلم شعار بن جاتے ہیں۔ اور اپنے بھائیوں اور اہلِ وطن کے خُون کے پیاسے بن جاتے ہیں۔ واپس آنے کا تو گمان ہی نہیں رہتا واپس آ کر کیا کریں۔ وُہی بے اتفاقی اور کمزوری اور وُہی کفش بر سر۔ اچھے گئے کہ اپنے بھائیوں کے بھی خُون آشام بن گئے بلکہ جو برہمن مُسلمان ہوتے تھے اہلِ اسلام اس کو سیّد کے درجہ پر تسلیم کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں سیّدوں کی تعداد زیادہ ہے۔ چُونکہ ان کو وہاں بھی بزرگی مل جاتی تھی اس لئے وُہ بھی مظلُوم برہمن ہونے سے ظالم حاکم ہونے کو پسند کرتے تھے۔ کھتریوں کو مُغل بنالیا جاتا تھا اس لئے وُہ بھی حکومت کے شریک بن کر اپنے اہلِ وطن کو چھوڑ کر تلوار کے ذریعہ اپنے بھائیوں کے خُون پر گزارہ کرتے تھے۔

سوم ہندُوؤں کی بے ہمّتی، بے عِزتی، خُود غرضی اور کوتاہ اندیشی کا یہی اندازہ معلُوم ہوتا ہے کہ بار بار ہر روز دیکھتے جاتے تھے کہ ایک ایک کر کے سب تباہ و برباد اور فنا ہُوئے جاتے ہیں۔ لاکھوں قتل اور لونڈی غُلام بن رہے ہیں۔ مندر اور مورتیاں توڑی جا رہی ہیں اور اس پر بھی ایک دُوسرے کا تماشہ دیکھنے میں مصرُوف ہیں۔ کسی کو خیال نہیں آتا کہ ذرا مل کر دُشمنوں کا مُقابلہ کریں۔ ایک مقصد بنا کر دُشمن کو زک دیں۔ ہر ایک اپنے اپنے میں گرفتار رہا اور آخر کار سب فنا ہُوئے ہی ہُوئے۔ اور اب وُہ وقت آ گیا تھا کہ ہندُوؤں کو اپنی عِزّت بچانے کے لئے سوائے آسمان پر نظر کرنے کے کوئی چارہ نہ رہا تھا کیونکہ کوئی چیز اُن میں ایسی باقی نہ تھی جس سے اِن کو امن حاصل ہو سکتا۔ اب نہ تو دھرم ان کو اپنا نظر آتا تھا نہ زمین۔ کمزور اور بل ہین تھے اور تاب و

مقامت باقی نہ تھی۔ کہیں کہیں صرف چند راجپوتوں کی حکومت تھی مگر وُہ بھی پہاڑوں کے کھنڈروں میں باقی تھی اور اُن کے لئے بھی اسلام کی ٹڈی دل فوجیں ہر وقت جہاد کے لئے آمادہ اور تیار رہتی تھیں۔ قریب تھا کہ ہندُو دھرم کا جہاز بالکل برباد ہو جائے۔ ویدک دھرم کے سیوک ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں کہ اس عالمِ نااُمیدی میں بابر کے عہدِ سلطنت میں ایک ایسا جہاز ران پیدا ہُوا کہ اُس نے ویدک دھرم کی کشتی اور ہندُوؤں کی ہستی کو ایک ایسا سہارا دیا کہ آخر اُن کے لائق جانشین نے ان کو طُوفان میں غرق ہونے سے بچالیا۔ یہ جہاز ران کون تھا۔ گُورونانک دیو جی جس نے ہندُوؤں کی اُن تمام سختیوں کو مذہبی خیال کی حلاوت سے کسی قدر تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اُس نے یہ سوچا کہ وُہ صُلح کُل مسائل کی تلقین سے اوّل دونوں قوموں میں نفرت کے دائرے کو کسی قدر کم کرے اور جن باعثوں سے مُسلمان ہندُوؤں سے زیادہ نفرت کرتے ہیں اور اُن کو کافر سمجھ کر اس بہانہ سے ہندُوؤں پر ظُلم کرنا روا سمجھتے ہیں، اُن اسباب کو ہندُوؤں میں سے دُور کرے۔ حالانکہ وُہ اسباب مثلاً بُت پرستی وغیرہ ہندُوؤں نے دُوسری قوموں سے مستعار لئے ہُوے تھے اور دُوسرے کے مستعار لباس میں تکلیفیں اُٹھاتے تھے مگر ان کو چھوڑتے نہیں تھے۔ اس لئے اُس نے پربھو بھگتی کے مقبُول عام طریقے سے ہندُوؤں سے اُن اسباب کو زائل کرنا چاہا۔ گُورونانک دیو جی نہائیت فہیم اور ذہن رسا آدمی تھے۔ ہندُوؤں کی اندرُونی حالت سے بخُوبی واقف تھے۔ مُسلمانوں کے مظالم اُن کے سامنے تھے۔ اس لئے اُس نے عُمدہ نسخہ ہندُوؤں کی مرض کا تلاش کیا اور وُہ نسخہ اس قسم کا تھا کہ اُن تمام اسباب کو ہی دُور کر دے جن کے باعث وُہ

مریض ہو جاتے ہیں۔ مُسلمان بُتوں کو توڑتے اور بُت پرستوں کو کافر سمجھ کر اُن کو قتل کرنا اپنا ایک مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ اسی جحت سے ہنڈوؤں کے مندر گراتے اور اُن کو جبراً مُسلمان کرتے تھے۔ مُسلمان شرک کے دُشمن تھے۔ اس لئے گُورونانک دیو جی نے ہنڈوؤں کو اُپدیش کیا کے سوائے ایک ذات ایشور کے کسی کی پرستش اُن کے لئے جائز نہیں اور بُت پرستی ایشور کے حکم کے خلاف ہے۔ ایشور لا شریک اور اکال سمجھتے تھے اور بُت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ اس لئے گُورونانک دیو جی نے شرک کو اُٹھا کر ایک ذات ایشور کی بھگتی کا سلسلہ قائم کیا اور ہنڈوؤں کو اُس طرف نرمی اور سہولت سے رجوع کیا اور اس طریقہ سے اس کام کو شُروع کیا اور نبھایا۔ یہ اُن کا ہی کام تھا اور یہی وجہ تھی کہ مُسلمان ایسے دلیر شخص کے بر خلاف نہ جھکے جو دراصل ہنڈوؤں کو اُن کے مدِّ مقابل بنانے کی بنیاد رکھ رہا تھا اور نہ یہ امر مُسلمانوں کو کبھی کھٹکا۔ گُورونانک دیو جی نے اوتار تیرتھ اور کُفر اُ کی تردید میں جو بُت پرستی کا بڑا باعث تھے، نرمی سے زبان کو متحرک کیا۔ گورو ڈم کے مسئلہ کی بھی خبر لی اور ایسی صُلح کل حکمتِ عملی کا برتاؤ کیا کہ نہ تو مُسلمان بھڑکے اور نہ وُہ اس نتیجہ کو دریافت کرنے کے قابل ہُوئے جو اس تلقین سے پیدا ہو سکتا تھا۔ نہ ہی ہنڈو اپنے مسائل کے بر خلاف گُورو کا اودیش دیکھ کر چونکے جب کہ اُن مسائل کو چپکے تسلیم کرنے لگ گئے کیونکہ بھگتی کے ساتھ ملے ہُوئے تھے اور بد گمانی کا خیال جلد پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔

اگرچہ گُورونانک دیو جی کے وقت میں اُن کے سکھوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی لیکن اُن کی تعلیم کا بیج بو دیا گیا تھا اور پھل لانے لگا تھا۔

واقعی تعجّب ہوتا ہے کہ برہمنوں نے حسب عادت قدیمہ نہ توگُورونانک دیو جی کی مخالفت کی اور نہ اُس کے مقابل اپنی بُت پرستی، شرادھ اور اوتاروں کی حفاظت کرنے کی کوشش کی اور نہ کسی قسم کا شور ہی مچایا۔ اگر کہیں مخالفت میں ہاتھ پاؤں مارے تو اس قدر خفیف کہ اس کی کوئی آواز ہی پیدا نہ ہُوئی۔ لیکن اُنہوں نے گُورونانک دیو جی کی تعلیم کو تسلیم بھی نہیں کیا کیونکہ گُورونانک دیو جی کھتری تھے اور اُن کے پیچھے برہمنوں کا چلنا بالکل دُشوار تھا۔ ورنہ گُورونانک دیو جی نے جو کام اپنے وقت میں کیا وُہ شنکراچارج کے مقابلہ میں کم سنگین اور وزن دار نہیں ہے بلکہ کئی صُورتوں میں بہت ہی زیادہ وزن دار ہے۔ شنکراچارج کے ساتھ کھتری اور برہمنوں کا دل بھی ساتھ تھا۔ گُورونانک دیو جی چونکہ برہمنوں کے مسائل کے برخلاف بلکہ اُن کے مسائل کو ہندُوؤں کے لئے ایک مرضِ مُزمن سمجھ کر اس کے مٹانے کے انتظام میں تھے۔ اس لئے برہمنوں سے ان کو ہرگز امداد کی توقع نہ تھی۔ لیکن چُونکہ ضرُوریات زمانہ ایسی واقع تھی اور حالاتِ وقت اس قسم کے تھے کہ برہمن خُود اس قابل نہ تھے کہ اپنی حفاظت خُود کسی طرح سے کر سکیں اس لئے اغلب ہے کہ وُہ اسی میں مصلحت اور اپنی بہتری سمجھتے گئے اور اغماض سے کام لیا۔ گُورنانک دیو جی کی حسنِ سعی اور وسیلہ سے جو ہندُو بچ رہیں گے وہی غنیمت ہے۔ موقعہ پاکر وُہ اپنے مسائل کو پھر ترویج دے لیں گے۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ برہمن اپنی قوت لایمُوت اور اقتدار کے وسائل پر وار کرنا پسند کرتے۔ اس کے علاوہ ایک بڑا مرض ہندُو جسم میں یہ تھا کہ صرف چھُوت چھات سے ہندُو اپنا دھرم گنوا بیٹھے تھے۔ گُورونانک دیو جی نے عمدہ مصلحت سے کام لیا اور چھُوت چھات کے خیالات کو دھرم سے الگ کیا اور تیرتھ اشنان وغیرہ کو صرف بدن کی صفائی تک محدُود کیا۔

گورونانک دیو جی اپنے اودیش میں کسی قدر کامیاب ہوئے۔ اس کی صُلح کُل حکمتِ عملی کام کر گئی اور ہندوؤں کو اپنے دھرم پر اٹک رہنے کے لئے نئے سامان مل گئے۔ اس کی صُلح کُل حکمتِ عملی کا باعث ہی تھا کہ ہندو اور مُسلمان دونوں اس کو عِزّت سے دیکھتے تھے

دُوسری طرف بنگال میں چیتنیہ نے بھی اپنے موقعہ پر کرشن بھگتی کے سارے نئے خیالات پھیلائے اور ہندو دھرم کو ڈُوبنے سے تنکے کا سہارا ملا۔ چنانچہ اُس نے یہاں تک آزادی برتی کہ ایک جنم کے مُسلمان کو ہندو بنا کر اپنا چیلہ بنا لیا۔ گورونانک دیو جی سے پہلے کبیر وغیرہ بھگتوں نے بھی آپس کے عناد کی تلخی اور تلچھٹ کو کسی قدر حلاوت آمیز کرنے کی سعی کی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ گورونانک دیو جی کی محنت رائگاں ہونے لگی۔ ایک طرف مُسلمانوں نے اپنے مظالم کا سلسلہ بدستور جاری رکھا تو دُوسری طرف ہندوؤں نے اُن اسباب کو بوجہ حسد تعلیم گورونانک دیو جی نہ چھوڑا جن کے باعث وُہ مُسلمانوں کی نظر میں کافر بنے رہتے تھے۔

اکبر نے بھی ظاہراً اس قسم کی کوشش کی تھی کہ ہندو اور مُسلمان آپس میں مل کر رہیں اور جو حقارت اُن کے مابین ہے وُہ کم ہو جائے اور برداشت کے عادی ہوں۔ لیکن دراصل ہندوؤں کے لئے اُس کی حکمتِ عملی نہائت مضر تھی۔ ہندوؤں نے مُسلمانوں کی لڑکیاں بوجہ تعصب مذہبی لینی ہی نہ تھیں اور نہ لینا پسند کیا۔ اگرچہ اکبر نے راجپوتوں کے سامنے یہ تجویز پیش بھی کی۔ لیکن ہندو ایسے مجبور ہوئے کہ راجپوت راجوں تک اپنی لڑکیاں مُسلمانوں کو دینا فخر سمجھنے لگے۔

غرض ہندو دھرم کے لئے اب وُہ وقت آ گیا تھا کہ تنزل کے اسباب مکمّل ہو

گئے۔ راجپوت کھتریوں پر ہندُوؤں کی آنکھیں کہ وُہ مُلک اور دھرم کی حفاظت کریں گے۔ مُلک تو جاچکا تھا۔ دھرم بھی مٹنے کے آثار دکھانے لگا۔ مانا کہ ہندُو راجوں نے مُلکی مصلحت کے لحاظ سے مُسلمان بادشاہوں کی لڑکیوں کو لینے سے انکار کیا۔ لیکن وُہ دبنے کب لگے تھے۔ وُہ تو ایک حکمتِ عملی تھی اور حکومت کا رعب تھا کہ راجپوت لڑکیاں مُسلمانوں کو دینے پر مجبور ہُوئے اور ہندُوؤں کے لئے اس سے بدقسمت زمانہ نہ پہلے آیا تھا اور نہ بعد میں آیا کہ خُوشی خُود لڑکیاں مُسلمان ہونے کے لئے حوالہ کرتے تھے۔ غرض یہ سب کچھ ہُوا لیکن ہندُوؤں کی حالت نہ سنبھلی۔ ممکن ہے کہ ہندُوؤں کی اندرُونی شانتی بڑھ گئی ہو اور ہندُوؤں نے مذہبی اور رُوحانی خُودبینیوں میں ترّقی کی ہو گی جو ہمیشہ کی سختیوں، ظُلموں اور خانہ جنگیوں میں ناممکن تھی۔ لیکن ان میں وُہ مجمُوعی طاقت نہ توکسی مذہب کی نئی صُورت میں پیدا ہُوئی اور نہ کبھی اس قابل ہُوئی کہ ہمیشہ آنے والے مصائب کے مقابلہ کے لئے تیار یا قابل ہوں۔ گُورونانک دیو جی اور اُس سے پہلے مذہبی مصلحان کی کوشش سے ممکن ہے کہ ہندُوؤں کی مرض میں کچھ افاقہ ہُوا ہو لیکن زائل نہیں ہُوا اور پھر مخالف اسباب کے پیدا ہونے سے مرض بڑھنے لگا۔

اورنگ زیب کا زمانہ ہندُو دھرم کے لئے نہائت کٹھن اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ وُہ اس قدر متعصب تھا کہ اُس نے اسلام میں داخل ہونے کے لئے سخت جبر کو استعمال کیا۔ جس قدر مُسلمان بادشاہ ہندوستان میں ہُوئے ہیں سب کی دلی رغبت ہندُوؤں کے خلاف تھی اور رہی۔ ہر ایک کم و بیش ظُلم رانی کرتا رہا جس کے لئے تاریخ کا ایک ایک صفحہ شاہد ہے۔ لیکن جس قدر بدنام اس بارے میں اورنگزیب ہے اور کوئی نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا اورنگزیب نے واقعی ہندُوؤں پر اس قدر ظُلم کئے کہ اُس کو

اِس قدر نفرت سے بدنام کیا جاتا ہے، اس بارہ میں ہزاروں مثالوں میں سے صرف ایک مثال دے کر اہلِ بصیرت کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ ٹاڈ صاحب نے اپنی تاریخ راجستھان میں اورنگزیب کے مُلک میواڑ پر فوج کشی کا ذکر کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ اس قدر ہندُو قتل ہُوئے کہ جس طرح اکبر نے کئے تھے مگر اُس نے اس مقام پر راجپوتوں کو قتل کرا کے ساڑھے ۷۴ من مقتُولوں کے زنّاروں کے وزن سے اپنی فتح کی سنگینی کو تولا تھا۔ اسی طرح اورنگزیب ہندُوؤں کے زنّاروں کے وزن سے اپنی فتح کے وزن کا موازنہ کیا کرتا تھا۔ خواہ من کا کوئی وزن قرار دیا۔ اُس سے اورنگزیب کے بیدردانہ ظُلموں کا اندازہ معلُوم ہو سکتا ہے۔ اورنگزیب کے خیالات اُن پہلے اسلامی فاتحان کے خیالات کی طرح تنگ اور تعصّب سے پُر تھے جو اسلام کا پھیلانا فخر اور مُوجبِ عزّت کو نین اور فرض مُتبرّک سمجھتے تھے۔ ہندوستان کے پہلے مُسلمان بادشاہ ہندُوؤں پر پولیٹیکل مظالم کی اوٹ میں مذہبی جوش بھی نکال لیتے تھے اگرچہ ہندُو اس سے بھی دُکھت ہوتے تھے۔ لیکن پولیٹیکل ہوا کے برداشت کے عادی ہوتے جاتے تھے۔ اس لئے ظُلم سہے جاتے تھے اور دِن بسر کئے جاتے تھے۔ مگر اورنگزیب کی زبردستی اور بیرحمی مذہبی نظر سے تھی اور اُس کی سعی محض یہ تھی کہ ہندوستان سے کُفر کا نام مٹا دے اور سب کو مُسلمان کروالے۔ اس لئے کئی وجُوہات تھیں۔ جسقدر بیرحمی اس بادشاہ نے اپنے خاندان اور بھائیوں کے قتل میں اور باپ کی قید میں ظاہر کی تھی، اس کی شرمساری اور بدنامی کا داغ دھونے کے لئے وُہ اپنے گردوپیش کے مُسلمانوں کو اپنے اسلام کا جوش دکھا کر دھوکا دینا چاہتا تھا۔ دُوسرا اصل حقدار سلطنت کا دارا شکوہ اکبر کی طرح صُلح کُل پالیسی رکھتا تھا اور اُس کے خیالات ہندُوؤں کے ویدانتی فرقہ کی طرف زیادہ مائل ہونے کے باعث

اورنگزیب اپنی نظروں میں اس کو کفر پر محمول کرتا تھااور اس کے برخلاف جہاد جائز ثابت کرنے کے لئے اسلامی جوش کا ظاہر کرنا اپنا ایک پاک فرض سمجھتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسقدر پولیٹیکل ضرورت اِن ظلموں کی متقاضی نہ تھی، جس قدر اس کی عیاری ذاتی مکّاری اور تعصّب تھے۔ اب ایسا وقت آن پہنچا تھا کہ ہندوؤں کا نام رُوئے زمین سے مِٹ جائے۔ یہ طوفان متعصّب ہندوؤں کے لئے سب سے زیادہ بلا انگیز اور یہ سیلاب اسلام سب سے زیادہ بربادی خیز تھا۔ لیکن اس کے مقابل اس وقت ہندوؤں کی حالت کیا تھی۔ ایسے بُزدل بنے ہُوئے تھے کہ ناگُفتہ بہ۔ یہ وُہ وقت تھا جب تمام ہندوستان کی وُسعت میں اسلامی حکومت کا ڈنکا بجتا تھا۔ ہندوؤں کی کوئی سلطنت باقی نہ رہی تھی سوائے چند چھوٹی راجپوت ریاستوں کے جن میں اکثر لق ودق جنگل تھے یا پہاڑی علاقے اور غاریں۔ اور بس اِن کا بھی یہ حال تھا کہ اسلام کی ٹڈی دل فوج ہر وقت ان کو روندنے میں تعینات تھی اور وُہ بیچارے پہاڑوں میں چھُپے چھُپے پھرتے تھے اور ہندوؤں کی حفاظت کسی طرح نہیں کر سکتے تھے۔ چندر بنسی خاندان کا نام و نشان بھارت ورت سے مٹ چکا تھا۔ یادووں کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا تھا۔ کرشن اور یدھشٹر جیسے بلوانوں کے خاندانوں میں سے دیش کے لئے ایک آنسو بہانے والا بھی نہ رہا تھا۔ سُورج بنسی خاندانوں کی مٹی ہُوئی نشانیاں اور بجُھے ہُوئے چراغ راجگانِ میواڑ کندروں اور پہاڑوں میں چھُپے پھرتے تھے۔ اگنی کُل راجپوتوں کے لختِ جگر اپنے دیش اور دھرم کے غارتگروں کو اپنی لڑکیاں نذر کرتے پھرتے تھے۔ چھتری اور کھتری خاندانوں کے نام صفحۂ ہستی سے مِٹ چکے تھے۔ اب کوئی ہندوؤں کی حفاظت کرنے والا نہ تھا۔ کچھ طاقت اس میں باقی نہ تھی۔ دُربل کمزور اور اپاہج تھے۔ وُہ راجپوت اور کھتری

تمام ہندوستان کے مرہٹے تھے جن کی نسبت ٹاڈ صاحب نے لکھا ہے :-

دہلی کی فتح اور راجہ دہلی کی گرفتاری۔ اُس کے رفیق راجہ چتوڑ اور اُس کی فوج کے بہادروں کی وفات نے ہند میں تاتاریوں کی فتح کا مزید اور قطعی دروازہ کھول دیا اور جب قنوج فتح ہوگیا اور اپنی قوم کا دغاباز اور نمک حرام دُشمن (راجہ جے چند) اپنے افعال کی سزا میں دریائے گنگا کی لہروں میں ڈُوب مرا تو کوئی شخص ہند میں تختِ چوہان کے لئے تنازعہ کرنے شہاب اُلدین کے مقابلہ میں باقی نہ رہا اور بربادی، غارت تاخت و تاراج اور جدال و قتال کے نظارے شُروع ہُوئے جو صدیوں تک جاری اور قائم رہے۔ اس عرصہ میں تقریباً تمام نشانِ مذہبی اور علم و ہُنر اُن وحشی، بیدرد اور ظالم غنیموں کے ہاتھوں تلف اور برباد کئے گئے۔ شریف راجپوتوں نے استقلال اور صابرانہ دلیری سے ہر ایک موقعہ پر اپنے مُخالف کے مُنہ پھیرنے کا مقابلہ کیا۔ اپنی ثابت قدمی اور بہادری سے اُنہوں نے دُشمن کے تمام خاندانوں کو توڑا پھوڑا۔ لیکن آخر تقدیر کے آگے سر جھکایا۔ راجستھان کی کُل سڑکیں اور شاہراہیں فاتح اور مفتُوح کے لہُو کی ندیوں سے لبالب بھر گئیں۔ لیکن بے فائدہ۔ ایک خاندان کے بعد دُوسرا خاندان جانشین ہُوا۔ جو اُس ایک ہی قسم کی بیدردانہ عادتوں اور خصائل کے وارث تھے۔ جن کے لئے قتل کارِ ثواب، غارت و تاخت حکمِ شرعی اور بربادی حکمِ خُدا تصوّر ہوتے تھے۔ ان مایُوسانہ لڑائیوں میں راجپوتوں کی تمام قومیں رُوئے زمین اور صفحۂ ہستی سے اُٹھ اور مٹ گئیں۔ جن کے نام صرف اُن کے گُزشتہ وجُود اور عظمت کی نشانیاں باقی ہیں۔ کون قوم تمام رُوئے زمین پر اپنی تہذیب کے نشان اپنے آباؤاجداد کے رسم و رواج اور جوہروں کو اس قدر صدیوں کے بیشُمار اور لاتعداد غرق اور فنا کرنے والے مظالم میں

قائم اور زندہ رکھ سکتی تھی۔ راجپوت اگرچہ سرگرم اور بے خبر ہوتا ہے لیکن جب ضرورت ہو تو وہ اپنی عادتِ برداشت اور ظاہر بے پروائی پیدا کرتا ہے اور اپنے تئیں موقعہ انتقام کے لئے تیار رکھتا ہے'۔

پھر الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں تاریخ اُردو صفحہ ۵۸۷ مگر باوجود اس کے کوئی ریاست ہندوؤں کی سخت لڑائی کے بغیر فتح نہ ہوئی۔ بلکہ بعض ریاستیں پوری طرح مطیع نہ ہوئیں۔ یہاں تک کہ وہ آج تک قائم ہیں بیشک مسلمانوں کی سلطنت برباد ہو چکی ہے۔ مقابلہ جو شہاب اُلدین کو ہندوؤں سے پیش آیا اِس کا سبب یہ تھا کہ ہندو لوگوں میں راجپوتوں کی قوم قدیم سے سپاہی تھی اور تمام عمر اپنی سپہ گری میں بسر کرتی تھی۔ تمام ذاتوں سے اُن کی ذات معزز اور ممتاز تھی۔ اگرچہ اور لوگ رسُوماتِ مذہب کے اختلاف سے الگ الگ گروہ ہو گئے تھے مگر معاملوں میں گھُلے ملے رہتے تھے۔ راجپوت قوم ایسی تھی کہ وہ ماں کے پیٹ سے ہی سپاہی پیدا ہوئے تھے اور ہر گروہ اُن کا موروثی سردار رکھتا تھا۔ باوجود اس کے کہ مورّخوں نے راجپوتوں کی قوم کی اس قدر تعریف کی ہے لیکن یہی راجپوت اس قدر کمزور اور نحیف ہو گئے تھے کہ رفتہ رفتہ تمام ریاستیں کھو بیٹھے تھے اور اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر کو لڑکیاں دینے پر مجبور ہوئے۔ اور اس سے زیادہ صریح اس قوم کے تنزل کا باعث دریافت کرنا عبث ہے۔ مانا کہ اکبر نے حکمتِ عملی کے زور سے راجپوت راجوں کی لڑکیاں لیں۔ یہ صحیح اور قابلِ تسلیم ہے اور راجپوتوں نے چپّہ چپّہ زمین بدوں خونریزی کے نہیں دی۔ لیکن اس امر کے تسلیم کرنے میں بھی ذرا شک نہیں کہ اکبر اور عالمگیر کے وقت تک ہندوؤں کی قوّت ہندوستان میں بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ سوائے میواڑ کے راجہ کے تمام خود مختار راجے

ہندوستان کے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ تمام راجپوت اور کھتریوں کی قومیں فنا اور برباد ہو چکی تھیں۔ کسی قسم کی پولیٹیکل طاقت یا تواریخی عظمت راجپوتوں کی باقی نہ تھی۔ راجہ میواڑ نے بھی کئی صدیوں کی بہادرانہ جانفشانی کے بعد اسلام کی اطاعت میں سر جھکایا تھا۔ ہندو قوم کا اب کوئی سہارا نہ رہا تھا۔ آخر راجپوتوں کی یہ حالت ہو گئی تھی جس کو الفنسٹن صاحب کی زبان میں بیان کرتے ہیں:۔

اگر اُن کی صفات مذکورہ میں اُن کی سُستی اور کاہلی کا اضافہ کریں جو قدیم زمانہ سے چلی آئی ہے گو وُہ ایسی نہ تھی کہ حال اس کا تاریخ میں مذکور ہوتا اور اُن اثروں کو بھی مراعات کریں جو اُس کے عرصہ دراز کے ہو جانے اور ہمتوں کے پست ہو جانے پر مُترتب ہُوئی تو ایک ایسی خصلت پائی جائے گی جو آج کل کے راجپوتوں میں پائی جاتی ہے اور وُہ اپنے بزُرگوں سے وُہ مشابہت رکھتے ہیں جو اس کے بزُرگ مہابھارت کے بہادر راجپوتوں سے رکھتے تھے۔

اورنگزیب کے زمانہ تک ہندوستان اور ہندوؤں کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ تمام ہندوستان پر اسلامی حکومت کا سایہ چھایا ہُوا تھا۔ غرب میں گجرات اور دوارکا تک اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ دکن کی تمام ہندو حکومتیں رفتہ رفتہ پردۂ فنا میں اپنا مُنہ چھپا رہی تھیں اور رامیشور میں مسجدیں تعمیر ہو کر اللہ ہُو اکبر کی بانگیں بُلند تھیں۔ اوڑیسہ اور بنگالہ مدّتوں سے اسلام کے مظالم کا تختۂ مشق بن رہا تھا۔ شمال کے پہاڑوں میں بھی راجے محکوم اور مغلوب ہو چکے تھے۔ کاشمیر پر اسلامی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ باوجود اس کے ملک میں امن نہ تھا۔ ہر طرف آئے دنوں بغاوتیں تھیں اور ہندو آٹے میں گھُن کی طرح پس رہے تھے۔ تمام فوج کشیوں میں نقصان ہندو اُٹھاتے تھے۔ تواریخ کے

ورق اُلٹ کر دیکھو۔ کوئی ورق اور دن ہندوستان میں اسلام کے زمانہ کا ایسا نہ ملے گا جس دن کوئی نہ کوئی لڑائی، فوج کشی، بغاوت، جنگ اور جدل ہندوستان کے کسی حِصّہ میں نہ ہو۔ اس صدیوں کے بدامنی اور تصادم میں ہندوؤں کی کونسی چیز تھی جو بچ رہی ہو۔ جو کچھ پہلے ہُوا تھا اُسکو نظر انداز کر کے اگر صرف اورنگزیب کے کارناموں پر نظر ڈالیں تو وُہ وقت آن پہنچا تھا کہ ہندوؤں کا نام سرزمینِ ہند سے اسطرح محو ہونے والا تھا جس طرح اہلِ قریش کا عرب سے۔ قریب تھا کہ مثل فارس، ٹرکی، ترکستان، افغانستان، بلوچستان اپنے آباؤاجداد کے مذہب کو تلانجلی دے بیٹھیں اور اسلام کی تلوار کے سامنے سر جھکا کر آبائی مِلّت کو خیرباد کہیں کیونکہ ہندوؤں میں اب اہلِ اسلام کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی نہ تو صلاحیت تھی، نہ طاقت نہ بھُجابل تھا، نہ دھرم بل رہا تھا نہ دھن بل۔ ایک مُنتشر اور دُربل ٹُکڑے ٹُکڑے ہُوئی قوم اب سسکتی تھی اور نزدیک تھا کہ اُس کی زندگی کا نفسِ آخری نکل جائے۔ ہندُو دھرم بے برگ و نوا تھا۔ بے پر و بال عنقا تھا۔ اُس کی کشتیِ حیات طُوفان میں اَیسی گھری تھی کہ کنارے پر لگنے کی کوئی آس باقی نہ ہو۔ اس کا ناخُدا کوئی نہ تھا۔ نہ میرِ بحر۔ ہر طرف طلاطم اور لہریں۔ پردۂ نااُمیدی سے اچانک ایک شکل نمُودار ہُوئی جس نے زور سے ہندُو دھرم کی طرف پکار کر کہا ؎

کہتا حباب ہستی کا دریا رواں رہے
افسوس ہے کہ میں نہ رہوں اور جہاں رہے۔

اس اجنبی نے ہندُو دھرم کی کشتی کو نہ صرف طُوفاں سے ہی نکالا بلکہ کنارے لا کھڑا کیا۔ ہندُو دھرم کے شکستہ استخوان کے لئے مومیائی تھا۔ سُوکھے ہُوئے کھیت کے لئے

ابرِ رحمت تھا۔ اُجڑے ہُوئے دیار کا یارِ غمگسار تھا۔ آخر وُہ تھا کون؟ گُورو گوبند سنگھ تھا جس کے نام سے دُنیا واقف ہے۔ جس درخت کو گُورو نانک دیو جی نے لگایا تھا۔ جس درخت کو گُورو ارجن دیو جی اور گُورو ہر گوبند نے اپنے خُون کا پانی اور ہڈّیوں کی کھاد دیکر زمین سے اُٹھایا تھا۔ جس کو گُورو تیغ بہادر جی نے اپنے لہُو سے سینچ کر ذرا بڑا کیا تھا۔ اُس کو گُورو گوبند سنگھ جی نے اپنے چار بیٹوں، پانچ پیاروں اور ہزاروں عقیدت مند سنگھوں کے خُون کی لبالب نہروں سے ایسا بلوان چڑھایا کہ آخر وُہ پھل لایا۔ وُہ پھل کیا تھے؟ قومیّت، اخُوّت، وحدت اور محبت یعنی ایسا پھل کہ جن کا پوست وحدتِ الٰہی تھا۔ جس کے ریشے قومی محبت، جس کے پردے حُبّ الوطنی، جس کی گٹک اخُوّت اور جس کا شیریں رس قومیّت تھی۔ اُس پر شوتم پیر، اُس مہاں پر اُپکاری، اُس بیمثال حُبّ الوطن اُس بے نظیر قومی محبت کی زندگی کے کارناموں کو ناظرین کی آگاہی کے لئے آیندہ سطُور میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

گر قبُول اُفتد زہے عِزّ و شرف

فقط

دولت رائے

۲۵۔ جنوری ۱۹۰۱ء

گورو گوبند سنگھ جی

جن ایّام میں گورو تیغ بہادر جی راجہ جودھپور کے ساتھ بنگالہ کی طرف اپنی مرضی سے یااورنگزیب کے اشارے پر گئے ہوئے تھے،گورو گوبند سنگھ اپنی دھرم پتنی اور اپنی ماں نانکی دیوی کو کرپال چند کے ہمراہ پٹنہ چھوڑ گئے کیونکہ اُن کی بیوی ماتا گوجری حاملہ تھیں اور خُود راجہ کے ہمراہ آسام کی طرف روانہ ہُوئے۔

مقام اور وقتِ پیدائش

سمت ۱۷۲۳ بکرم میں سنیچر اور اتوار کے درمیان والی رات کو ۱۸۔۱۷ پوہ ڈیڑھ پہر رات رہی ماتا گوجری کے پیٹ سے ایک لڑکا بمقام پٹنہ پیدا ہُوا جس کا نام گوبندر کھا گیا۔گورو تیغ بہادر خُود کہہ گئے تھے کہ اگر لڑکا پیدا ہو اس کا نام گوبندر کھا جائے۔

کرامتیں۔

ان کے جنم کی حالت کے متعلق سکھوں نے کئی کرامتیں لکھی ہیں۔ جیسا کہ دیگر مذاہب نے اپنے مُوجدانِ دین کے بارے میں لکھی ہیں۔ لیکن چُونکہ اُن کا وجود محض مریدوں اور سکھوں کی حُسنِ عقیدت ہے اور اصلی وجود معدُوم، اس لئے اُن کو یہاں بیان کرنے کی ضرُورت نہیں ہے۔

ایّام طفولیت۔

جب گوبند جی ذرا بڑے ہُوئے اور لڑکوں میں کھیلنے لگے تو اُن کی مرغُوب کھیل یہ تھی کہ لڑکوں کی آپس میں فوجیں بنا کر لڑاتے تھے اور تیر و کمان اور غلیل کھیلتے تھے۔ گُورو کا بیٹا سمجھ کر لوگ اُن کی بڑی عزّت کرتے تھے اور اس لئے لڑکے بھی کھیل کُود میں اس کا لحاظ رکھتے تھے۔ چنانچہ کھیل میں جب فوجوں کی نقلیں اُتارتے تھے تو گوبند سنگھ کے حصہّ میں اکثر سَیناپتی اور بادشاہ کا پارٹ آتا تھا۔ کبھی عدالت کی نقل کر کے لڑکوں کا انصاف کرتے تھے۔ غلیل مارنے کی خُود بھی مشق کی تھی اور اپنے ہمراہی لڑکوں کو بھی اس کا عادی کیا تھا۔ کبھی کبھی جو عورتیں پانی کے گھڑے سر پر رکھ کر کنوئیں یا تالاب کی طرف جاتی تھیں تو یہ اُن کو نشانہ بنا کر گھڑوں کو توڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ عورتیں تنگ آکر اُن کی دادی ماتا نانکی سے شکایت کرتی تھیں۔ ماتا نانکی گوبند سنگھ کو دھمکاتی تھیں۔

نڈر بچپن سے ہی تھے۔ چنانچہ اُن کی بابت ایک لطیفہ مشہُور ہے کہ ایک دن گوبند سنگھ جی لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حاکم پٹنہ اُن کے پاس سے گُزرا۔ چوبدار نے لڑکوں کو راستہ میں دیکھ کر کہا کہ لڑکو! نواب صاحب آتے ہیں اُن کو سلام کرو۔ گوبند سنگھ نے لڑکوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ نہیں سلام نہیں مُنہ چڑاؤ۔ چنانچہ لڑکوں نے ویسا ہی کیا اور بھاگ گئے۔ بچپن سے ہی سبھاؤ چنچل تھا اور غلیل بازی کے بہت ہی مشتاق تھے۔

جب گُورو تیغ بہادر صاحب پنجاب کی طرف واپس ہُوئے تو عیال واطفال کو پٹنہ

ہی چھوڑ آئے اور پنجاب میں آکر آنندپُور گاؤں بسایااور چند روز بعد عیال واطفال کو بھی پٹنہ سے آنندپُور میں بُلوالیا۔

گوبند سنگھ کی تعلیم

باپ کو زمانہ کی حالت کا نقشہ سامنے نظر آرہا تھااور گدّی نشینی کا سلسلہ بھی ایک قسم کے تنازعہ کو ساتھ لئے ہُوئے تھا۔ اِس لئے باپ نے بیٹے کو علومِ دینی کے علاوہ کسی قدر فنُونِ جنگ اور شہ سواری کی تعلیم بھی دلوائی۔ فارسی پڑھانے کا بھی انتظام کیااور جس قدر تعلیم اس قسم کی اس کے باپ نے بہ نظرِ دُوراندیشی کی اس کا نتیجہ گُورو گوبند سنگھ کی زندگی میں مُرتّب ہُوا۔

باپ کی وفات

گُورو گوبند سنگھ تو تعلیم میں مصرُوف تھے اور سیر وشکار میں مشغُول اور اُن کے پتا گُورو تیغ بہادر ایک ایسی قُربانی کی تیاّری کر رہے تھے جس کا زمانہ مدّت سے منتظر تھا۔ اورنگزیب کا زمانہ تھا۔ اورنگزیب کی بڑی کوشش یہ تھی کہ جس طرح ہو سکے وُہ تمام ہندُوؤں کو مُسلمان کر کے ایک مذہب کر دے۔ چنانچہ اس کے لئے وُہ نہایت سختی جبر اور جور وستم کا استعمال کر رہا تھا۔ اُس نے گاؤں کے گاؤں مُسلمان کر ڈالے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُس وقت ادنےٰ اور عام ہندُو ہر روز کے مُسلمانوں کے مظالم سے تھکے ہُوئے تھے اور ہندُو دھرم میں نفاق اور دُر بلتا اس قدر تھی کہ وہاں اُن کو آرام اور تسکین نہیں ملتی تھی۔

بڑی قومیں اُن کو حقیر سمجھتی تھیں۔ مجموعی طاقت قوم میں ایسی نہیں تھی کہ وُہ امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن اسلام میں جانے سے وُہ فاتح اور حکمران قوم کے ممبر بن جاتے تھے اور ہندُو دھرم کے نفاق کے اثروں سے محفُوظ ہو جاتے تھے۔ رعیت سے نکل کر حکومت کے شریک بن جاتے تھے۔ ہندُو سوشل اور دُربل شُدھ دھرم کی آزادی مل جاتی تھی۔ اس لئے ادنےٰ ذاتوں نے اسلام کو ہندُو برہمنی دھرم کے مقابلہ میں نہ صرف بہتر سمجھا بلکہ غنیمت سمجھا اور وُہ خُوشی خُوشی دائرۂ اسلام میں جانے لگے تھے۔ اور اس لئے اورنگزیب کی ان ادنےٰ گروہوں کی طرف توّجہ نہ تھی۔ وُہ بڑی ذاتوں مثلاً کھتری اور اُس سے بڑھ کر برہموں کو جبراً مُسلمان بنانے کی طرف جھکا ہُوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے کاشمیر میں مُسلمان کرنے میں بہت خرچ کیا۔ چُونکہ کئی برہموں نے کشمیر میں مُسلمان ہونے سے انکار کیا، اس لئے اورنگزیب نے اُن کو دربار دہلی میں طلب کیا۔ اُن ایاّم میں سکھوں کی حالت کچھ سنبھل رہی تھی اور اُن کے دھرم کا چرچا اور غوغا تھا اور گُورو ہرگوبند وغیرہ نے ذرا سر اُٹھایا بھی تھا۔ اِس لئے کاشمیری برہمن گُورو تیغ بہادر کے پاس آئے اور اپنا ماجرہ بیان کیا۔ گُورو تیغ بہادر اُن کا حال سُن کر فکر میں آگئے اور کچھ سوچنے لگے اور چہرہ پر تفکّر اور غم کے ملے ہُوئے آثار نمُودار ہو گئے۔ کیونکہ برہموں کی حالت اور اورنگزیب کی طاقت دونوں ایسے امر تھے کہ پہلے کی حالت کہتی تھی کہ اُن کی دستگیری پاک اور پوِتّر فرض ہے اور کھتری خُون کا جوش دھرم رکھشا کرنے کا تقاضا کرتا تھا۔ لیکن دُوسری طرف شاہ اسلام کی طاقت کہتی تھی کہ مقابلہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ اِسی سوچ وچار میں متفکر اور مشوّش بیٹھے تھے کہ گُورو گوبند سنگھ باپ

کے پاس آ گئے اور اُن کو مغمُوم پاکر باعث پُوچھا۔ باپ کے مُنہ سے نکلا اب ہندُو دھرم اور بھارت دیش کی ایسی دشا ہے کہ کسی نیک مرد منش کے سر کے بلیدان ہونے کی ضرُورت ہے۔ تو گُورو گوبند سنگھ کے مُنہ سے نکل گیا کہ آپ سے زیادہ نیک مرد منش کون ہے جو کھتری دھرم کے لئے اپنا سر بلیدان کرے۔ آپ ہی اِس کو پُورا کریں تو اچھّا ہے۔ گُورو تیغ بہادر نے کہا کہ اچھّا جو ایشور کی اِچھّا ہو گی وُہ پُوری ہو گی۔ اور نگزیب کو سکھوں کے آئے دن کا عرُوج آنکھوں میں کانٹا سا کھٹکتا تھا۔ کاشمیری برہمنوں کی مدد کی خبر نے اُس کو اور بھی بھڑکایا اور آخر گُورو تیغ بہادر کی اورنگزیب نے طلبی کی۔ گُورو تیغ بہادر نے گُورو گوبند سنگھ کو اپنا جانشین بنایا اور گدّی نشینی کی رسُوم ادا کر کے اس کو نصیحت کی کہ میں تو اکال پُرکھ کی آ گیا سے دھرم کے لئے اپنا سر دینے چلا ہُوں۔ تم میری نعش کو بے عزّتی سے بچانا اور اس کو حاصل کر کے مرتک سنسکار کر دینا۔ میرے خُون کا انتقام اور ہندُو دھرم کی حفاظت کا کام اب آپ کے سُپرد ہے۔ اس کو پرانوں تک نچھاور کر کے پُورا کرنا۔ اور آخر وُہی ہُوا جس کو گُورو تیغ بہادر بہ نظرِ دُور اندیشی پہلے سمجھے ہُوئے تھے۔ وُہ اورنگزیب کے حکم سے دہلی میں مار دیئے گئے اور ایک ادنےٰ سکھ جیون رنگڑ نام نے گُورو جی کا سر گُورو گوبند سنگھ کے پاس پہنچا دیا۔ گُورو گوبند سنگھ نے اپنے باپ کا سر دیکھ کر یہ دوہا پڑھا:۔

سادھن ہیت اتی جن کری سیس دیا پر سی نہ اُچری
دھرم ہیت ساکا جن کیا سیس دیا پر سر ڑنہ دیا۔

گُورو تیغ بہادر کے دھڑ کو اس کے ایک معتمد سکھ نے رات کو اُٹھا کر اپنے گھر میں

رکھ کر جلادیااور اپنے گھر کو بھی ساتھ ہی آگ لگادی کہ مُبادا اس کا گھر میں جلانے کا راز فاش ہو جائے۔ اور باہر کسی جگہ جلانا مشکل تھا۔

گُورو گوبند سنگھ کے اودیش کی راہ میں مُشکلات

ہر چند گُورو گوبند سنگھ کے دل میں اس امر کا جوش تھا کہ وُہ اپنے پتا کی بھیانک موت سے سبق حاصل کر کے اپنے اودیش کو کامیاب کرنے کے لئے سعی کرے لیکن اس کے اودیش کی راہ میں کئی مُشکلات حائل تھیں۔

جب گُورو تیغ بہادر نے دھرم کی رکھشا، دھرم دُشمنوں کی بیخ کُنی، دیش بھگتی کی اگنی سُلگانے کی وصیت گُورو گوبند سنگھ کے دل میں ودیعت کی تو اُن کی عُمر صرف نو برس کی تھی۔ تجربہ کا ذخیرہ صرف اِسی قدر تھا کہ آپ نے دھرم کے لئے جان دی تھی۔ اِس عُمر میں ہی چھوٹے سے دِل میں قومیّت کے زندہ کرنے، حُب الوطنی کی اگنی بھڑکانے، نہایت عظیم اور بیحد وسیع و سخت مُشکل محنت اور صعُوبت سے پُر اودیش اپنے سامنے رکھا لیکن سامان ندارد۔ اِن کے پیرو صرف محدُودے چند سکھ، نہ کوئی جاگیر، نہ کوئی جائداد، نہ آدمی نہ روپیہ۔ جو کچھ خُوش اعتقاد سکھ نذرانہ پیش کرتے تھے صرف اُسی پر گُزارہ چلتا تھا اور مقابلہ میں اسلام کی نہایت زبردست طاقت جو ایک طرف سمندروں سے لہراتی اور دُوسری طرف پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکراتی تھی۔ برہما کی حدُود تک اسلام کی شوکت اور سطوت کا نقارہ بج رہا تھا۔ اور اَیسے وقت میں گُورو گوبند سنگھ کے حِصّہ میں کام کا شُروع کرنا آیا تھا۔ گویا زمانے نے اسلام کی ایسی زبردست طاقت کا مقابلہ

ایک اَیسے بے سر و سامان فقیر گو شہ نشین کے سپُرد کیا تھا جس کو اُس نے جوہرِ قابل پایا تھا۔ باپ کے پریم سندیسہ کا پُورا کرنا گُورو گوبند سنگھ جیسے کھتری پُتر کے لئے ضرُوری تھا لیکن کیا کرے۔ اس کے لئے اُس وقت ہند کی حکومت کی عنان اورنگزیب جیسے بیرحم، سفاک خُونخوار ستمگر کے ہاتھ میں تھی۔ وُہ بھی باشوکت و بااقبال بدرجہ کمال۔ اس کے مقابلہ میں ایک نو برس کے سن کا بالک وُہ بھی بے پر و بال۔ تاہم اُس نے اِرادہ کیا اور یہ اودیش بنایا کہ مُسلمانوں کی حکومت کو ہندوستان سے خارج کیا جائے اور اسلامی غُلامی کا طوق ہندُوؤں کے گلے سے اُتارا جائے۔ وُہ مذہبِ اسلام کا نہ دُشمن تھا اور نہ اُس کے برخلاف دُشمنی سے اُس کو کچھ فائدہ کی اُمید تھی۔ وُہ اُن مُسلمانوں کا دُشمن تھا جو مذہب کے لباس میں ظلم اور جورو ستم کے عادی تھے، جو خُود اسلام کے ننگ تھے اور نام کے مُسلمان۔ وُہ اُن وحشیوں، ظالموں اور سفاکوں کا دُشمن تھا جو اسلام کی تعلیم کے سایہ میں ہر قسم کی خُونریزی اور ہر مذہب کی توہین، ہر انسان کی ہلاکت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے۔ اُن کو ہندوستان کی حدُود سے باہر نکالنے کا اودیش گُورو گوبند سنگھ نے بنایا۔ بنانے کو تو یہ اودیش بنا ڈالا مگر اِس کو پُورا کرنا ٹیڑھی کھیر تھا۔ وُہ سوچتا تھا لیکن کوئی راہ نہ ملتا تھا۔ مرض معلُوم تھا، دوائی معلُوم تھی لیکن دوائی کا ملنا محال تھا۔ آخر اُس نے دوائی تلاش کر لی اور وُہ بیماری کے لئے تیر بہدف ہُوئی۔ لیکن وُہ دوائی کیا تھی اور مرض کیا تھا، تاوقتیکہ اُس کا بیان نہ کیا جائے، معالج کی دانائی اور زیرکی، علاج کی کامیابی، دوائی کی تاثیر، مرض کے درجے، صحت کی خُوبی اور اثر کی لذّت کو ائف معلُوم ہونے ایک گُونہ دُشوار ہیں۔

گُورو گوبند سنگھ کے لئے کام شُروع کرنے میں بہت دُشواریاں اور پیچیدگیاں سدِّ راہ تھیں۔ وُہ خُود ایک نوجوان بمُشکل لڑکپن کے سِن سے نکلا تھا۔ گدّی نشینی کے تنازعہ کے باعث خُود اُس کے اپنے بھائی بند اُس کے مُخالف تھے۔ سکھوں کے بر خلاف گورنمنٹ مُشتبہ تھی۔ لیکن اس کو ایک دِل دیا گیا تھا جو تمام تکالیف کو ہیچ سمجھتا تھا۔ جو کسی سختی اور دُشواری سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ جو کسی مصیبت میں گھبرانے والا اور کسی دُکھ میں رنجیدہ ہونے والا نہیں تھا۔ وُہ اَیسا دِل تھا جو ہندُوؤں میں ہزاروں سال سے ناپید تھا۔ اُسے اُس دِل نے اُبھارہ لیکن مصالحہ کام کرنے کا مَوجُود نہ تھا۔ دِل نے اُکسایا مگر کٹھن مُشکلات کا سامنا تھا۔

وُہ چاہتا تھا کہ اپنے باپ کے خُون کا انتقام اور اپنی قوم کے مظالم کا قصاص لے۔ اس کی عین خواہش تھی کہ وُہ اپنی قوم کو اورنگزیب کے دستِ تطاول سے بچائے۔ اُس کی آرزُو تھی کہ اپنے دیش اور دھرم کو اُس وقت کے جفاکیش اور بدنام حکّام سے آزاد کرائے۔ لیکن اہلِ ملک کی حالت کو ہر طرف نکمّا پاتا تھا۔ اہلِ وطن اپاہج، پست ہِمّت آپس کے نفاق اور نقصان میں مشغُول، توہمات میں مُبتلا، اِتّفاق اور یگانگت سے کوسوں دُور، بل ہین، غیرت اور حمیت سے محرُوم، الوالعزمی میں عاجز۔ کوئی چیز ایسی موجُود نہ تھی کہ جس کے ذریعہ سے وُہ اپنے اہلِ وطن کو ایک سطح پر لائے، ایک مُشترک غرض میں شامل کرے۔ ہر طرف پستی اور ذِلّت کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ تمام ہندُو خُود غرضی کے نشہ میں مخمُور، اُن کی سُنتا کون اور کون اُن کے ساتھ کھڑا ہوتا۔ چھتری چھتری نہ رہے تھے، برہمن اوروں کو مٹا کر خُود بھی مِٹ چکے تھے۔ کسی کی نہ آبرُو تھی نہ

عزّت۔ کسی کی نہ دولت اپنی تھی اور نہ جائداد۔ بے امنی اور ہر وقت کا خطرہ۔ اُدھر تو یہ حالت اِدھر گُورو گوبند سنگھ کے نوجوان دِل میں حُب الوطنی کا طُوفان۔ جوشِ دھرم کی طُغیانی، انتقامِ اہلِ وطن کا غُصّہ، قومی حمیت کا تقاضہ اہلِ مذہب کو مصائب سے رہائی دلانے کی اُمنگیں، دیش کو ملیچھوں سے آزاد کرانے کا ولولہ۔ لیکن اِس کے ساتھ ہی بے سرو سامانی، نا تجربہ کاری، ہر طرف سے امداد و اعانت کی مایُوسی۔ ناظرین! ذرا سوچنا اِس نوجوان کے دِل میں محبت قومی کا جوش اُبل اُبل کر کس طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہو گا جب اُس کو قوم کی کم ہمّتی کمر ہمّت باندھنے سے روکتی ہو گی۔ اُس کی اُمنگوں کی لہریں اُٹھ اُٹھ کر کس طرح حباب سا فنا ہو جاتی ہوں گی۔ جب اُس کو خُود اپنے اہلِ وطن سے نا اُمیدی نظر آتی ہو گی۔ لیکن اُس کو دِل ایسا نہ دیا گیا تھا کہ مُصیبتوں سے ڈرے، نا اُمیدیوں سے گھبرائے، مُشکلوں کے خیال سے پیچھے ہٹے، تکالیف کا سامنا کرنے سے گریز کرے، نا اُمیدی میں پست ہو جائے، صعُوبت اور محنت سے جی چُرائے، اپنے مُخالف کی عظیم طاقت سے خَوف کھائے۔ اس لئے اُس نے ہندُو دھرم اور مُلکی حالت کو نظرِ غائر سے بچارا۔ ہر پہلو پر گہری نظر ڈالی تو اُس کو ہندُو ہر پہلُو میں گرے ہُوئے نظر آئے۔ چنانچہ امُور ذیل ایسے تھے کہ جس پر اُس کی توجّہ مطلُوب تھی۔ اور یہ ایسے سوال تھے کہ اُن کے حل کرنے پر ہی ہندُوؤں کی گرہ کشائی منحصر تھی۔ پس

وُہ سوال کیا تھے جن پر ہندُوؤں کی اصلاح کا مدار تھا

وُہ سوال اہم حسب ذیل تھے :۔

اوّل :۔ ایک ذات واحد ایشور کی بھگتی چھوڑ کر بیشمار دیوتے، مُورتیاں ، اوتار انسان، جانور، نباتات، معدنیات قابلِ پرستش قرار پاگئے ہیں اور جن کے باعث قوم کی قومیّت کا سلسلہ ٹُوٹ کر ہندُو بالکل منتشر ہو گئے ہیں اور جسمانی اور رُوحانی غُلامی میں مُبتلا ہو کر اپنی ہستی مٹانے کے آثار ظاہر کر رہے ہیں۔ اُن کو کس طریق سے غیر از خُدا یعنی دیگر مخلُوق کی پرستش اور ویدوں کی کشش سے ہٹا کر ایک ایشور کی بھگتی کے راہ پر لا دے۔

دوم :۔ ہندُو جسمانی، رُوحانی، دماغی، اخلاقی، تعلیمی اور بدنی پہلُوؤں پر آئے دن تنزّل کر رہے تھے۔ اُن کے تنزّل کی رفتار کو روک کر کس طریق سے اُن کو ترقّی کے میدان میں کھڑا کیا جائے۔

سوم :۔ وُہ کیا اسباب تھے جو ہندُوؤں کے نفاق ، تفرق انتصال، کمزوری ایک دُوسرے کی مُخالفت کا ایسا باعث تھے کہ جن کو دُور کر کے اُن کو اس قابل بنایا جائے کہ اِن میں ایک اخُوّت کا رشتہ قائم ہو کر ہندُو ایک قوم بن جاویں اور اُن میں ایک غرض مشترک قرار پا جائے۔

چہارم :۔ اسلام کی طاقت کو کس طریق سے کمزور کیا جائے اور اُن کی حکومت سے کس طرح ہندُوؤں کو آزاد کیا جائے۔

یعنی ہندُوؤں میں وحدت خُدا، اخُوّتِ قومی اور قومیّت کس طرح پیدا کی جائے اور اسلام کا طوقِ غُلامی کس طرح ہندُوؤں کے گلے سے نکالا جائے۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُن سوالوں پر پہلے کچھ نہ کچھ بچارا گیا لیکن ایسے طریقہ پر کہ اُس سے کچھ فائدہ نہ ہُوا۔

جو کچھ پہلے سوال حل کرنے میں کوششیں ہُوئیں، اُن سے آپس کے نفاق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا کم ہرگز نہیں ہُوا۔ جو آیا اُس نے نیا طریقہ چلایا۔ نئی راہ بتائی اور پہلوں سے الگ کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فرقہ در فرقہ ہوگئے اور پھر ایک دُوسرے کے تماشہ دیکھنے میں مصرُوف رہے۔ یہ خیال کبھی نہ آیا کہ مل کر کام کریں۔ مذہبی اختلافات رکھتے ہُوئے یا پولیٹیکل اختلافات میں پڑے ہُوئے بھی ایسے دُشمن کا پہلُو بہ پہلُو ہو کر مُقابلہ کریں جو اِن میں سے سب کا خُونخوار ہے۔ دماغی غُلامی میں ہندُو ویدک دھرم کے مرکز سے دُور چلے گئے تھے اور مُختلف سمتوں میں۔ اِس لئے مُسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب کو لتاڑ مارا۔ فرق صرف اِس قدر تھا کہ جو تماشہ دیکھنے میں مصرُوف تھے، اُن کی ذلیل ہونے کی باری ذرا دیر سے آئی۔ کسی ایک مُتحدہ مذہبی میں سب شامل نہ تھے۔ سب اپنے اپنے دھرم کو ویدوں سے ماخوذ کہتے تھے۔ لیکن اس پر بھی ایک دُوسرے سے عناد اور آپس کے بُغض اور نفاق نے جو دماغی غُلامی کا نتیجہ تھے، آگے بڑھا کر دُوسری مُشکل تر پولیٹیکل غُلامی میں گرفتار کرا دیا۔ پولیٹیکل غُلامی کا ہی نتیجہ تھا کہ آخر اس درجہ تک قوم کی حالت آن پہنچی تھی کہ اب ہندُو دھرم اور قوم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹنے والا تھا۔ نہ دھرم میں طاقت رہی تھی کہ مُختلف فرقوں کو جمع

کرے۔ نہ بل تھا کہ مقابلہ کریں، نہ روپیہ تھا اور نہ آدمی تھے۔ اس لئے اخلاقاً، مذہباً، اور رسماً بھی اصلاح کے محتاج تھے اور گُورو گوبند سنگھ کے سامنے چوتھے سوال کے حل کرنے کے لئے ہندوؤں میں مصالحہ نہیں تھا اور اسی مصالحہ کی تلاش میں وُہ حیران تھا کہ کیا کرے۔

مذہب کی طرف اُس نے نگاہ ڈالی تو رُکاوٹیں سامنے مَوجود۔ سوشل اصلاح پر نظر کی تو خطرہ سے پُر۔ پولیٹیکل میدان میں قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کے اسباب اور سدِّ راہیں لیکن پھر بھی اُس نے اُن تمام تکالیف کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے تئیں تیار کیا۔ ہندُو قوم کا جو خُون غیرت، حمیت اور ہمّت کا ٹھنڈہ ہُوا جاتا تھا، اُس میں پھر گرمی پیدا کرنے کا اُدیش اُس نے بنایا۔ گُورو گوبند سنگھ مردِ میدان بن کر اکیلا تمام جی کچل ڈالنے والی مُختلف طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر نکلا۔

کس چیز نے گُورو گوبند سنگھ کو اُبھارا؟

واقعاتِ وقت پر ایک نظر کرو۔ ایک معمولی انسان یا یُوں کہو ایک فقیر گوشہ نشین جس کے پاس نہ زر، نہ بل، نہ سامان، نہ ایک بیگھہ زمین لیکن اس کے پاس ایک چیز تھی کہ جو باوجود بے برگی اور بے سامانی بھی اُسکو کامیابی کی طرف بُلاتی تھی، اُس کے حوصلے کو اُبھارتی تھی، اُس کی ہمّت میں گرم خُون ڈالتی تھی۔ وُہ کیا چیز تھی؟ دیش بھگتی (حُب اُلوطنی) کی چنگاری اور کھتری دھرم کی ذِمّہ واری۔ رامچندر کے کارنامے بڑی عِزّت اور فخر کے ساتھ آج تک یاد کئے جاتے ہیں۔ لیکن اُس نے جو کچھ کیا ایسے زمانے

میں کیا کہ تمام ہند میں ہندُو راجدھانیاں تھیں۔ دھرم یا مُلک کسی طرح خطرہ میں نہیں تھا۔ وُہ خُود راجہ تھا اور ہر قسم کا سامان رکھتا تھا۔ گردونواح کے راجے اس کے ساتھ کھڑے ہو گئے تھے۔ باوجُود اِس کے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی فوج کشی راجہ لنکا پر دیش بھگتی پر مبنی تھی اور نہ حُب اُلوطنی کا اس میں کچھ لگاؤ تھا۔ شک نہیں کہ اُس نے کھتری دھرم کو البتہ پُورا کیا اور ظالم راون کو جو اُن کی بیوی کو جبراً لے گیا تھا، اُس کے کیفرِ کردار میں میدانِ جنگ میں مار ڈالا۔ یہ بھی بڑا کام تھا لیکن گُورو گوبند سنگھ اپنی قوم اور دیش کی لاکھوں بیویوں کے چھین جانے کے ماتم میں دُوسروں کی بھلائی کے لئے میدان میں آیا اور نہایت مشکل وقت میں اس مشکل میں ہاتھ ڈالا۔ کرشن کے تمام کارنامے ظاہراً ذاتی انتقام پر مبنی تھے۔ کرشن کی دانائی کے سوال کو علیحٰدہ رکھ کر ملکی کارناموں کو اگر دیکھا جائے تو اُس کے تمام کام انتقام پر مبنی پائے جاتے ہیں۔ کنس کو اِس لئے مارا کہ وُہ اس کے خاندان کو نابُود کرنا چاہتا تھا اور خُود کرشن کی ہستی کو مٹانا چاہتا تھا۔ حفاظتِ خُود اختیاری میں اُس نے تلوار پر ہاتھ بڑھایا اور خُوب کیا۔ راجہ جراسندھ سے پانڈووں کے ساتھ سازش کر کے اُن کی امداد سے اُن کو پچھاڑا کیونکہ جراسندھ نے کرشن کے خاندان یادووں پر کنس کے قتل کے انتقام میں پندرہ دفعہ فوج کشی کی تھی اور کرشن کو جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ اس جلاوطنی کا نتیجہ کرشن کا گجرات دیش میں دوارکا کا آباد کرنا اور وہاں یادو خاندان کی راجدھانی قائم کرنا تھا۔ یہ تمام کارنامے درحقیقت دھرم پالن کا پُورا نمُونہ ہیں۔ تاہم ان کی تہ میں صرف ذاتی پاداش کا انتقام تھا۔ مانا کہ جراسندھ بڑا ظالم اور کنس بھی۔ اور ظالموں کی گوشمالی کے لئے کھتری کا ہتھیار اُٹھانا

عین دھرم تھا۔ لیکن اُس میں حُب اُلوطنی کا سوال شامل نہ تھا۔ اگر بفرض محال کرشن کے کارنامے دیش بھگتی پر مبنی سمجھے جائیں تاہم اُن کے وسائل کی وُسعت پر نگاہ کرو۔ وُہ خُود راجا تھا، راجا خاندان سے تعلّق رکھتا تھا، گجرات میں اُس کی مستقل راجدھانی تھی۔ کئی کھتری راجے اُن کے معاون اور مددگار تھے۔ پانڈووں کی بڑی سلطنت اُس کی حامی تھی۔ بایں حالت جو کچھ کرشن نے کیا، وُہ ایک معمُولی راجا کے کارناموں سے بڑا کام نہ تھا کیونکہ دیش اپنا تھا۔ مُلک کھتریوں کے زیر حکومت تھا۔ آسُودہ حالی تھی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کا کام اس سے زیادہ اہم اور زیادہ نازک اور زیادہ مُشکل تھا۔ حُب اُلوطنی کے سوال کو طے کر کے گُورو گوبند سنگھ کرشن کو پیچھے چھوڑ گیا۔ یہی حال شنکراچارج کا ہے۔ اُس کے مُعاون بھی کھتری راجے تھے۔ کھتری راجوں کے بل پر جو بمقابلہ بُدھ دھرم کے راجوں کے پھر سنبھلنے لگے تھے، شنکر نے وِدّیا کے بل سے بُدھ کے عالموں کو مغلُوب کرنا شُروع کیا تھا۔ اگر راجے اُس کے مدد و معاون نہ ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ شنکر لوگوں کے خیال کو پلٹا دے سکتا۔ شنکر وِدّیا کے بل سے لوگوں کو بُدھ دھرم سے ہٹا کر ہندُو دھرم کی طرف لگاتا تھا اور ہندُو راجے اُسکی پُشت پناہ تھے۔ لیکن گُور گوبند سنگھ بے مونس اور بے یار و مددگار تھا۔ اور خُود شاہ اس کے مخالف تھے۔ عرب کے پیغمبر کے سامنے قوم قریش کے چند متفرق قبیلے تھے۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کی حالت اُن سب سے مُختلف اور نازک تھی اور بہت زیادہ طاقت کی مُحتاج تھی۔ ایک طرف اس کے اپنے ہندُو بھائی اس کے مخالف تھے اور دُوسری طرف وُہ محض ایک فقیر گوشہ نشین۔ نہ راجا نہ صاحبِ جائداد۔۔۔۔۔۔۔ اگرچہ باپ کے قتل کے انتقام کا سوال اُس کے سامنے

بھی مَوجود تھا لیکن گُورو تیغ بہادر سے پہلے اسلامی بادشاہوں نے لاکھوں اور کروڑوں ہندُو قتل کئے تھے۔ کسی کے دِل میں انتقام کا خیال کیوں پیدا نہ ہُوا؟ اور صدیوں تک اور پھر گُورو گوبند سنگھ کے دِل میں کیوں پیدا ہُوا کہ ہندوستان میں حکومتِ اسلام کو متزلزل کرنے کی ضرُورت ہے؟ اور پھر طُرفہ یہ کہ جن ہندُوؤں کی بھلائی کے لئے وُہ سارے دُکھ اُٹھا رہا تھا، وُہی اُس کی امداد سے نہ صرف پہلُو تہی کرتے تھے بلکہ اس کو ستاتے تھے کیونکہ ہندُو نفسا نفسی میں ایسے مُبتلا تھے کہ اس کے قومیّت کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے کی کچھ آس نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی اس کے دِل میں وُہ چنگاری دیش بھگتی کی پوشیدہ تھی کہ جس سے گُورو گوبند سنگھ سے پہلے آنے والے ہندُو مصلحان محرُوم تھے۔ کیا کرشن، کیا رام چندر، کیا شنکر، کیا رامانج، وُہ چنگاری سُلگتی تھی لیکن بھڑکنے کا مصالحہ موجود نہ تھا۔ گُورو گوبند سنگھ کی عُمر ابھی پندرہ سال کی تھی اور اتنا بڑا اہم کام اُس کے سامنے۔ مگر کسی خَوف وہراس کے طُوفان، کسی خُود غرضی اور کاہلی کے جھونکے، کسی بے ہمّتی اور بُزدلی کے بادوباراں، کسی بے پروائی اور بے احتیاطی کے پانی سے وُہ چنگاری نہ بُجھی نہ بُجھائی جا سکتی تھی۔ تاہم اتنے بڑے کام کے لئے نبض شناسی ضرُوری تھی اور موقع کا انتظار اور خردمندی۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ دیش بھگتی کی آگ بنانے اور سُلگانے کے لئے ایک پہاڑی میں جا رہا۔ اور ہر پہلُو پر سوچنے اور بچار کرنے لگا۔ اس کنارہ کشی کا جو عارضی تھی، ایک اور سبب یہ تھا کہ رام رائے اس کار شتہ دار گدّی کے لئے اس کا مُخالف ہو رہا تھا اور گورپائی کی گدّی کا دعویدار بن کر گُورو گوبند سنگھ کے سخت مُخالف تھا۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ کی عارضی گوشہ نشینی رام

رائے کی مُخالفت سر د کرنے کے لئے بھی مناسب تھی۔ قریباً ۲۰ سال تک کہاجاتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ پہاڑی علاقہ میں آرام سے بیٹھارہا۔ اگرچہ پہاڑی راجوں نے اس عرصہ میں گُورو گوبند سنگھ کو تکلیف دی جس کا بیان آئندہ بابوں میں مُفصّل طور پر کریں گے۔

ان ایّامِ گوشہ نشینی میں اوّل گُورو گوبند سنگھ نے اپنی معلُومات بڑھانے کی کوشش کی۔ اس عرصہ میں اُس نے فارسی زبان میں کافی دسترس حاصل کی اور عربی میں کچھ دستگاہ بہم پہنچائی۔ سنسکرت میں بھی قدرے مہارت پیدا کی۔ اپنے دیش کے الوالعزم راجوں اور بہادروں کی تواریخیں سُنیں اور پڑھیں اور مُختلف اکابران و مصلحانِ دین کی زندگی کے حالات سے آگاہی حاصل کی۔ اپنے دیش کی ترقّی اور تنزّل کے اسباب کو بچارا۔ اِس اثنا میں اپنے وطن کے بیروں کی دردانگیز اور ولولہ خیز نظمیں بھاٹوں سے سُنیں اور جو سکھ اس کے گرد جمع ہوتے اُن کو سنائیں اور سنوائیں۔ اس زمانہ قیامِ پہاڑ کا اکثر حِصہ ریچھ، سُور اور شیر و پلنگ کے شکار میں بسر کیا اور ساتھ ہی آئندہ کام کے لئے تجاویز سوچتا اور اُن کو پختہ کرتا رہا۔ اس عرصہ میں رام رائے کے دعاوی نسبت گدّی زائل اور باطل ہوگئے۔ بہت سے سکھ رفتہ رفتہ اپنے گُورو کے گرد جمع ہونے لگے۔ آئے دنوں وُہ اورنگزیب کے مظالم اور بیدردیوں کے ذکر واذکار سُنا کرتا تھا۔ اس سے اُس کی حُبُ اُلوطنی سے بھرپُور دِل میں ہر وقت جوش تازہ ہُوا کرتا تھا۔ مُسلمانوں کی زبردست طاقت پوشیدہ نہیں تھی اور ہندُوؤں کی بیچارگی اور درماندگی ظاہر اور باطن تھی۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ کو پھر ہندُوؤں میں جوش ہمّت کی رُوح پھُونکنے

کے لئے اُس کو ہر پہلُو پر سوچنے کا موقع ملا۔ اُس نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ رائے قائم کی کہ اوّل اُن اسباب کو دُور کیا جائے جو ہندُوؤں میں نفاق کا مُوجب ہیں، اُن کی کمزوری کا باعث ہیں۔ اُن کی پست ہمّتی کی علتِ غائی ہیں۔ اُن کی بے حسی کا کارن ہیں۔ اُن کا پہلا یہ خیال تھا کہ ہندُوؤں کی مذہبی اِصلاح سب سے مُقدسم ہے۔ اُس کی سوشل اصلاح اور اُس میں ذات پات اور ورن کی قید کا اُٹھانا اور شُودروں میں اُونچے ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا بھی شامل تھا۔ اور آخرکار پولیٹیکل اصلاح کرنا۔ لیکن ہر طرف مُشکلات کا سامنا تھا جن کو ہم کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کرنا ضرُوری سمجھتے ہیں۔ سب سے پہلے اُس نے مذہبی اصلاح کو ہاتھ میں لیا۔

کس طریق سے ہندُوؤں کے مروّجہ مذہب میں اصلاح کی

اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ ہندُوؤں میں ابتدا سے دھرم ایک نہایت ضرُوری، مقدّم اور پوِتّر فرض اور ہر چیز سے زیادہ عزیز چلا آیا ہے۔ ہندُوؤں کا کوئی زمانہ زندگی کا ایسا نہیں گُزرا جس میں دھرم اور اُس کی محبت اُن کی نظروں سے کبھی دُور ہُوئے ہوں۔ بُدھ مذہب کئی سختیوں اور سات صدیوں کی مُسلمانوں کی بیدردیوں میں بھی وُہ اپنے دھرم کو زندہ رکھ سکے۔ اُن کے مِلک اور مُلک، سرمایہ اور دولت، جائداد اور خاندان سب کچھ اُن کے سامنے اُن کے دیکھتے دیکھتے غارت ہُوئے چھینے گئے۔ اُن کی کتابیں اور کتب خانے جلائے گئے۔ اُن کی زندگیاں قربان ہُوئیں۔ سب کچھ فنا ہوتے دیکھا۔ لیکن دھرم کو آخر تک قائم رکھا اور دھرم کے نکتہ نکتہ کو ایسی جگہ دِل میں

پوشیدہ کیا کہ جہاں کہیں ظالم سے ظالم کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ہر قسم کے عذاب اُٹھائے۔ قسم قسم کی سختیاں جھیلیں۔ انواع واقسام کے دُکھ برداشت کئے۔ لیکن دھرم کو کسی قدر زندہ ہی رکھا۔ کیوں اسلئے کہ ہر چیز سے اُن کو دھرم زیادہ پیارا تھا۔ مُلک املاک سب سے زیادہ عزیز تھا۔ دین و دولت سے زیادہ مرغوب تھا۔ اس لئے اس کی اپنے لہُو کی ندیوں اور زندگیوں کے انباروں سے حفاظت کی۔ لیکن ہندُو آخر کار مرد نکلے اور سات سو سال تک مار کھا کھا کر بھی اُس کو اس طرح رکھنا ممکن بنایا۔ ہر چند آپس میں متفرق ہوگئے تھے، مُختلف فرقے ایک دُوسرے کے مُخالف تھے۔ اور اس مذہبی اختلاف کے باعث وُہ آپس میں چھوٹے چھوٹے فرقوں میں ایسے شاخ در شاخ منقسم ہوگئے تھے اور اُن کی ہستی ٹمٹماتے ہُوئے چراغ کی روشنی تھی۔ مگر اورنگزیب کی بیدردیوں اور جابرانہ تلوار کے طُوفان سے وُہ ٹمٹماتا چراغ قریب تھا کہ ہمیشہ کے لئے بُجھ جائے کہ گورو گوبند سنگھ نے اپنا ہاتھ اُس پر رکھا اور اُس کو بُجھنے سے بچالیا۔ اُس وقت ہندُوؤں کی حالت یہ تھی کہ ایک خاندان میں درجن مذہبوں کا رواج تھا۔ ایک گنیش کا پجُاری تھا تو دُوسرا بھائی سُورج کا۔ تیسرا شوجی کا، چوتھا وشنُو کا۔ پانچواں رام بنسی تھا تو چھٹا بھیرو کا معتقد۔ ساتواں ہنومان کا پجُاری تھا تو آٹھواں کرشن کی جوانی پر مست۔ نواں کرشن کی بال لیلا پر قربان دسواں رام کا پجُاری۔ گیارھواں لکشمن کا پیرو بارھواں ویدانتی اور تیرھواں کرم کانڈی وغیرہ وغیرہ۔ اور اُس پر آپس میں کرودھ اور کینہ۔ انہیں باعثوں سے مُلک کی زِبان ایک نہیں تھی دھرم پستکیں ایک نہ تھیں کوئی زبان نہ تھی جو تمام ہندُوؤں پر حاوی ہو۔ کوئی دھرم کا مسئلہ ایسا نہ تھا جسمیں تمام ہندُو شامل

ہوں۔ کوئی کام ایسا نہ تھا جس میں سب کا مجموعی اتفاق ہو۔ کوئی ارادہ یا چیز نہ تھی جس میں سب ہندُوؤں کا ساجھا ہو۔ پھر یگانگت، یک جہتی، اتفاق، قومی ہمدردی اور حُب اُلوطنی کا نام کجا۔ اس باعث سے ہندُوؤں کا سوشل رشتہ منقطع تھا۔ اس میں ایک دُوسرے کے مُخالف اور مُتضاد اتفاق کا سلسلہ شکستہ، مذہب کا پیوند ڈھیلا۔ اہلِ جُنوب کو شمال سے محبت نہ تھی اور شمالی ہندُوؤں کو اہلِ جُنوب سے واسطہ نہ تھا۔ پر سبھی ہندُو پُورب والوں سے بے تعلق تھے۔ سب کا ہر پہلُو فرق بعدالمشرقین تھا۔ کسی کا ایک دُوسرے پر اعتماد نہیں تھا۔ کوئی ایک دُوسرے پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ مُلک دغاباز اور حرام خوروں سے پُر تھا۔ جن لوگوں کا مذہب ایک نہ ہو نہ اخلاق ایک ہو، نہ غرض ایک ہو نہ تال نہ انجام ایک ہو۔ نہ دُنیا ایک ہو نہ عاقبت ایک ہو۔ نہ معاش ایک ہو نہ مُعاد ایک ہو۔ نہ عبادت ایک ہو نہ جائے ریاضت ایک ہو۔ نہ طریقِ زندگی ایک ہوں نہ لباس ایک ہو۔ نہ خُوشی ایک ہو نہ غم ایک ہو۔ نہ اُمید ایک ہو نہ یاس ایک ہو۔ نہ غذا ایک ہو نہ کھانے کے رسوم ایک ہوں۔ نہ مطلب ایک ہو نہ مزاج ایک ہو نہ عادت ایک ہو۔ نہ بہشت ایک ہو نہ دوزخ ایک ہو۔ نہ رسم ایک نہ دیوتا۔ نہ فعل مشترک نہ خیال مشترک۔ نہ رنج مشترک نہ راحت مشترک۔ نہ سعی مشترک نہ ہمّت مشترک۔ نہیں نہیں ان کی نجات مُختلف تھی۔ اُن کے اغراض مختلف اُن کے مایحتاج زندگی مختلف۔ اُن کے سورگ اور نرک مختلف۔ اُن کے اعتقاد مختلف۔ صرف یہی نہیں کہ سب کچھ مختلف ہو۔ مگر اکثر حالتوں میں متضاد۔ متضاد ہی نہیں ایک دُوسرے کے ساتھ عناد۔ اِس لئے اِن میں آپس میں محبت نہ تھی۔ اور نہ اُنس نہ اتفاق اور نہ یگانگت۔

ایک دُوسرے کی امداد کا کسی کو خیال نہ تھا۔ راجے تھے تو ایک دُوسرے کے مخالف، رعیت تھی تو ایک دُوسرے کی تخریب میں کوشاں۔ مذہبی فریق تھے تو اُن کا آپس میں بُغض اور حسد۔ تو پھر اُن کی ترقّی کس طرح موہوم نہ ہو۔ اُن کی تنزّلی اور بربادی کیوں مفہُوم نہ ہو۔ اُن کی ذِلّت اور خواری کیوں معلوم نہ ہو، اُن کی عِزّت اور حمیت کیوں معدُوم نہ ہو۔ وُہ قوم بخت اور شوکت سے کیوں محرُوم نہ ہو۔ وُہ وحشی، نیم وحشی، بُزدِل اور رذیل ناموں سے کیوں موسُوم نہ ہو۔

مذہبی فرقوں کی حالت یہ تھی کہ اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہُوئی تھی۔ اُن کے بانی عمُوماً برہمن ہی تھے۔ لیکن علاوہ اُس کے بھگتوں اور مُختلف قسم کے فُقرا کے اس قدر فرقے بڑھ گئے تھے کہ ہر قصبہ اور ہر گاؤں کی علیٰحدہ رسُوم، علیٰحدہ دیوتے اور علیٰحدہ مذہب ہو گیا تھا۔ ہندُوؤں سے گُزر کر اُن اسلام کے فرقوں اور مُرشدوں کو اپنا پیشوا مان بیٹھے تھے، جو اُن کو کافر سمجھتے تھے اور لائقِ گردن زدنی خیال کرتے تھے۔ کہیں سب خُدا بنے ہُوئے تھے۔ کہیں سب خُدا سے نکلا ہُوا کہنے لگے تھے۔ کہیں مایا جال بچھایا ہُوا تھا اور کہیں ویراگ اور سب کچھ مِتھیا کی گُونج اُٹھی ہُوئی تھی۔ مذہب کی گویا دُکانیں لگی ہُوئی تھیں۔ ہر ایک اپنے اپنے سودے کو اچھا اچھا پکارنے کے سودا میں مُبتلا تھا۔ مکتی سستے داموں بِک رہی تھی اور ٹکے سیر تُل رہی تھی۔ صِرف ایک روزہ یا برت یا ایک اکادشی برت یا ایک دفعہ کے اشنان صِرف چند پیسوں کے دان، دو چار اکھشروں کے جاپ اور چند قسم کے نام بار بار دُہرانے، مُختلف نشانوں کے استعمال کرنے سے نہ صِرف اِس جنم کے پاپ بلکہ ہزاروں جنموں کے پاپ، نہ صِرف اپنے پاپ بلکہ آباؤاجداد کے پاپ دفع

ہو جاتے تھے۔ نہ صِرف اِتنا بلکہ مکتی کا مستحق بھی ساتھ بتاتے تھے اور سُورگ میں جا پہنچاتے تھے اور اس میں اختلاف کا یہ حال کہ ہر ایک کا تلک علیحٰدہ۔ تلک کی شکل علیحٰدہ۔ تلک کا رنگ علیحٰدہ۔ وضع علیحٰدہ تاکہ مرنے کے بعد دیوتا کی پولیس کو اپنے پجاری شناخت کرنے میں دھوکا نہ لگے۔ مالا اور منکے جُدا جُدا۔ وضع اور شناخت کے لئے کسی کی لکڑی کی مالا، کسی کی رُدّراکش مالا، کسی کی مرجان کی، کسی کی صندل کی، کسی کی تُلسی کی، کسی کی پتھّر کی، کسی کی بلور کی۔ پھر کسی کی زرد، کسی کی سُرخ، کسی کی سبز، کسی کی سفید، کسی کی سیاہ غرض کس کس چیز کا ذکر کریں۔ سب کچھ مُختلف اور مُتضاد۔ پھر سب کے کرم نیم اور رسُوم دھرم فرداً فرداً جُدا اور پھر مذہبی دُنیا میں تجارت کا بازار گرم۔ عوضانہ کا آئین مروّج، خرید و فروخت اور ہبہّ رہن کا قاعدہ نافذ، عبادت اور دان ایک شخص کرے۔ اِس کا نتیجہ یعنی ثمرہ بذریعہ ہبہّ یا عوضانہ اُٹھا سکتا تھا۔ ایک آدمی کو چند پیسے دے دو اور اُس کی پُوجا پاٹھ، جپ عبادت کا ثمرہ اُٹھاؤ، گناہ اور پاپ ختم کرو۔ کسی پیشہ ور کو دو تین آنے دے کر کوئی کتاب پڑھوا لو۔ دو چار منتروں کی بار بار مالا پھیر والو، گناہ کا کفارہ حاصل۔ جو پاپ کرو اپنے دیوتا کو دو چار پھُول، گری، بتاشہ وغیرہ دلا کر راضی نامہ کر لو۔ جب صُورتیں یہ ہیں تو کسی کو کیا پڑی تھی کہ اخلاق حاصل کرے، عبادتوں کی محنت اُٹھائے، ریاضتوں سے شاریرک اور آتمک اُنتی کرے، ساماجک بہبُودی کی دھیان کرے یا اتفاق کی اُن کو سُوجھ پڑے۔ ایشور کی طرف کسی کو دھیان کرنے کی کیا ضرُورت تھی۔ دونوں عالم کا ثواب صِرف چند ٹکوں میں حاصل ہو سکتا تھا، یا کسی رقم کی بجا آوری پر، تو نیک اعمال کی کسی کو کیا ضرُورت؟ بھلے کرموں کی کیا حاجت؟ یہاں

تک کہ نہ صرف اس دُنیا میں ہر ایک کی علیٰحدہ رسم اور ریت اور علیٰحدہ مذہب اور اعتقاد تھے بلکہ آخرت میں بھی ایک اخوّت قائم رکھنی مشکل تھی۔ ہر ایک دیوتا کا نرک اور سوَرگ اپنا مُقرر تھا۔ جب خُود دیوتاؤں میں جنگ تھی، تو اُن کے پس رولوگوں میں صُلح کیونکر رہ سکتی تھی۔ خُود ایشور کی ایسی دُرگتی کی کہ اُس کو اوّل وشنو وغیرہ دیوتاؤں میں تقسیم کیا اور پھر اُس کو نہ صِرف آدمیوں میں اُتارا بلکہ جانوروں مچھ، کچھ اور سُور میں بھی نازل کیا اور اس سے بدتر نہ آدمی نہ حیوان بلکہ نرسنگھ کر دکھایا۔ بُت پرستی کو رواج دے کر اوتاروں وغیرہ کی مُورتیاں بناڈالیں۔ مُورتیوں میں بھی اختلاف۔ کسی کا سر ندارد، کسی کا پاؤں گاؤخورد، کوئی لکڑی کوئی پتھر کی مُورتیں۔ پتھر بھی ایک قسم کے نہیں، کوئی گول، کوئی گھڑت ایک ایک قسم پتھر کی جُدا جُدا۔ کنہیا کی تصویر یعنی مُورتی اور کام کے بُتوں کی پُوجا تو عام ہوتی تھی۔ مگر تعجّب ہوتا ہے کہ اس کے خُوک اور مچھ کچھ کی مُورتی بنا کر کیوں پُوجا نہیں کی جاتی؟ مذہب کے نام پر انواع انواع کے دُکھ جسمانی اور اقسام اقسام کی تکالیف بدنی برداشت کئے جاتے تھے۔ کوئی کاشی کے کُنوئیں میں آرہ پر چڑ کر مرنا بڑا ثواب تصوّر کرتا تھا۔ کوئی جگن ناتھ کے رتھ کے نیچے کچل مرنا ثواب سمجھتا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ کان اور ناک کٹوانے کی رسم ابھی تک جاری نہیں ہُوئی تھی اگرچہ ان میں سوراخ کرنا شُبھ یعنی مُتبرّک خیال کیا جاتا تھا۔ کوئی بازُو سوکھاتا تھا، کوئی ایک ٹانگ پر کھڑا رہ کر رنگِ مذہبی کا امتحان دیتا تھا۔ کوئی کھڑا رہنے کی مشق میں جانور بنا جاتا تھا۔ کوئی اُلٹا لٹکے تھا۔ مذہبی لباسوں کے رنگ مُختلف تھے، وضع قطع مُختلف تھی، داڑھی مُونچھ اور سر کے بالوں کے انداز اور طرز مُختلف تھے۔ اس طُوفانِ بدتمیزی

کو دیکھ کر بدُھ دھرم نے جنم لیا تھا۔ وُہ تلوار کے ساتھ پھیلا اور تلوار کے ساتھ ہی حدُودِ ہند سے خارج ہُوا۔ مگر جو اچھا پہلُو تھا وہ ساتھ لیتے گئے اور بُرا پہلُو ہندُوؤں کے حوالے کرتے گئے۔ دیوی دیوتا پر نہ صِرف حیوانوں کی قربانی جائز عبادت سمجھتے تھے بلکہ انسانی قربانی اور بھی معنی خیز یقین کی جاتی تھی۔ بندر باشی کے مندر کے پجاری فخریہ دعویٰ کرتے تھے کہ دیوی پر اس کثرت سے جانور چڑھائے جاتے ہیں کہ کبھی خُون خُشک نہیں ہونے پاتا۔

گندہ خوری بھی ایک فرقہ کی خُوبی سمجھی جاتی تھی۔ بھیرو کی عِزّت میں شراب۔ شو جی کی عزت میں بھنگ، چرس، افیون، دیوی کی عزّت میں کباب کھانا پینا فرض سمجھے جاتے تھے۔ کئی ایسا کرتے تھے کہ کتے کے ساتھ مل کر کھانا فخر سمجھتے تھے۔ صِرف گورو کے درشن بھینٹ اور سادھ سنتوں کی سیوا سے مُکتی مانی جاتی تھی۔

اِن تمام مذہبی خرابیوں کے ماخذ صِرف برہمن ہی تھے کیونکہ اُنہوں نے وید شاستر کی تعلیم حاصل کرنے کی ضرُورت غیر برہمنوں کو منع کر دی تھی۔ اور چونکہ وِدّیا اُن کے ہاں رفتہ رفتہ آ گئی تھی اور کسی کو یہ پڑھاتے ہی نہ تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ سنسکرت دیو بانی ہے۔ اس کا مُستحق سوائے برہمنوں کے رُوئے دُنیا پر اور کوئی نہیں ہے۔ یہی تمام شاستروں کے وضع کرنے والے تھے، یہی پُرانوں کے بنانے والے تھے اور اِن تمام فرقوں کے پیدا کرنے والے بھی برہمن تھے۔ اِس لئے باوجود یکہ مار کھاتے جاتے تھے، ذلیل اور رُسوا ہُوئے جاتے تھے مگر اپنا اقتدار حاصل کیا ہُوا نہ چھوڑتے تھے۔ جس چیز کو اپنا ازلی حق سمجھ بیٹھے تھے، اُس سے ذرا بھی تجاوز کرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ اِس

لئے مُسلمانوں کے کسی حق یا مسئلہ میں دست اندازی نہایت مشکل کام تھا۔ ذرا سی مداخلت اُن کو بھُود کر دینے پر مائل تھی اور برہمن اس مداخلت کو جو گھر کے سلسلہ سے پیدا ہو، مُسلمانوں کے ظلموں سے بڑھ کر زیاں کار سمجھتے تھے۔ اِس امر کا قیاس اُن مسائل سے بخُوبی سکے گا جو اُنہوں نے اپنے اقتدار اور تسلط اور ہمہ گیر اختیار حاصل کرنے میں دھرم شاستروں میں لکھ رکھے ہیں۔ یوں تو اُن کی تعداد بیشمار ہے لیکن ہم بطور نمُونہ منُو دھرم شاستر سے چند فقرے پیش کرتے ہیں۔

تمام دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب اسکا (یعنی برہمن کا) مال ہے اور اُس کے لئے ہی یہ تمام کائنات پیدا کئے گئے ہیں۔ (منُو ۱۰۱۔۱۰۰۔ ۱/۹۶)

برہمن اپنے منتروں کے زور سے راجا کو معہ اُس کی فوج، ہاتھی گھوڑے وغیرہ ناش کر سکتا ہے۔ (۹/۳۱۳منُو)

برہمن مثل دُنیا بہت سے عالم اور نائب السلطنت اور نئے دیوتا اور نئے آدمی اور دیگر فانی چیزیں پیدا کر سکتا ہے۔ (۹/۳۱۵منُو)

مُولف:۔ اِس میں کسی قدر سچائی بھی ہے۔ آپس میں راجپوت بھائیوں کو لڑا کر کئی چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں پیدا کیں اور نئے دیوتا تو بیشمار پیدا کر دیئے اور آئے دنوں یہی کام کرتے رہتے ہیں۔

راجا کی نسبت برہمن زیادہ ادب کا مُستحق ہے۔ (۲/۱۳۹منُو)

برہمن کے جسم اور جان کے محفُوظ رہنے کے لئے نہایت سخت جُرموں میں

بھی سخت سزا پانے سے برہمن آزاد ہے۔

(۲۳۲_۲۰۸_۲۰۵/۹،۱۶۵_۶۹/۴،۲۸۱تا۲۸۳/۸منو)

اگر کوئی جُرم برہمن کی ذات یا جائداد کے خلاف کیا جائے تو دس گُنا زیادہ سزا کا مُستحق ہے۔ (۳۷۶/۷،۳۷۹_۳۷۸/۸منو)

راجا کو لازم ہے کہ اپنا مُعتبر وزیر اور مشیر برہمن کو بنائے۔ (۵۸/۷منو)

عدالت کا کُل کام برہمنوں کے اختیار میں ہو۔ (۹_۱/۸،۱۱_۱۰_۹/۸منو)

برہمنوں کو یگ میں بھوجن دیا جائے اور بہت دچھّنا (مشہور دکھنا)۔ اگر کم دی جائے گی تو تمام جسم اور جان اور اولاد مویشی اور نیک نامی اور آئندہ عالم کی خُوشی برباد ہو جاتی ہیں۔ (۱۳۳تا۱۲۶/۳،۴۰_۳۹/۱۱منو)

عبادت یاترا، تیرتھ کا کفارہ برہمنوں کو بہت روپیہ دان دینے سے ہو سکتا ہے۔ (۱۱۷تا۱۳۹/۱۱منو)

برہمن سے کسی قسم کا محصُول نہ لیا جائے۔ (۱۳۳_۱۳۲/۷منو)

اگر برہمن کا کوئی مویشی چرائے تو ٹخنے تک پاؤں کاٹ ڈالا جائے۔

(۳۲۵/۸منو)

شُودر صِرف برہمن کی مُلازمت کرے۔ اگر یہ مُیسّر نہ ہو تب کھتری کی مُلازمت کرے۔ (۳۳۴/۸)

اِن حوالوں پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ برہمنوں کے اقتدار کی حد اِن سے بھی بخُوبی ذہن نشین ہوتی ہے۔ ہر ایک چیز اِن کے تابع تھی۔ اِن کے دیوتا پیدا کرنے کا اختیار تسلیم کیا گیا تھا۔ مطلب براری کے لئے جن جن حالات کا تقاضا ہُوا اُسی طرح دھرم شاستر کے مسائل کے معنے اور مطلب نکالے اور جو رسم اور طریق (اپنی بھلائی کو مقدّم رکھ کر) ضرُوری معلُوم ہُوا، اُن کو قائم کیا۔ ہندُوؤں کو سنسکرت وِدیاّ سے تو محرُوم کیا ہی تھا، عربی اور فارسی کی تحصیلِ علم سے بھی ہندُوؤں کو منع کر دیا کہ ملیچھ بھاشا کا پڑھنا دھرم شاستر کے خلاف ہے۔ بلکہ جس نے فارسی زبان کی تحصیل کی اُس کو شُودر قرار دے کر ذات سے علیحٰدہ کر دیا۔ چنانچہ کائستھ اب تک ایک حِصہّ ہندوستان میں شُودر خیال کئے جاتے ہیں، جنہوں نے فارسی زبان کی تحصیل میں ابتدا کی تھی۔ اِس جہالت کا ہی نتیجہ تھا کہ ہندُو مکمل طور پر برہمنوں کی دماغی غُلامی میں مُبتلا ہو گئے تھے۔ جسمانی غُلامی سے دماغی غُلامی نہایت بدتر اور ضرر رساں ہے۔

ہندُو ایک طرف برہمنوں کی دماغی غُلامی میں مُبتلا تھے، دُوسری طرف اسلام کی جسمانی غُلامی میں۔ دونوں غُلامیوں سے آزاد کرانے کا اُودیش گُورو گوبند سنگھ نے اپنے سامنے رکھا۔ ہندُوؤں کو دماغی غُلامی سے نکالنے میں برہمنوں سے مُخالفت کی اُمید ہی تھی، لیکن خُود کئی ہندُو بھی اس کے مُخالف کھڑے ہونے کو آمادہ تھے۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے اِس تلاطمِ بے تمیزی اور اِس طُوفانِ مُخالفت میں ہندُوؤں کے لئے دماغی غُلامی سے نجات کا ناد بجایا اور ایک ایشور اکال پُرکھ کی طرف سب کو بُلایا۔

چنانچہ سب سے پہلے اُس نے ہندُوؤں کی مذہبی اصلاح کی طرف توجہّ مبذُول کی

اور رُوحانی گُورو کی حیثیت میں ایشور بھگتی کا اُپدیش دیا اور انسانی دھرموں کی تقلید سے پرہیز اور شرک سے نفرت کرنا سکھلایا۔ شرک کی زور شور سے تردید کی۔ گُورونانک دیو کی تعلیم کی بُنیاد پر اُس نے بُت پرستی سے لوگوں کو زور شور سے منع کیا۔ رسم شرادھ کو مذمُوم کیا، دیوتا پرستی کو دھوکا بتلایا، اوتاروں کو خلافِ قُدرت بتایا۔ تیرتھ اشنان کو فریب ثابت کیا، فقیری لباس کو مکر اور دھوکا کی ٹٹّی بیان کیا۔ مخلُوق پرستی یعنی آدم پرستی، حیوان پرستی، نباتات پرستی، معدنیات پرستی سے لوگوں کو نجات دلائی۔ توہم پرستی سے باہر نکالا۔ مذہبی لباسوں اور نشانوں کے برخلاف جہاد قائم کیا اور ایک خالقِ واحد ایشور نراکار اکال سچدانند کی بھگتی کی طرف لوگوں کا دھیان بٹھایا۔ سچائی کی مہما سب سے افضل بتائی۔ غرض غلیظ، متعفن، بدبُودار اور میلے گندے چھوٹے چھوٹے چشموں سے اُٹھا کر اُن کو ایک ایشور کی پریما بھگتی کے سمندرِ بےپایاں پر جا کھڑا کیا۔ بیشمار اور وسیع اقوال میں سے کچھ کبت گُورو گوبند سنگھ جی کے اِن خیالات کی وُسعت، اُن کے اودیش کی خُوبی، اُن کی خلُوص نیت کی پاکیزگی اور اُن کو ایشور بھگتی کے گُن ظاہر کرنے کے لئے ناظرین کی لذّت کے لئے یہاں درج کیا جاتا ہے۔ قولہٗ

تو پرشاد کبت

خُوک ملہاری گج گدہا بھُوت دھاری

گدُھو آمسان باس کریوای کرت ہیں۔

اگر پرمیشور مٹی کے بدن یا جسم پر لگانے سے ملتا ہووے تو ہاتھی اور گدھا ہمیشہ

خاک ہی اُڑاتے رہتے ہیں۔ اگر مسان بیابان میں رہنے سے ملے تو گِدھ ہمیشہ شمشان میں ہی رہتا ہے۔

گھگھو مٹ باسی لگے ڈولت اُداسی مرگ

ترور سدیو مون سادھے ای مرت ہیں

اگر مٹھ میں رہنے سے ہی مکتی ہووے تو گھگھو ہمیشہ مٹھ میں ہی رہتا ہے۔ اُداس رہنے سے بھی مکتی نہیں۔ دیکھو ہرن جیسے چوپائے ہمیشہ اُداس رہتے ہیں۔ چُپ رہنے سے بھی مُکتی نہیں۔ دیکھو درخت چُپ کھڑے رہتے ہیں

بند کے سدھیا تاہِیج کی بڑیا دیت

بندر اسدیو پائے ناگے ہی پھرت ہیں

مجرّد رہنے سے ایشور نہیں ملتا۔ دیکھو مخنث (ہیجڑہ) ہمیشہ مجرّد رہتے ہیں۔ ننگے پاؤں رہنے سے مُکتی نہیں ملتی۔ بندر کی طرف خیال کرو ہمیشہ ننگے پاؤں ہی رہتا ہے۔

انگنا ادھین کام کرودھ کے پربین ایک

گیان کے ہین چھین کیسے کے ترت ہیں۔ ۱۔ ۱۷۔

گرفتار، جذبات وشہوت وغصّہ میں پُر جیو بھلا گیان کے بغیر کیسے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

بھوت بن چاری، چھِت چھونا سبھےٗ دُودھا دھاری

پون کے اہاری سو بھجنگ جانی ات ہیں۔

جنگل میں بھُوت رہتے ہیں۔ پرتھوی پر سب لوگ جانور وغیرہ دُودھادھاری پون اہاری سرپ وغیرہ ہیں۔ اِن سادھنوں سے پرمیشور نہیں ملتا۔

ترِن کے بھچھیا دھن لوبھ کے تجیا تیتو
گئون کے جیا برکھ بھیا مانی ات ہیں

دیکھو بیل گھاس کھاتے ہیں اور ہمیشہ زر وغیرہ کے لالچ سے آزاد ہیں۔

نبھ کے اُڈیا تاہِ پنچھی کے بڈیا دیت
بگلا بڑال برِک دھیانی ٹھانی ات ہیں۔

آسمان میں اُڑ جانے کی اگر کوئی سدّھی حاصل کرلیوے تو کیا ہے۔ جانور ہمیشہ آکاش میں اُڑتے رہتے ہیں۔ دھیان لگانے میں بگلا اور بِلاّ کی طرف دیکھو۔

جیتے بڈے گیانی تِنو جانی پے بکھانی ناہِ
ایسے نہ پرپنچ من بھُول آنی ات ہیں۔ ۲۔ ۷۲۔

جو گیانی پُرکھ ہیں اُنہوں نے پرمیشور کو پالیا ہے۔ لیکن وُہ لوگوں میں اسے ظاہر نہیں کرتے۔ جو اُوپر والے کام کرکے سدھی وغیرہ حاصل کرکے پرپنچ کرتے ہیں اُن کے فریب میں بھُول کر بھی نہ آجانا۔

بھُوم کے بسیا تاہِ بھُوچری کے جیا کہیں
نبھ کے اُڈیا سو چریا کے بکھانیے۔

نجات زمین پر سونے یا آکاش میں اُڑ جانے پر نہیں۔ مُوش پر چڑیوں کی طرف خیال کرو۔

پھل کے بھچھیا تاہِ باندری کے جیّا کہیں
آدِس پھریاتے تو بھُوت کےَ پچھانیے۔

پھل کھانے پر نجات نہیں۔ باندروں کو ہمیشہ پھل ہی کھانے پڑتے ہیں۔ الوپ رہنا ثواب ہووے تو بھُوتوں کی طرف دیکھ لیویں جو ہمیشہ ہی نظر سے غایب رہتے ہیں۔

جل کے ترّیا کو گنگیری سی کہت جگ
آگ کے بھچھیا سُو چکور سم مانیے

پانی میں گنگیری ہمیشہ رہتے ہیں۔ آگ کھانے میں چکور نے کمال کر دیا ہے۔

سُورج سویا تاہِ کَول کی بڑائی دیت
چندرما سویا کو کوی کےَ پہچانیے۔ ۳۔ ۳۷۔

سُورج کو کنول ہمیشہ پُوجتا ہے۔ کمّی پھُول ہمیشہ چندرماں کو پُوجتے ہیں۔ اُن کے پُوجنے سیونے سے مُکتی نہیں ملتی۔

نارائن کچھ مچھ تِندُوآ کہت سبھ
کَول نابھ کَول جیہہ تال میں رہت ہیں

نارائن نام تو کچھو مچھو و بندر کا بھی ہو سکتا ہے۔ کنول وغیرہ سب پانی میں رہتے ہیں۔ ناموں سے مکتی نہیں۔

گوپی ناتھ گوجر گوپال سبھے دھین چاری
رِکھی کیس نام کے مہنت کہیت ہیں۔

گوپی ناتھ سب گوجروں کو کہا جا سکتا ہے۔ دھینا چاری گائے چرانے والا ہوتا اور مہنتوں کا نام رکھی کیس ہو سکتا ہے۔

مادھو بھنوراو اٹیرُو کو کنہیا نام
کنس کو بدھیا جمدُوت کہیت ہیں۔

مادھو بھنور کو بھی کہتے ہیں۔ ابابیل کو کنہیا کہتے ہیں۔ کنس کو مارنے والا جمدُوت ہوتا ہے۔

مُوڑھ رُوڑھ پیٹت نہ گوڑھتا کو بھید پاوے
پُوجت نہ تاہِ جاکے راکھے رہیت ہیں۔ ۳۔ ۴۷۔

سخت مُورکھ روتے ہیں مگر ایشور کے بھید نہیں پاتے اور اُس کو پُوجتے نہیں جو ہمارا محُافظ ہے۔

بسوپال جگت کال دین دیال بیری سال
سدا پرتپال جم جال تے رہت ہیں۔

دشوپال، جگت کال، دین دیال، دُشمن کا ناشک، ہمیشہ رازق ایشور موت کے احاطہ سے باہر ہے۔

جوگی جٹادھاری ستی ساچے بڈے برہمچاری

دھیان کاج بھُوکھ پیاس دیہہ پے سہت ہیں۔

جوگی جٹار کھنے والے ستی لوگ سچ بولتے ہیں۔ برہمچاری دھیان کر کے بھُوک اور پیاس کی تکلیف سہتے ہیں۔

نیولی کرم جل ہوم پاوک پون ہوم

ادھومکھ ایک پائے ٹھاڈھے نہ بہت ہیں۔

کئی انتڑیاں دھوتے ہیں، جل ہوم کرتے ہیں، ہوا چبتے ہیں، سر نیچے کر کے تپ کرتے ہیں۔ ایک پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔

مانو پھنِند دیو دانو نہ پاوہِ بھید

بیداوکتیب نیت نیت کے کہت ہیں۔۵۔۷۵

انسان، حشرات، دیو، دیوتے اور راکھشس وغیرہ یہ سب اُس کا بھید نہیں پاسکتے۔ ویداور کتابیں اُس کو بے انت کہتے ہیں۔

ناچت پھرت مور بادر کرت گھور

دامنی انیک بھاؤ کریوای کرت ہے

مور بھی ناچتے ہیں۔ بادل بھی گرجتے ہیں۔ بجلی کئی طرح کی حرکات کرتی ہے۔

چندرماتے سیتل نہ سُورج تے تپت تیج

اِندر سونہ راجا بھوبھُوم کو بھرت ہے

چاند سے زیادہ کیا چیز سرد ہے۔ سُورج سے زیادہ تپ کسی کا نہیں ہے۔ اِندر سے کوئی بڑا راجا نہیں ہے۔

شِو سے نہ تپسی آدی برہما سے نہ بید چاری

سنت کمار سی تپسیّا نہ انت ہے

شِو جیسا کوئی تپ کرنے والا نہیں ہے۔ برہما جیسا کوئی بید جاننے والا نہیں۔ سنت کمار سے زیادہ کوئی زاہد نہیں۔

گیان کے بہین کال پھاس کے ادھین سدا

جُگن کی چوکری پھرائے ای پھرت ہے۔۶۔۷۶۔

مگر گیان کے سوا کال کی پھانسی کے بس میں ہو کر ہمیشہ جُگوں کی چَوکڑی میں پھرتے رہتے ہیں۔

ایک سِو بھئے ایک گئے ایک پھیر بھئے

رام چندر کرشن کے اوتار بھی انیک ہے

ایک شِو پیدا ہُوئے ایک مرے اور ایک پھر پیدا ہُوئے۔ رام اور کرشن کے بھی بے شُمار اوتار ہیں یعنی پیدا ہُوئے ہیں۔

برہما اور بسن کیتے بید او پُران کیتے
سمرت سمؤ ہن کے ہوئے ہوئے ہیتے ہیں

برہما اور بشن کتنے ہُوئے اور بید اور پُران بھی کئی دفعہ ہُوئے۔ کئی سمرتیاں ہُوئیں اور بہت جا چکے ہیں۔

مونڈی مدار کیتے اسُنی کمار کیتے
انسااوتار کیتے کال بس بھئے ہیں

کتنے مونڈی مدار اور کتنے اشنی کمار ہُوئے ہیں۔ اور کتنے جزوی اوتار ہُوئے ہیں۔ لیکن سب موت کے پنجہ میں آئے۔

پیر او پکامبر کیتے گنے نہ پرت ایتے
بھُوم ہی تے ہُوئی کے پھیر بھُوم ہی ملئے ہیں۔۷۔۷۷

پیر اور پیغمبر کتنے بیشمار ہُوئے ہیں۔ مگر سب خاک سے بن کر پھر خاک میں ہی مل گئے ہیں۔

جوگی جتی برہمچاری بڈے بڈے چھتر دھاری
چھتر ہی کی چھایا کئی کوس لو چلت ہیں۔

بڑے بڑے جوگی جتی برہمچاری اور جتی راجے ہُوئے ہیں جن کے چھتر کے سائے کوسوں تک پہنچتے تھے۔

بڑے بڑے راجن کے دابت پھرت دیس
بڑے بڑے راجن کے درپ کودلت ہیں

بڑے بڑے راجے مُلک گیری کرتے رہے ہیں اور بڑے بڑے راج لشکروں کو مغلوب کیا۔

مان سے مہیپ اودلیپ کے سے چھتر دھاری
بڑو ابھمان بھُج دنڈ کو کرت ہیں۔

راجا مان سنگھ جیسے راجے اور دلیپ جیسے تاجدار بڑے ابھمان میں اپنی طاقت دکھلاتے رہے ہیں۔

دارا سے دلیسر درجودھن سے مان دھاری
بھوگ بھوگ بھُوم انت بھُوم میں ملت ہیں۔۸۔۸۷۔

دارا جیسے دہلی کے بادشاہ اور دریودھن جیسے فاخر زمین پر عیش کر کے پھر آخر زمین میں مل گئے۔

سجدے کرے انیک توپچی کپٹ بھیس
پوستی انیک دا نواوت ہے سیس کو

اگر بہت سے سجدوں سے بزُرگی ہوتی ہے تو توپ چلانے والا اور پوست پینے والا ہمیشہ سر نگوں رہتے ہیں۔

کہا بھیو مل جو پے کاڈھت انیک ڈنڈ
سو توں ڈنڈوت اسٹانگ اُتھتیس کو۔

اگر اُٹھنے بیٹھنے یا پیٹ کے بل لیٹنے سے بڑے متصور ہو تو پہلوان کتنے ڈنڈ نکالتے ہیں۔

کہا بھیو روگی جو پے ڈاریو رہیو اُردھ مکھ
من تے نہ مُوڑھ نیوہاریو آدِ سیس کو۔

مُنہ اُوپر رکھنے میں بڑائی ہو تو بیمار ہمیشہ مُنہ اُوپر کر کے پڑا رہتا ہے۔ اے بیوقوف من سے اصل ایشور کو نہیں دیکھتا۔

کامنا ادھین سدا دامنا پربین ایک
بھاونا بہین کیسے پاوے جگدیس کو۔ (۹۔۷۹)

خواہش میں مُبتلا، ہمیشہ لالچ میں گھِرا ہُوا نشچہ کے بغیر ایشور کو کیسے پا سکتے ہیں؟

سیس پٹکت جا کے کان میں کھجورا دھسے
مُونڈ چھٹکت مِتر پُتر ہُوں کے سوک سوں

اگر سر مارنے سے بھگوان ملیں تو جس کے کان میں کنکھجورا گھُس جاتا ہے وُہ بھی سر مارتا ہے۔ اور اُسی طرح اپنے مِتروں اور سنتان کی جدائی میں سر مارتا ہے۔

آک کو چریا پھل پھُول کو بھچھیا سدا
بن کو بھرمیا اور دُوسرو نہ بوک سوں

آک کے کھانے والا، پھل پھُول پر گزارہ کرنے والا جنگل میں رہنے والا بکری یا ہرن سے زیادہ کون ہے؟

کہا بھیئو بھیڈ جو گھست سیس بِر چھن سوں
ماٹی کے بُھچھیا بول پُوچھ لیجے جوک سوں

اگر ماتھا رگڑنا عبادت ہے تو بھیڑ درختوں سے ہمیشہ سر رگڑتی ہے اور مٹی کھانا عبادت ہو تو جونک بھی مٹی کھاتی ہے۔

کامنا ادھین کام کرودھ میں پربین ایک
بھاونا بہین کیسے بھیٹے پرلوک سوں۔ ۱۰۔ ۸۰۔

خواہشات میں مُبتلا، غُصّہ اور غضب سے پُر، وشواس کے سوائے کوئی پرلوک کو کس طرح جاسکتا ہے؟

ناچیو ای کرت مور دادر کرت سور
سدا گھنگھور گھن کریو ای کرت ہیں۔

مور ناچتے ہیں، بادل گرجتے ہیں، مینڈک ٹراتے ہیں۔ (پھر ایسی حرکات سے فائدہ)

ایک پائے ٹھاڈھے سدا بن میں رہت برچھ
پھُوک پھُوک پاو بھُوم سراوگ دھرت ہیں۔

ایک پاؤں پر تو سارے درخت بھی کھڑے ہیں اور سراوگی زمین پر پھُونک پھُونک کر قدم رکھتے ہیں۔

پاہن انیک جگ ایک ٹھَور باس کرے
کاگ اور چیل دیس دیس پھِرت ہیں

پتھّر زمانہ تک ایک جگہ پڑا رہتا ہے اور چیل کوّے دیش بدیش پھرتے رہتے ہیں

گیان کے بِہین مہادان مے نہ ہُوجے لین
بھاونا بِہین دِین کیسے کے ترت ہیں۔۱۱۔۸۱۔

گیان سے خالی، دان سے مبّرا اور سچّی بھاونا کے بغیر کوئی کس طرح نجات پا سکتا

جیسے ایک سوانگی کہُوں جوگیا بیراگی بنے
کبھُوں سنیاس بھیس بن کے دکھاوئی

بہرُوپیے کی طرح جوگی ہیں۔ کہیں بیراگی کہیں سنیاسی بن کر دکھاتے ہیں۔

کہُوں پَون ہاری کہُوں بیٹھے لائے تاری
کہُوں لوبھ کی خُماری سوں انیک گُن گاوئی

کہیں پون کھا رہے ہیں، کہیں تاڑی لگائے بیٹھے ہیں۔ کہیں حرص میں مخمُور ہو کر گُن گاتے پھرتے ہیں۔

کہوں برہمچاری کہوں ہاتھ پے لگاوے باری
کہوں ڈنڈ دھاری ہُوئی کے لوگن بھرماوئی

کہیں برہمچاری بن کر، کہیں ہاتھ وغیرہ میں چھاپ لگاکر، کہیں ڈنڈا لے کر لوگوں کو پھُسلاتے پھرتے ہیں۔

کامنادھین پریونا چت ہے ناچن سوں
گیان کے بہین کیسے برہم لوک پاوئی۔ ۱۲۔ ۸۲۔

خواہشات میں مُبتلا ناچتے پھرتے ہیں۔ سوا گیان کے برہم لوک کس طرح مل سکتا ہے؟

پنچ بار گیدر پکارے پرے سیت کال
کُنچر او گدہا انیک دا پکار ہیں

سردیوں کے موسم میں گیدڑ بھی پانچ بار پکار مچایا کرتے ہیں۔ کُنچر (مُرغ) اور گدھا بھی کئی دفعہ بانگ دیتے ہیں۔

کہا بھئیو جو پے کلوتر لیئو کانسی بیچ
چیر چیر چورتا کُٹھارن سوں مار ہیں

کیا ہو گیا اگر کوئی کانشی میں جاکر آرہ پر چڑھ گیا۔ کیونکہ کئی چوروں کو آرہ سے پار کیا گیا ہے۔

کہا بھیئو پھانسی ڈار بُوڈیو جڑ گنگ دھار
ڈار ڈار پھانس ٹھگ مار مار ڈار ہیں

کیا ہُوا اگر گلے میں پھانسی دے کر گنگا میں ڈُوب مرا۔ کئی رہزنوں کو پھانسی دیکر رُخصت کیا گیا ہے۔

ڈُوبے نرک دھار مُوڑھ گیان کے بنا بچار
بھاونا بہین کیسے گیان کو بچار ہیں۔ ۱۳۔ ۸۳۔

وُہ مُورکھ نرک میں ڈُوبتے ہیں جو بغیر بچار گیان اور وشواس کے عمل کرتے ہیں۔

تاپ کے سہے تے جو پے پایئے اتاپ ناتھ
تاپنا انیک تن گھائل سہت ہیں

اگر تکلیف اُٹھانے سے ایشور ملتا تو زخمی کو بہت دُکھ ہُوا کرتا ہے۔

جاپ کے کیئے تے جو پے پائیت اجاپ دیو
پُودنا سدیو تُہیں تُہیں اُچرت ہیں۔

اگر جاپ کرنے سے ملتا تو پُودنہ پرندہ ہمیشہ تُوہی تُوہی کا جاپ کرتا رہتا ہے۔

نبھ کے اُڈے تے جو پے نارائن پائیت
انل اکاس پنچھی ڈولبو کرت ہیں

اگر آسمان پر اُڑنے سے پرمیشور ملتا تو بے شمار پرند اُڑتے رہتے ہیں۔

چنانچہ 'وچتر ناٹک' میں گورو گوبند سنگھ جی نے خُود کہا ہے کہ تمام دیوتے زمین پر ایک دُوسرے کے بعد انسان کی شرارتوں اور گناہوں کی سرزنش کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے لیکن اُنہوں نے یہاں اپنی اپنی پرستش کا رواج قائم کر دیا تھا اور ایشور کو بھول گئے تھے۔ برہمنوں نے شُودروں کا رویّہ اختیار کر لیا تھا اور کھتریوں نے اپنے فرائض ترک کر دیئے تھے۔ اور انسانوں نے صدہا پیشوا، مُرشد، ہادی گورو بن کر بے حساب مُختلف فرقے کھڑے کر لئے تھے۔ گورکھناتھ، رامانج، رامانند، شنکراچارج وغیرہ نے اپنے اپنے مذہب بنا لئے۔ محمدؐ نے ہدایت کی تھی کہ خُدا کے نام کے ساتھ اس کے نام کو بھی وِرد کیا کریں۔ ہر ایک نے اپنا اپنا مذہب اور الگ الگ راستہ اور طریقہ قائم کر لیا اور انسانوں کو گُمراہ کر دیا تھا۔ اس کے ذریعہ سے انسانوں میں خُودغرضی، شرارت، بُغض، حسد، ظُلم اور بے رحمی وغیرہ وغیرہ بے حد و حساب پاپ نافذ کر دیئے تھے۔ سچائی سے منش کو ہٹا کر کبر و غرُور، نخوت ایک دُوسرے سے نفرت اور حقارت کی طرف کھینچ لے گئے تھے۔ جو انسانوں کی رہبری کے لئے بھیجے گئے تھے، اُنہوں نے اپنے راستے مُقرر کئے اور جہاں کو گمراہ کر دیا۔ اگیانی لوگوں کو سچّا راستہ نہ دکھایا۔ اس لئے اے گوبند تم کو ایشور نے اس لئے بھیجا ہے کہ تم صِرف ایک سچدانند ایشور کی بھگتی میں لوگوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ لیکن جو شخص مُجھ کو اوتار یا دیوتا سمجھے گا، وُہ دوزخ میں ڈالا جائے گا کیونکہ میں صِرف انسان ہُوں مثل دیگر انسانوں کے اور دُنیا کا تماشہ دیکھنے آیا ہُوں۔ ہندُو اور مُسلمان کا مذہب دونوں ہیچ ہیں۔ جوگی اور قُرآن و پوران کے پیرو سب دھوکا باز ہیں۔ تمام مذہب آلودہ ہو گئے تھے۔ بیراگیوں اور سنیاسیوں نے بھی

لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔ سب کے طریقِ عبادت گمراہانہ تھے کیونکہ ایشور کتابوں کے اوراق میں نہیں ہے بلکہ وُہ فروتنی اور سچائی ہے۔ مجُھے ایشور کا جلال ہر سُو نظر آتا ہے اور مَیں اِس کو ظاہر کرُوں گا۔ میرے ہر کام میں ایشور کی کرپا ہے اور وُہی میرا مددگار ہے۔ لوہا میرا محُافظ ہے۔ صِرف ایشور کی کرپا سے مجُھے طاقت ملی ہے۔

پس ظاہر ہے کہ گُورو گوبند سنگھ انسانوں کو سچائی، پوِترتا، محبت اور عدل سکھلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وُہ ایک سچاّ مذہب زندہ کرنے اور اُس کا پرچار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اُس نے بڑے زور شور سے کہا کہ ہندُو اور مُسلمان دونوں راہِ حقیقت سے گُمراہ تھے اور کہ دونوں جادۂ راہ سے بھٹک گئے تھے اور ہندُو ایک ذات ایشور کو بھُول کر درماندہ تھے۔ صاف کہا کہ قرآن اور پُران سچے مذہب کا اظہار نہیں کرتے۔ بُت پرستی اور مُردہ نوازی سے کبھی شانتی نہیں مل سکے گی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ میں سب سے بڑی خُوبی جو تھی وُہ یہ تھی کہ اُس نے نہ تو یہ دعویٰ کیا کہ وُہ ایشور کا اوتار یا پیغمبر یا رشتہ دار ہے۔ بلکہ اُس نے بڑی سنجیدگی اور انکساری سے کہا کہ وُہ اگرچہ دُنیا میں نیکی پھیلانے اور سچائی کا جلال دکھانے اور صِرف ایک واحد لاشریک خُدا کا راستہ بتانے کے لئے بھیجا گیا تھا، مگر سوائے معمُولی انسان کے وُہ زیادہ کچھ نہیں ہے اور صِرف دیگر انسانوں جیسا ایک انسان ہے بلکہ ایشور کا ایک ادنےٰ خدمتگار اور خالقِ حقیقی کے مظاہر کائنات اور مناظر فطرت کا صِرف تماشائی ہے۔ جو شخص اُس کو خداوند سمجھ کر اُس کی پرستش کرے گا، وُہ ہمیشہ کی جلانے والی اگنی میں جلا کرے گا۔

اگر چشمِ بینا تعصّب سے کور نہ ہو اور دیدۂ بصر طرفداری سے نابینا نہ ہو تو

گُورو گوبند سنگھ تمام ہادیانِ دین اور مُوجدانِ مذہب کا سرتاج معلُوم ہوتا ہے۔ سب نے اپنی نفسانیت کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اپنی عِزّت اور بزُرگی کے لئے حدیں بنائیں اور قیدیں مقّرر کیں۔ اپنے تئیں خُدا کا حبیب، بیٹا، پیغمبر اور رسُول کہا اور اپنا رُتبہ انسانوں سے بھی کچھ زیادہ مقّرر کیا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ اپنی ذاتی عِزّت کی کچھ پروا نہ کرتا ہُوا اپنے تئیں ایشور کا خادم ظاہر کرتا ہے۔ دیگر انسانوں جیسا ایک انسان اپنے آپ کو بتلاتا ہُوا سچائی اور پریم کا اُپدیش کرتا ہے۔ اِس سے عُمدہ مثال فروتنی اور نشکام رہبر ہونے کی کسی نے پیش نہیں کی۔۔ اس لئے اُس کا رُتبہ میدانِ ہدایت میں ہر زمانہ کے ہادیانِ دین سے بلند و بالا ہے۔ بے نظیر بے نفسی اگر کہیں ظاہر ہوئی تو گُورو گوبند سنگھ کی حالت میں۔ حاشا و کلّا ہمارا مطلب کسی ملک اور کسی زمانہ کے مذہبی اکابران اور مُوجدان ادیان کی توہین یا تضحیک نہیں ہے۔ ہم اُن سب کو عِزّت سے دیکھتے ہیں کیونکہ درجہ بدرجہ طبقہ انسان کو نیکی کی طرف راغب کرنے کے لئے بھی اُنہوں نے محنت کی ہے۔ لیکن ہم سچ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہر ایک زمانہ کے مصلحانِ راہِ حق نے اپنی عِزّت کی خواہش کو مدِ نظر رکھ کر اپنی ذات کو وُہ درجہ دیا جو انسان کے درجہ سے بڑھ کر تھا۔ کوئی خُدا کا مقرب بن بیٹھا، کوئی عزیز کوئی حبیب اور کوئی رقیب، کوئی اُس کا مشیر بنا اور کوئی شفیع۔ اِن تمام نے گویا خُدا کو محتاج بالغیر بنایا۔ چہ جائیکہ خُدا کی وحدانیت کا اظہار کیا ہوتا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے کبھی اِس قسم کا دعویٰ نہیں کیا اور خُدا سے نہ تو کوئی رشتہ داری قائم کی اور نہ خُود خُدا بن بیٹھا۔ خُود غرضی اور نفسانیت کو خُدا کے کاموں میں بالکل شامل نہیں کیا۔ چنانچہ صاف کہا ہے کہ وُہ اکال کی طرف سے کام کرنے کے

لئے آیا ہے۔ مگر وہ انسان سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ایسا کام ہے جو پہلے کسی ہادیٔ دین سے نہ ہو سکا۔ اس لئے ہم گورو گوبند سنگھ کو تمام زمانوں کے ہادیانِ دین سے جن سب کو ہم عزّت سے دیکھتے ہیں، زیادہ معزّز اور مؤثر خیال کرنے کے لئے وجوہات رکھتے ہیں۔

غرض اِسی طرح سچّائی اور پوِترتا کے اصُول گورو گوبند سنگھ نے اپنے سِکھوں کو سکھائے، کہ ایک سچدانند اکال پُرکھ کی کیوں سچائی اور صداقت میں ہی بندگی کرنی چاہیئے اور کسی مخلُوق شے کی عبادت کر کے اُس قادرِ مطلق ایشور کی بے عِزّتی نہیں کرنی چاہیئے جو کل کائنات کا خالق ہے۔ اس قسم کی تعلیم سے گوبند سنگھ نے پوترتا کی تعلیم سے سب انسانوں کو بالعمُوم اور ہندُوؤں کو بالخصُوص سادہ خصائل، ایکتا، دیش بھگتی کا عادی بنایا اور بالاخر ہندُوؤں کو مشترک اور مخلُوق پرست قوم سے نکال موّحد بنایا۔ توہمات سے نکال کر ایک ایشور کے دھیان میں لگایا۔ اس طرح ایک غرض مشترک کا نکتہ اُن میں پیدا کیا۔ تیاگ اور دیا متھیا اور زہر آلُودہ رغبت و راگ وغیرہ کے خیالات سے ہندُوؤں کو ہٹا کر کرموں کے دھرم پر چلایا۔ جو لوگ ایک چیونٹی کے مارنے میں پاپی بن جاتے ہیں اُن کو سکھایا کہ دیش اور دھرم کی رکھشا کے لئے ہنسا پاپ نہیں۔ بلکہ دھرم جو میلان ہندُوؤں کا کاہلی، نربلتا اور آخر فنا کی طرف بڑھ رہا تھا بلکہ انتہا کے پہنچنے کے قریب تھا، اُس کو آگے بڑھنے سے روکا اور ہندُوؤں کو ایک نہائت جفاکش بلوان قوم بنا کر چھوڑا۔ بلکہ جو دھرم چھوڑنے کے لئے بہانہ کی تلاش میں تھے، اُن کو اس حد تک تیار کیا کہ دھرم کے لئے جان نثار کرنا اُن کے لئے کھیل ہو گیا۔ ایسے دھرم بیر بنا ڈالے کہ جن کی بیرتا اور جوانمردی اور شجاعت کے کارنامے آج تک دُنیا کو حیران کر رہے

ہیں۔ جن کی محنت اور جانبازی شہرت ششدر عالم میں گُونج رہی ہے اور یہ سب کچھ اس اثر کا نتیجہ ہے جو گُورو گوبند سنگھ نے سکھوں میں محبت قومی کا جوش ایک ایشور بھگتی اور ایک ایشور کی عبادت میں ان کو داخل کرنے سے پیدا کیا۔ جب تک انسان کا مذہب ایک دُوسرے سے محبت کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو اور ایک مقصد کے لئے اُن کو اُٹھا نہ کرتا ہو تب تک کوئی فرقہ قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ مہابلی ایشور کا سہارا نہش لینے کے باعث نربل ہو گئے تھے اُن کو ایک ذات ایشور کا بھگت بنا کر ایک مرکز کی طرف رجوع کر کے ایک بلوان قوم بنا دیا۔ مذہبی مُعاملات میں اس کی جس قدر ہدائتیں تھیں، اس نے اپنی مادری زبان میں بوجوہ اپدیش کرنے کا کام شُروع کیا۔ اس کے اقوال سے معلُوم ہو تا ہے کہ وُہ اُپدیش کا ذریعہ ملک کی زبان کو نہ رکھنا نہ صِرف غیر مناسب سمجھتا تھا بلکہ مضِر اور خطرناک۔ اس کی یہی وجہ تھی کیونکہ وُہ بخُوبی آگاہ ہو گیا تھا کہ ہندُوؤں کے تنزل کا باعث اور ہر پہلُو پر برہمنی تعلیم تھی اور برہمنوں نے علم کی کلید کلہم اپنے قبضہ اور قابُو میں رکھ کر قوم کو جاہل بنا ڈالا تھا اور اُن کی جہالت سے فائدہ اُٹھا کر جس قسم کے مسائل اور تعلیم اپنے مطابق حال دیکھیں اس کی تلقین اور ترویج کریں۔ اگر گُورو گوبند سنگھ اپنے اُپدیش اور خیالات پھیلانے کا ذریعہ سنسکرت زبان کو اختیار کرتا تو ہر گز کامیاب نہ ہوتا۔ وُہ خطرہ اُس کے سامنے تھا جو اپنے خیالات کو سنسکرت زبان میں یا کسی اور ایسی زبان میں ظاہر کرنے میں ہوتا جو برہمنوں کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ کیونکہ پھر سب کچھ برہمنوں کے اختیار میں آجاتا۔ جس طرح چاہتے اُس کی تاویلیں کرتے مرضی آتی تو شائد ظاہر بھی کرتے یا نہ کرتے اور جن لوگوں میں خُود گُورو گوبند سنگھ

نے کام کرنا تھا وُہ سنسکرت میں اُپدیش کے سلسلہ میں کیا فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گُورو گوبند سنگھ نے سنسکرت وِدّیا کے حصُول کی طرف بہت توجہّ نہیں دی اور اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ اپنے پہلے گُورو کی طرح اپنی مُلکی زبان میں محدُود رکھا۔

اس سے معلُوم ہوتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ زمانہ کی نبض کے لئے قابل حکیم تھے۔ چنانچہ وُہ ہندُوؤں کے مرض کو تشخیص کر گئے اور بہت حد تک مرض کو اچھّا کر دکھایا۔ مذہبی وسعت گاہ میں ویدک تعلیم کے سُورج کی روشنی پر جو انسانی مذاہب کی بدلیاں چھائی ہُوئی تھیں اور اُس روشنی کو انسانوں پر آنے سے روک رہی تھیں، اُن بادلوں کو بہت کچھ گُورو گوبند سنگھ نے ہٹایا۔ گو اظہارِ مطالب کا ذریعہ دیش بھاشا کو ہی رکھا، جیسا کہ پہلے گُورو نانک دیو جی نے کیا تھا اور اُس ذریعہ سے مذہبی مسائل کی اہم صُورتوں کو ایسی شکل دی کہ جو ویدوں کی تعلیم کے مغائر نہ تھے اور ایک کال ایشور کی پرستش میں اُن کو رجوع کیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت کچھ۔

سوشل حالتوں میں کیا تبدیلیاں کیں؟

گُورو گوبند سنگھ کے سامنے جس قدر مشکلات تھیں اُن میں سے پہلے مذہبی اصلاح تھی۔ اُس میں اُس نے جس طرح ہاتھ ڈالا، اُس میں وُہ خُوب کامیاب ہُوا۔ لیکن دُوسری اصلاح اُس سے کم مشکل نہ تھی، یعنی سوشل اصلاح۔ لیکن اس کی اصلاح کی طرف بھی اُس نے ہمّتِ مردانہ اور نڈر جُرأت سے کام لیا۔ سوشل پہلُو کی اصلاح میں جو کام گُورو گوبند سنگھ نے کیا، اُس میں وُہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے اور کوئی اُن کا مقابلہ

نہیں کر سکتا۔ دُوسروں کو وُہ اصلاح سُوجھی ہی نہیں چہ جائیکہ اس میں ذرّہ بھی کوشش کی ہو۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ ایسا حکیم نہیں تھا کہ وُہ ہندُووَں کی اس مرض کی علامتیں نبض میں نہ شناخت کر سکے۔ اُس نے اِس مرض کو بھی تشخیص کیا اور علاج سوچا جو تیر بہدف ہُوا۔

چنانچہ جس وقت گُورو گوبند سنگھ نے کام شُروع کیا اُس وقت ہندُووَں میں ذات پات کی تقسیم اور قید بے طرح پھیلی ہُوئی تھی۔ کسی مجمُوعہ افراد یا قوم کی سوشل حالت پر مذہبی حالات کا بہت ہی اثر ہُوا کرتا ہے اور اس قاعدہ وکُلیہ سے ہندُو مُستثنےٰ نہ تھے۔ مذہبی تغیّر و تبدل سے رسمی ضمنوں میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہندُووَں میں بھی اِن کی رسمیں کیفیتیں اُن کے مذاہب سے متاثّر ہُوئیں۔ یہ نمایاں ہے کے جس قدر مذہبی تفریق اتصال برہمنی دھرم کے زمانہ میں بڑھتا گیا اور نئے نئے دیوتا اور اوتار وغیرہ ایجاد ہوتے گئے اور انسانی مذاہب کی بُنیادیں پڑتی گئیں، اُسی قدر اُن رسموں پر بھی اثر ہوتا رہا۔ پہلے چار ورن تھے۔ تفریق اور اتشاع مذہب کے ساتھ ذاتیں بھی تعداد میں بڑھتی گئیں۔ کچھ شک نہیں کہ ذاتوں کی وُسعت اور انتشار میں لوگوں کا فائدہ مقصُود تھا کہ جو دوسرے انسانوں کی کمائی پر گُزارہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کا فائدہ اِس میں تھا کہ اُن کی ضرُوریات کے بڑھانے کے ساتھ ذاتوں میں تقسیم ہو کہ اُن کے فوائد میں کمی نہ آوے۔ مذہبی اختلافات میں فرقہ بندی کی اور اُس سے ذات کی تقسیم میں مدد ملی۔

اس ذات در ذات تقسیم یا ضرب کا ایسا مسئلہ قائم ہُوا کہ زمانہ دراز تک اس میں

وُسعت ہی پیدا ہُوا کی۔ اور اِن کا شُمار ہزاروں تک پہنچتا تھا۔ اس لئے ایک ذات کا دُوسری ذات سے اُنس اور تعلق نہ تھا۔ برہمنوں اور کھتریوں سے واسطہ نہ تھا اور شُودروں سے کھتریوں کی یکجہتی نہ تھی۔ خُود برہمنوں اور کھتریوں میں آپس میں بیشُمار فرقے تھے جو آپس میں نہ شادی بیاہ کر سکتے تھے اور نہ آپس میں کھا پی سکتے تھے۔ ایک دُوسرے کے ساتھ بعد المشرقین کا اختلاف تھا۔ ایک دُوسرے کے ہاتھ کا پکا ہُوا نہیں کھا سکتے تھے اور اس کھانے پینے کی اسقدر شدید اور کڑی قیدیں قائم ہو گئی تھیں کہ صِرف ایک دُوسرے کے ہاتھ کا کھانے سے مذہب سے آدمی خارج ہو جاتا تھا اور برادری سے الگ۔ یہاں تک کہ مذہب کھانے پینے کی قید پر مُنحصر ہو گیا تھا۔ صِرف اِتنا ہی نہیں بلکہ ایک دُوسرے کے مقابلہ میں اقسام اشیاء خُوردنی پر بھی اختلاف تھا۔ اِن اختلافات کی وجہ سے ایک دُوسرے سے نفرت، آئے دِن انہی بکھیڑوں میں غرق اور شب و روز ایسے تنازعات کی مصیبت میں مُبتلا تھے۔ پس محبت ہو تو کہاں سے ہو، اتفاق ہو تو کیونکر ہو۔ یک جہتی کی بُنیاد کو ایسی دیمک لگ گئی کہ دن بدن اِس کے گرنے کا اندیشہ تھا۔ بمقابلہ اہلِ اسلام کے ہندُوؤں نے چھُوت چھات اور کھانے پینے کی قید کو ایسا سخت طور پر استعمال کیا کہ اُن کے ہاتھ کا چھُوا ہُوا کھانا تو بجائے خُود رہا، ایک فرش پر بیٹھ کر بھی کھا پی نہیں سکتے تھے۔

یہ رسُوم چھُوت چھات ہندُوؤں میں غایت درجہ کے وہم تک پہنچی ہُوئی ہے اور اس سے ہندُوؤں میں یک جہتی اور اخُوّت مستحکم نہیں رہ سکتی اور قومیّت بننے کی سدِ راہ ہے۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ اس کو مٹانا چاہتے تھے اور یہی وجہ تھی کے شُودروں کو باقی

تین دوج ذاتوں کے برابر کرنا چاہتے تھے اور اُن اُونچی دوج ذاتوں کو ایک سطح پر لانا چاہتے تھے۔ چھوت چھات کی رسم جو ہندُووں میں اندرُونی طور پر مروّج تھی، اِنکو دفع کرنے کی بہت ضرُورت محسُوس کرتے تھے اور اس سمت میں اُن کی بڑی کوشش یہ تھی کہ وُہ ہندُووں کے دائرے کو ایسا وسیع کریں کہ ایک تو شُودر قوم بلند درجے میں آسکے دُوسرا اگر کوئی ہندُو غیر مذہب اختیار کرے یا کوئی غیر مذہب کا آدمی سکھ بننا چاہے تو اُس کو اپنے فرقہ میں داخل کرنا بلا مزاحمت آسان ہو۔ اس کے لئے اوّل ذات کی قید کا ہندُووں میں سے اُٹھانا ضرُوری تھا۔ بدُوں اُس کے شُودروں وغیرہ کا لینا آسان نہ تھا چنانچہ اُس نے اِس طرف توجہّ کی۔

ہندُو آپس میں متفرق اور مُنتشر تھے اور چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم۔ اس لئے ایک دُوسرے کے ساتھ اُن کی کوئی ہمدردی نہیں تھی اور بنابریں وُہ علیحٰدہ علیحٰدہ کمزور تھے اور زبردست طاقت حملہ آوروں کے مدِّ مقابل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے اُن کی اس کمزوری کا فائدہ مُسلمانوں نے اُٹھایا کہ ایک ایک کر کے سب راجدھانیوں کو مٹا دیا اور سب ایک دُوسرے کا تماشہ دیکھا کئے۔ لیکن اِس تجربہ سے ہندُووں نے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور ذاتوں کی قید اور تمیز کو اور اُن کے رسُوم کی سختیوں کو اور بھی کڑا کرتے گئے۔ اِس لئے ایک دُوسرے کی امداد اور اعانت سے محرُوم ہو کر بالکل نابُود ہونے کی طرف قدم بڑھا رہے تھے اور اِس لئے اُن کی ہستی مِٹنے کے سامان مستعد اور زبردست موجُود ہوتے جاتے تھے۔

ذاتوں کا ایک بڑا نقصان یہ پیدا ہو رہا تھا کہ ادنےٰ ذاتوں کو چُونکہ بڑی ذات میں

داخل نہیں کر سکتے تھے، اِس لئے چھوٹی ذات والوں سے بڑی ذاتوں کا کام لینا بھی ناممکن ہو رہا تھا۔ جنم سے ذات کی تمیز قائم ہونے سے قومی ترقی میں مزاحمتیں سدِّ راہ ہو گئی تھیں۔ اغلب یہ ہے کہ ہندوستان کی مُختلف زبانوں کے پیدا ہونے کے باعث بھی بہت کچھ ذات کی تمیز ہوئی ہو۔ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ کی خیر اندیش اور دُور بین آنکھوں میں ضرُوری معلُوم ہوا کہ شُودروں کو موقع دے کر اُن سے کام لیا جائے اور اُن کی اُونچی ذات بننے کا حق زندہ ہو جاوے۔ برہمنی اقتدار کے زمانہ اور چھتریوں کی حکومتوں میں شُودروں کی حالت مویشی اور حیوانوں سے ہرگز کم نہ تھی، خواہ وُہ بقول ایک قوم کے مُلک کے اصلی باشندے تھے۔ اِس میں شک نہیں کہ شُودر اسلام کی غُلامی اور زمانۂ قدیم کے اہلِ عرب اور وحشیوں کی غُلامانہ تجارت، بردہ فروشی، فروخت شُدہ غُلاموں کی حالت سے بدتر حالت میں تھے۔

قوانین مُنو کے وضع ہونے کے زمانہ میں پایا جاتا ہے کہ شُودر خدمتگاری کے لئے ہی پیدا ہُوئے تھے اور اُس قانُون کی رُو سے دوج ذاتیں خدمت گاری کا کام شُودروں سے لے سکتی تھیں۔ لیکن اُن کے ہاتھ کا پکایا ہُوا کھانے کے مجاز نہ تھیں۔ لیکن پھر بھی یہ قید ایسی سختی سے مُقرر نہ کی گئی تھی کہ اس کے تجاوز کرنے میں کوئی بڑا عیب یا کارِ ثواب تصوّر ہوتا۔ لیکن برہمنی زمانہ میں جب کہ ایک ذات کے آدمی آپس میں ایک دُوسرے کے ہاتھ کا نہیں کھا سکتے تھے، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ شُودروں کے ہاتھ سے کھانے کی کسی اجازت سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔ برہمن برہمن کے ہاتھ کا اور کھتری کھتری کے ہاتھ کا پکایا ہُوا نہیں کھا سکتا تھا اور نہ ایک ذات دُوسری ذات کے ہاں کھا سکتی تھی، تو پھر شُودر

کے ہاتھ کا بنایاہُوا کھانا کھانا کس طرح گوارہ کر سکتے تھے درحالیکہ خُود مُنو کے قانُون میں شُودروں کو اِس قدر ذلیل اور حقیر قرار دیا گیا ہو۔ جیسا کہ ذیل کے حوالوں سے ظاہر ہو گا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

مصیبت کے زمانہ میں ہر فرقہ اپنے سے ادنےٰ فرقے کے کام کرنے لگے مگر کسی حالت میں اپنے سے اعلےٰ فرقہ کے کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے۔

(۱۰/۹۹۔۱۰۰)

شُودر کو وید شاستر اور مذہبی کتابیں پڑھنے کی اجازت نہیں (۱۰/۱۲۷۔۱۲۸)

برہمن کا شُودر کے رُوبرُو بھی وید پڑھنا دُرست نہیں۔ (۴/۹۹)

شُودر اپنے آقا کے پس خُوردہ پر پالا جائے اور اُترے ہُوئے پھٹے پُرانے کپڑے پہنے۔ (۱۰/۱۲۵)

شُودر کو دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں۔ (۱۰/۱۲۹)

اگر شُودر اعلےٰ فرقہ کے کسی آدمی کو گالی دے تو اُس کی زبان کاٹ دی جائے۔ (۷/۲۷۰)

اگر کوئی شُودر برہمن کے پاس ایک ہی فرش پر بیٹھ جاوے تو اُس کی سُرین (چُوتڑوں) کا گوشت کاٹ ڈالا جائے۔ (۸/۲۸۱)

اگر شُودر برہمن کو دھرم کی باتیں بتائے تو اُس کے مُنہ اور کانوں میں کھَولتا ہُوا تیل یا سِکّہ بھر دیں۔ (۸/۲۷۲)

شُودر کے قتل کا کفارہ بھی مذہب کے رُو سے وُہی ہے جو بلّی، کُتّے، چھپکلی، مینڈک اور دیگر جانوروں کے مار ڈالنے کا کفارہ ہے۔

شُودروں کی ذلیل حالت ظاہر کرنے کے لئے اِن حوالجات پر ایزاد کرنے کی ضرُورت نہیں ہے۔ شُودروں کو ہندُو حکومتوں اور برہمنی طاقت کے زمانہ میں ہر چند سر اُٹھانے کی ممانعت تھی اور مویشی اور کُتّے سے بھی بدتر اُن کی عِزّت تھی۔ گُورو گوبند سنگھ نے جب کام شُروع کرنے کا ارادہ کیا اُس وقت بھی ہندُوؤں میں شُودر کی وہی بے قدری تھی۔ وُہ نہ تو بڑی ذات میں داخل ہو سکتے تھے اور نہ اُن سے چھتری کا کام لینا ممکن تھا۔ اگر اتفاق سے کوئی شُودر بزور قوتِ بازُو پولیٹیکل دُنیا میں کوئی بڑا مقام حاصل کرے تو کرے لیکن وُہ ذات میں اُونچا نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی درجہ کی دولت، رُتبہ سلطنت، بہادری، وِدّیا ذات کو اُونچا نہیں کر سکتے تھے۔ ایک طُرفہ یہ ہے کہ مذہب کے نام سے اور خُدا کے کلام کے کسی حوالے سے ہم جنس انسان دُوسرے انسان کو بلند مقام حاصل کرنے سے روکتا تھا۔ اس لئے ہندُو احاطہ میں اس امر کی سخت ضرُورت تھی کہ کوئی ایسا طریق اختیار کیا جاوے کہ ذات کی قید ٹُوٹ کر ہر ایک انسان کو مساوی حقُوق انسانیت حاصل ہو جاویں اور ذات اور ورن کی قیدیں ٹُوٹ کر ادنےٰ انسان کو بھی بلند مقام حاصل کرنے کا وہی استحقاق حاصل ہو جو خُدا نے فطرتاً انسان کو دیا ہے۔

کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور نہ کوئی دھرم اُنّتی کر سکتا ہے اگر وُہ زیادہ قیُود میں گرفتار ہوں۔ آزادی فطرتی کے لئے ایک فطرتی جوہر ہے۔ بدُوں اس کے نہ تو کوئی قوم

ترقی کر سکتی ہے، نہ کوئی انسان، نہ ملک ترقی کر سکتا ہے نہ ایمان۔ ویدک دھرم نے جو آزادی انسان کو عطا کی تھی، اُن کی تاویلیں، تشریحیں، ان کے بجائے دیگر ہدائتیں، قوانین، سمرتیاں، پُران وغیرہ بیشمار چیزیں بنا کر آزادی کو ایسا محدُود کر دیا تھا کہ انسان بشکل آزاد لیکن بالعمل قیدی سے بدتر حالت میں مُبتلا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندُوؤں کا کوئی کیریکٹر (خصلت) نہ تھا۔ اگر کبھی تھا تو زائل ہو چکا تھا۔ ساری قوم دماغی غُلامی میں محبُوس تھی۔ جب دماغ مقیدّ ہو تو دِل خُود مقیدّ ہو جاتا ہے۔

اِس لئے گُورو گوبند سنگھ نے ارادہ کیا کہ ہندُوؤں کو ذات اور ورن کی قید سے آزاد کر کے اِن کی ایسی قوم قائم کرے جو ہندُوؤں کے اُن خصائل سے غیر ہو جن میں وُہ اُس وقت پائے جاتے تھے اور شُودروں کو بھی اُن کے ساتھ برابر کر دے جو نسب کے فخر میں غایت درجہ کے ذلیل بن رہے تھے۔ لیکن اس ارادہ میں بھی گُورو گوبند سنگھ کے سامنے سخت مشکلوں کا سامنا تھا کیونکہ ہندُوؤں کی یہ حالت تھی کہ باوجود اس قدر ذِلّت اور رُسوائی کے اگر ذرا سی تبدیلی اُن کی غذا، لباس، نشست برخاست، طریق عبادت اور دیگر حالات میں کی جاتی، اگر پُرانے کسی طریقہ میں خواہ وُہ مذہبی ہو یا سوشل یا اخلاقی ذرا سی تبدیلی بھی اگر روا رکھی جاتی تو شور اُٹھ کھڑا ہو تا تھا۔ بلکہ پُرانی رسموں کے توڑنے والوں کو ذات سے گِر جانے، خویش اقربا سے بچھڑ جانے کا خوف دامنگیر رہتا تھا۔ تاہم اُس نے ارادہ کیا کہ تمام مشکلات کا سامنا کرتا ہُوا اُن کو دماغی اور جسمانی غُلامی سے نکال کر قومیّت کی بلند منزل پر پہنچائے اور سب سے بڑی مشکل اُن کے سامنے ہندُوؤں کی سیاسی حالت تھی۔

ہندُوؤں کی پولیٹیکل حالت گُورو گوبند سنگھ کے وقت کیا تھی؟

مہابھارت کے زمانہ تک ہندُوؤں کی پولیٹیکل طاقت نہ صِرف تمام بھارت ورش میں ہی محسُوس ہوتی، بلکہ بھارت سے باہر بھی اُس کا اثر تھا۔ اُن کی فتُوحات ہندوستان کی حدُود سے باہر بہت وسیع تھیں لیکن جنگ مہابھارت کے بعد بھارت ورش تنزل کرنے لگا تھا۔ ہندوستان رفتہ رفتہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ ہزاروں چھوٹے چھوٹے راجے ایک ہندوستان کی سرزمین پر راج کرتے تھے اور اُن کا آپس میں اتفاق تو کجا سخت عناد تھا۔ ہر ایک ایکدُوسرے کا دُشمن، ایک کی خرابی میں دُوسرا خُوش ہوتا تھا۔ خُود مہابھارت کے جنگ کے واقعات اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ اُس وقت بھی بھارت ورش ایک راجہ کے ماتحت نہ تھا بلکہ چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں تھیں۔ البتہ بڑی طاقت اور سلطنت پانڈووں اور کورووں کے خاندان کی تھی اور ہندوستان کی سب راجدھانیاں اس کو بڑی طاقت تسلیم کرتی تھیں۔

مہابھارت کے زمانہ کے بعد سُورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکومت کا سلسلہ بہت عرصہ تک قائم رہا۔ بدُھ مذہب کے راجوں نے ہندُوؤں کے قدیم شاہی خاندانوں کا نام و نشان بھی مٹا دیا تھا اور صِرف اُن کے نام باقی تھے۔ بدُھ مذہب کی حکومتوں کو اگنی کُل کھتریوں کے خاندان نے ہندوستان سے خارج کیا۔ لیکن اُن کی اولاد جو اب مختلف ذاتوں کے راجپُوت کہلاتے تھے، آپس میں ایک دُوسرے کے مخالف اور ایک دُوسرے کی تخریب میں لگے ہُوئے تھے۔ اُن کی زبردست سلطنت کبھی قائم نہیں ہُوئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے راجے تھے اور اُن کی باہم ذاتی اور ذات کے بڑے

چھوٹے ہونے کے تنازعات اس قدر سر گرم تھے کہ اُن میں قومیّت کا نام و نشان نہ تھا۔ اگرچہ کُل بھارت ورش پر راجپوتوں کی سلطنتیں حاوی تھیں لیکن چھوٹے چھوٹے قطعات میں منقسم تھیں اور آئے دِن اُن کا باہم جنگ و جدل رہتا تھا۔ تاریخ کے ورق اُلٹ کر دیکھو ہزاروں لڑائیاں اور کوئی مہینہ خالی نہ ملے گا جب کوئی نہ کوئی لڑائی کسی نہ کسی قوم راجپوت وغیرہ میں موجود نہ ہو۔ آپس میں لڑ جھگڑ کر اپنی طاقت اور عزّت کھو بیٹھے تھے۔

راجہ بکرماجیت اور بھوج وغیرہ کے نام تاریخ ہند میں موجود ہیں۔ ان کے بعد سلسلہ ہی درہم برہم ہو گیا تھا۔ اگرچہ راجپوتوں اور چھتریوں کی جوانمردی اور بہادریوں کے قصےّ جب تک دُنیا کا وجود ہے کبھی فراموش نہ ہوں گے۔ راجپوتوں نے جو نشان اپنے خُون سے ہندوستان میں لگائے ہیں، اُن کا مٹانا خُود زمانہ کی طاقت سے بھی باہر ہے کیونکہ وُہ نقش خُود زمانہ کے جسم پر ہیں۔ جب تک زمانہ رہیگا وُہ نقش نمایاں نظر آیا کریں گے۔ لیکن بااین ہمہ آپس کے نفاق اور تفرق اتصال، ذاتوں کی تمیز اور مذہبی اختلاف نے کم سے کم مہابھارت کے بعد ہندُوؤں کو ایک قوم بننے سے روکا اور وُہ پچھلے پانچ ہزار سال میں کبھی ایک قوم کی صفت سے موصُوف ہونے کے قابل نہیں ہُوئی۔ اگرچہ ہندُو لفظ یا بھارت باشی کے الفاظ میں سارے فرقے اور ذاتیں شامل ہوں لیکن لفظ قوم کا جو اطلاق ہے وُہ اُن پر کبھی حاوی نہیں ہُوا۔ ایک ویدک دھرم رکھنے کی وجہ سے بھی اُن کو قوم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ویدک دھرم رکھتے ہُوئے بھی وُہ آپس میں اسقدر مختلف فرقے رکھتے تھے، ذاتوں کی قید میں پڑے ہُوئے تھے۔ لیکن باوجود اِن

سب کے سب سے اہم اختلاف یہ تھا کہ اِن میں پولیٹیکل تخالف واقع تھا اور اسی قدر شد ّومد ّکے ساتھ جس قدر دیگر اختلاف۔ بُغض، حسد، رشک ایک دُوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش بڑے زور شور سے اُن میں موجود تھی۔

اہلِ یورپ مؤرّخوں کی یہ رائے ہے کہ اُن اختلافات اور چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ہونے کے باعث ہندُوؤں کو بمقابلہ اسلام کے حملوں سے بڑا فائدہ پہنچا۔ جس طرح کے مختلف مذہبی فرقے ہونے کا فائدہ پہنچا کہ یکلخت تمام ہندوستان میں مذہب اسلام اختیار نہیں کیا۔ اسی طرح چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں نے فائدہ پہنچایا کہ مُسلمان ایک دو لڑائیوں میں تمام ہندوستان کو فتح نہ کرسکے اور قدم قدم پر راجپوتوں نے مقابلہ کیا اور سخت خُونریز لڑائیوں کے بعد ایک ایک بالشت زمین دی۔ اور کیوں نہ دیتے جب کہ ایک عظیم طاقت مُسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تمام ہندوستان میں کوئی ایک زبردست طاقت موجود نہ تھی۔ اور ایک دُوسرے کی امداد سے فائدہ اُٹھانا بوجہ اختلافات کے ممکن نہ تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ طاقتور قوم اسلام نے اُن کو آخر کار لتاڑ دیا خواہ جلدی خواہ کچھ عرصہ لے کر۔ لیکن تمام ہندوستان کو مغلُوب کر لیا۔

لیکن اگر ہندُوؤں کی کوئی زبردست سلطنت موجود ہوتی یا مختلف حکومتیں بلکہ ایک اور مرکز قومی تجویز کر کے لڑتیں، تو جیسا کہ راجپوت اور چھتری جانباز اور مردِ میدان تھے، ممکن نہ تھا کہ اسلام کا قدم ہندوستان میں جمتا۔ مُسلمانوں کا قدم ہندوستان میں اس لئے جم گیا کہ ایک ایک کو ایک ایک کر کے مارا۔ اور جب ایک مار کھاتا تھا تو دُوسرے تماشہ دیکھنے میں مصرُوف رہتے تھے۔ جتنا فائدہ مُسلمانوں کو ہندُوؤں

کے آپسی نفاق نے پہنچایا، اُتنا بہادری اور شہ زوری نے نہیں پہنچایا۔

پر تھی راج راجہ اپنے خالہ زاد بھائی جے چند کے حسد اور بُغض کا شکار ہُوا اور خُود بھی بقول ٹاڈ صاحب اپنی قوم کے برباد کرنے کے گناہ میں ذمہ وار تھا۔ مُسلمانوں کا قدم ہندوستان میں ایسا پڑا کہ آٹھ سو سال تک وُہ ہندوستان کے بلا شرکت غیرے بادشاہ رہے۔ ہندُوؤں کی تمام سلطنتوں کا نام و نشان مٹا دیا اور راجپوتوں کی غُلامی اور ملازمت میں داخل کر کے اُن کی بہو بیٹیاں مُسلمان کر کے نکاح کر لیا۔ اس دراز عرصہ میں جو سختی اور ظُلم مسلمانوں نے ہندُوؤں کو دُربل اور آپس کے نفاق میں مُبتلا پا کر لئے ہیں، اُن تمام واقعات کا اس وقت پتہ لگانا مشکل ہے کیونکہ ہندُوؤں کو نہ تو ایسے واقعات کے لکھنے کا کبھی شوق رہا ہے اور نہ مُسلمانوں کے مظالم نے اِن کو اس قسم کی ہوش آنے دی کہ اِن واقعات کو جمع کر کے لکھتے۔ جو کچھ واقعات خُود مُسلمان مؤرّخوں نے لکھے ہیں صِرف وُہی باقی ہیں۔ مُسلمان مؤرّخوں نے یہ واقعات بھی اپنی طاقت کے اظہار اور کافروں کو فی النار کرنے کے فخر میں لکھے ہیں ورنہ اُن کا بھی کہیں ذکر ملنا مشکل تھا جن کے نمُونے تمہید کتاب ہٰذا میں دکھائے گئے ہیں۔ مگر باوجود ان تمام سختیوں کے جھیلنے اور دُکھوں کے سہنے اور اپنی ہستی کے مٹنے کے ظاہر انشان دیکھتے ہُوئے بھی ہندُوؤں کو اتفاق کا خیال پیدا نہ ہوتا تھا اور نہ ہی ہُوا۔ ایک کو دُوسرے کی خبر نہ تھی۔ بنگال کے ہندُو پنجاب کے ہندُوؤں سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تھے اور دکھن اور شمال کے ہندُوؤں میں کوئی رابطہ نہیں۔ ہر ایک جہاں پڑا تھا، اپنے خیال میں پڑا تھا۔ کوئی کسی کی مدد کو تیار نہ تھا۔ مار کھاتے تھے، ذلیل ہوتے تھے، رُسوائی برداشت کرتے تھے لیکن ایک دُوسرے کی امداد اور

اتفاق کی اُن کو نہ سُوجھتی تھی کیونکہ سب کا سب کچھ مختلف تھا۔ نہ غم مشترک تھا اور نہ خوشی سب کی شامل تھی۔

تلوار اور اسلحہ جنگ سے کام لینے والی قومیں ہندُوؤں کی رفتہ رفتہ کچھ تو بالکل مُسلمان ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھیں اور اُن کا نام و نشان ہندُو دُنیا سے مٹ چکا تھا اور کچھ اپنا کاروبار چھوڑ کر ایسے گئے گُزرے ہو رہے تھے کہ اُن میں اسلام کے مقابلہ کی اب سکت نہیں رہی تھی۔ پرانے راجپوتوں اور کھتریوں کی جانبازیاں اور پرانے دھرم کے بل سب گزشتہ کہانیاں تھیں۔ اس لئے ضرُورت تھی کہ ہندُوؤں کو کسی ایک مقصد پر شامل کیا جاوے۔ ان کی ایک قومیّت پیدا کی جائے۔ اُن کی سوشل حالت کو بلند کیا جائے اور اُن میں حُب الوطنی کا مادہ، محبت قومی کا جوش اور اخُوّت کی بنیاد ایسی مستحکم بنیادوں پر رکھی جاوے جس پر برہمنی دھرم کا کوئی اثر نہ ہو۔ اس کی تدبیر جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں، گزشتہ چار ہزار برسوں میں کسی کو نہ سُوجھی۔ چھ سات سو سال سے مُسلمان حکومت ہند پر کامل طور پر قابض رہی۔ اُن کی قُوّت زائل کرنے کا خیال کسی کو پیدا نہ ہُوا۔

یہ اہم اور نازک کام گُورو گوبند سنگھ کے حِصّہ میں آیا اور ایشور کی طرف سے گُورو گوبند سنگھ ہندُو جیسی منتشر، نربل، عاجز اور گری ہُوئی قوم کے لئے محبت قومی، بل اور حُب الوطنی کو زندہ کرنے کا پیغام لایا۔ اور افسوس یہ کہ اس کا پریم سندیسہ سُننے والا کوئی نہ تھا۔ ہندُو دھرم اور طاقت کا لباس اس قدر پرانا اور بوسیدہ تھا کہ ان میں کاہ گل لگا کر مرمّت کرنا بھی فعل عبث تھا۔ اس لئے اس نے ہندُوؤں کے مناسب حال نیا لباس

تیار کیااور وُہ موزُوں بیٹھا۔ گُورو گوبند سنگھ نے ہندُوؤں کے دل میں وُہ چنگاری سلگائی جو بالکل بُجھ گئی تھی۔ یعنی حُب الوطنی۔ اُس نے اس کو دو ضمنوں میں پُورا کیا۔ اوّل مذہبی اصلاح جس میں اُس نے صِرف ایک ذات اکال کی پرستش سکھا کر اور تمام اقسام مخلُوق پرستی سے ہٹا کر ایک اخُوّت کا معیار قائم کیا۔ دوم سوشل اصلاح جس میں اُس نے ذاتوں اور ورنوں کی قید مٹا کر شُودروں کو اُٹھا کر ایک قومیّت کا پیوند لگادیا۔ ہندُوؤں میں اخُوّت اور قومیّت نہ رہی تھی۔ اُس کو تازہ کیا لیکن تمام مشکلوں کا سینہ سپر ہو کر سامنا کرتا ہُوا، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں دُکھ اُٹھاتا ہُوا۔

ذرا اُس بے برگ و بار، بے سر و سامان، بے معاون اور مددگار کی ہمّت کی جولانیوں کو تو دیکھو کہ اُن ہندُوؤں کو جنہوں نے سات سو سال تک اسلام کی غُلامی میں کیا کچھ اذیّتیں نہیں اُٹھائیں اور جو اسقدر دراز عرصہ میں اپنے تمام جوہر بہادری کھو بیٹھے تھے، جو اپنی بہُو بیٹیوں اور بہنوں کو دو دو دینار میں بکتا دیکھ کر خاموش ہو بیٹھے تھے، جن کے املاک اور جائدادیں چھینی جا کر فاقہ مستی میں گزرتی تھیں، جن کے مقدّس معبدوں کی انکے متبرّک جانوروں کے خُون سے لپائی کی جاتی تھی اور اُن میں جوش پیدا نہ ہوتا تھا، جن کے خُود ہستی اور دھرم مُسلمانوں کے محض رحم و کرم پر منحصر تھے، جو بنیوں کی طرح گھروں میں دُبکے بیٹھے تھے اور چُوہیوں کی طرح پہاڑ کے بِلوں میں گھُسے ہُوئے تھے اُن کے پژمُردہ دلوں، مُرجھائے ہُوئے حوصلوں اور بُجھے ہُوئے ولولوں میں وُہ پھُونک لگائی، وُہ حرارت اور جوش پیدا کیا کہ ایک ایک سِکھ مُسلمانوں کی طاقت کو ہیچ سمجھنے لگا اور حُب الوطنی اور محبت قومی کے لئے شہید ہونے اور شربتِ شہادت پینے کو

اپنی عِزّت، اپنا فخر اور اپنا دھرم سمجھنے لگا۔ اُس نے بلیّوں کو شیر بنایا، نامردوں کو مردِ میدان اُٹھایا۔ یہ کام گُورو گوبند سنگھ کے حِصےّ میں آیا تھا اور اُس نے اس کو خوش اسلُوبی سے پُورا کیا۔ اُس کے سامنے پہلا کام یہی تجویز کرنا تھا کہ اپنے اودلیش کے لئے کن لوگوں میں کام کرے اور کہاں کام شُروع کرے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ :۔

گُورو گوبند سنگھ نے اپنا کام کہاں اور کن لوگوں میں شُروع کیا

اُس نے کام کے لئے اپنا میدان شمالی ہمالہ کا دامن مناسب خیال کیا کیونکہ اُس وقت کی گری ہُوئی حالت میں بھی راجپوتوں کا قومی فخر میں اس کی پیروی کرنا غیر اغلب تھا۔ پنجاب کے مغرب کے ہندُو جوہر قابلیت بالکل برباد کر چکے تھے اور وسط پنجاب کے کھتری جسمانی طاقت اور رُوحانی بل کے لحاظ سے اس قابل نہ تھے کہ گُورو گوبند سنگھ کے کام کے لئے کھڑے ہو سکتے، بنگال، مدراس اور مہاراشٹر میں زبان کی غیرت مانع تھی اور مدّتوں تک مُسلمانوں کے مقابلہ میں لڑتے لڑتے تھک گئے تھے اور اِن نوجوانوں میں جلدی کامیابی کی بھی اُمید نہ تھی کیونکہ ابھی تک اس اہم کام کے لئے اُن کو کسی نے تیاّر نہ کیا تھا۔ پنجاب کا شمال مشرقی حِصہّ گُورو نانک دیو جی کی تعلیم سے بہت کچھ مُتاثر ہو چکا تھا اور کئی قُربانیاں بھی ہندُوؤں میں اس نواح میں ایسی واقع ہُوئی تھیں کہ جن سے لوگ متاثر تھے اور ماسوا اس کے گُورو گوبند سنگھ کو اُن لوگوں کی ضرُورت تھی جو جسم میں تنومند اور بلوان ہوں۔ مذہبی ہدائتوں کو جلدی قُبول کرنے کی اُن میں صلاحیت ہو۔ اِس لئے شمالی ہمالہ کا دامن دونوں طرح سے مَوزُوں تھا۔ گُورو

نانک دیو کی تلقین سے بہت کچھ وُہ لوگ واقف تھے اور صحتِ جسمانی کے لحاظ سے بھی وُہ پُورے توانا اور صاحبِ طاقت تھے اور سختیوں کے اُٹھانے کے قابل۔ غرض وُہ اِس قسم کے لوگ تھے کہ ذرا سی گرمی سے آگ کی طرح بھڑک اُٹھنے کے لئے آمادہ تھے۔ اگر مگر پر، لیکن و لیکن کی طرف اُن کی زیادہ توجہّ نہ تھی کیونکہ اُس جماعت کی کامیابی بہت مشکل ہوتی ہے جو اپنی نربلتا، بُزدلی، پست ہمّتی کو اگر مگر لیکن و لیکن میں چھُپانا چاہتے ہیں۔

گُورو گوبند سنگھ کا یہ خیال نہایت قیمتی تھا کہ اگر بجھا ہُوا چراغ روشن ہو جاوے تو دُوسرے چراغ اس سے بآسانی روشن ہو سکتے ہیں خواہ وُہ کہیں کے کیوں نہ ہوں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ پہلا چراغ روشن کیا جائے۔ ہندُو اُس وقت بیروغن چراغ تھے۔ گُورو گوبند سنگھ نے اس حصہّ دیش میں جو چراغ بیروغن پڑا تھا، اُس کو روشن کرنا چاہا کہ چراغ سے تمام دُنیا پر اُجالا پھیلے۔ ایسے چراغ کے لئے خاص قسم کے تیل اور سامان کی ضرُورت تھی۔ چنانچہ اِس چراغ میں محبت قومی کی بتّی رکھ کر اُس میں اپنے اور اپنے عزیزوں کے گرم خُون سے تیل بہم پہنچایا اور کھترتا کی آگ سے اُس کو روشن کیا اور ایسا دیا جلایا کہ مُردہ قوم پھر جی اُٹھی۔ لیکن اس چراغ کے جلانے کا فخر یا دعویٰ گُورو گوبند سنگھ نے کبھی اپنی ذات کے ساتھ منسُوب نہیں کیا بلکہ ہمیشہ یہی کہا گیا کہ یہ چراغ گُورو نانک دیو نے جلایا تھا۔ وُہ تو اُس کو اپنے خُون کے تیل سے محض زندہ رکھنے کے لئے آیا تھا۔ واقعی ایسے بڑے آدمی کے ایسے ہی وسیع خیالات ہونے چاہئیں۔ اس لئے ایسے ملک میں اُس نے کام کرنا پسند کیا جہاں گُورو نانک دیو نے میدان تیاّر کر رکھا تھا اور ایسے

لوگوں میں کام کیا جو اُس کے بھرم کے تھے۔

چنانچہ اُس نے شمال مشرقی ہمالہ کی پہاڑیوں میں قیام کر کے کام شرُوع کیا۔ اوّل خُود مختلف علُوم میں مہارت بہم پہنچائی۔ نظمیں سُنیں اور قریباً ۳۳ برس کی عُمر تک وہاں تعلیم حاصل کرنے، تواریخوں کا مطالعہ کرنے اور سُننے میں وقت صرف کیا۔ شکار کی عادت بنائی اور ہتھیاروں کا استعمال سیکھا۔ محنت کے خُوگر ہُوئے۔ رفتہ رفتہ جوانی کے جذبات سنجیدگی اور حوصلہ میں مبدل ہوگئے۔ جو سکھ اُن کے درشنوں کو آتے، اُن میں خیالات کی گرمی بھرنے لگی۔ جو سکھ نزدیک رہتے تھے، اُن کو شکار میں ساتھ رکھتے تھے جس سے وُہ محنت کشی کے عادی ہونے لگے۔ آرام چھوڑ کر جفاکش بننے لگے۔ کاہلی اور آرام طلبی کو مٹا کر سخت کاموں میں دلچسپی لینے لگے۔ قومیّت اور اخُوّت کا وظیفہ ورد کرنے لگے۔ خیالی دھرم سے نکل کر عملی دھرم کی طرف چلنے لگے۔ رفتہ رفتہ سکھ گُورو گوبند سنگھ کی مارشل اور کھتری کے خیالات سے آگاہ ہوتے گئے۔ بجائے اس کے کہ سکھ حسب معمول کپڑے، زیور، برتن، غالیچے اور سامانِ زندگی نذر کرتے، ہتھیار اور گھوڑے نذر کرنے لگے۔ گُورو گوبند سنگھ اس قسم کے تحفوں کو دیکھ کر بڑی خُوشی ظاہر کرتے تھے اور اس لئے سنگھ اس قسم کی نذروں کا دینا فخر سمجھنے لگ گئے۔ خیالات کی تبدیلی کے ساتھ کچھ کچھ سامان اسلحہ وغیرہ بھی آنا شرُوع ہو گیا۔

گُورو گوبند سنگھ نے فقیرانہ وضع کسی قدر بدل کر امیرانہ اور حاکمانہ وضع اختیار کر لی۔ صبح شام دربار کرتے تھے۔ تلوار ہر وقت کمر میں رکھتے تھے۔ خواہ باہر ہوں خواہ گوریائی کی گدی پر متمکن ہوں۔ پلٹا اور نیزہ بازی کے اکھاڑے کرتے تھے۔ ایشور

بھگتی اور پریم راگ کے ساتھ قومی جوش دلانے والے، خُون کو گرم کرنے والے، دِل کو اُبھارنے والے گیت اور کبت بھی اُس کے دربار میں پڑھے اور سُنائے جاتے تھے اور گُورو گوبند سنگھ اس طرف بہت دلچسپی لیتے تھے۔ خُود بھی جوش پیدا کرنے، ہمّت اُبھارنے، اور خُون میں حرارت پیدا کرنے والی نظم اور کبت وغیرہ ہر بحر مروّج میں کہتے تھے اور قریباً ۵۲ کوی (شاعر) اِس غرض سے مقرّر کئے ہُوئے تھے جو ہندُو شہیدوں اور بہادروں، آریہ سنتان کے یودھاؤں اور بیروں کے کارنامے پُرجوش اور اُبھارنے والی زبان میں بنا بنا کر سکھوں کو سُناتے تھے۔ بھاٹ ہمیشہ اُس کے دربار میں قومی جاہ و جلال اور بیر رس کے کبت اور گیت گایا کرتے تھے۔

گُورو گوبند سنگھ کے گرنتھ میں جو دسویں پادشاہی کا گرنتھ صاحب مشہُور ہے، ایک بڑا حِصہّ دیوی دُرگا اور راکھشوں کے جنگ سے پُر ہے جس کی زُبان کی بر جستگی اور الفاظ کی چُستی، طرزِ بیان کا زور اور اِشارات کا جوش اِس طریق سے بیان کیا گیا ہے کہ سردیوں میں بھی گرمی آجاتی ہے۔ چُونکہ اس گرنتھ صاحب میں ایک بڑا حِصہّ دیوی کے جنگ کے کارناموں سے مامُور ہے، اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے کہ گُورو گوبند سنگھ دیوی کے پجُاری تھے۔ مگر یہ غلط ہے۔ وُہ سوائے ایک نرنکار اور اکال ایشور کے اور کسی کی پُوجا نہ کرتے تھے اور نہ کسی دیوی دیوتا کی پُوجا جائز بتلاتے تھے۔ بلکہ اس کے برخلاف، ہمیشہ اُپدیش کرتے تھے۔ اِسمیں گرنتھ صاحب میں جو نظم رزمیہ مابین دیوی اور راکھشوں کے درج ہے، اِس دیوی کی تعریف اور بہادری کے کارناموں کا ذکر کرنے کا ایک اَور باعث ہے جس کو ہم بیان کرتے ہیں۔ دیوی کو اس جوش دار نظم میں

راکھشوں پر فتحیاب کرنے کے لئے ایک ہیرو فرض کیا گیا ہے اور دُشمن کے مقابلہ پر اِس ہیرو دیوی کی تعریف بہادری اور خُونخواری وغیرہ کی گئی ہے اور اس وجہ سے اس میں دیوی کی تعریف کی گئی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وُہ دیوی پُوجک تھے حالانکہ دیوی کو ہیرو بنانے میں مصلحتِ وقت متقاضی تھی اور ہیرو بنانے کی ضرُورت میں جیَساکہ ہُوا کرتا ہے، ہیرو کی تعریف اور توصیف بھی لازمی ہوتی ہے۔ ورنہ دیوی کے پجُاری ہرگز نہ تھے اور نہ اُس کی پُوجا کو کسی طرح قائم کرنا چاہتے تھے بلکہ ایک اکال پُرکھ ایشور کے بعد ایسے دیوی دیوتاؤں کو پُوجا کو گناہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اُس کی مذہبی اصلاح کا ذکر کرتے ہُوئے پہلے صفحوں میں ذکر کر آئے ہیں۔

لیکن باوجود اِن کے اس نظم میں جو دیگر شعرا کی بنی ہُوئی ہے اور سری مُکھ واک یعنی خُود گُورو گوبند سنگھ کا اپنا کلام نہیں ہے۔ دیوی کو ہیرو بنا کر بمقابلہ راکھشوں کے قائم کیا گیا ہے اور اُن کو میدانِ جنگ میں اگر خُونخواری کے نمُونے اور دیوی کی طاقت اور فتح کی مثالیں بیان کی گئی ہیں جیسا کہ دیگر قوموں پر چند مہابھارت اور رامائن کے واقعات سے کرشن اور رامچندر کی بہادریوں کے نمُونے زبردست دیش بھاشا نظم میں بیان کئے گئے ہیں۔ غرض تو یہ تھی کہ سکھوں کو جو شدار دیش بھاشا میں نظم کے پیرایہ میں اُبھارا جائے اور آئندہ معرکہ جنگ کے لئے تیار کیا جاوے اور محض بھکتی کے ساتھ اُن کے خیالات بھی گرم کئے جائیں۔ اگر کوئی ہیرو قرار نہ دیا جاتا تو بھی خیالی باتیں مشکل سے ذہن نشین ہوتیں۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ نے اُس نظم میں جنگ کا فتحیاب ہیرو دیوی کو قائم کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کیونکہ جس زمانہ میں اس کو کام کرنا پڑا تھا اور

جس ذخیرہ سے گُورو گوبند سنگھ نے اپنے اودیش کے لئے آدمی لینے تھے، وُہ سب کے سب دُرگا بھوانی کے پجُاری تھے۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ نے بڑی دُور اندیشی اور دانائی سے اپنی زبردست اور جوش پیدا کرنے والی نظم کا ہیرو دیوی کو بنایا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس باعث ہی سے وُہ بہت کچھ کامیاب ہُوئے لیکن ہم یہ ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ وُہ خُود دیوی کا بھگت تھا یا دیوی کے دھرم کو ایشور کے قدرتی دھرم کے مقابلہ میں زندہ رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس کی وجُوہ صاف ظاہر ہیں۔ وُہ دیوی کے معتقد فرقہ سے سنگھ نکالنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اکثر سنگھ اُس فرقہ سے لئے۔ لیکن کوئی سنگھ اُس کا آخر دیوی کا بھگت نہیں رہتا تھا بلکہ وُہ خالصہ دھرم میں داخل ہو کر صِرف ایک واہگُورو یعنی نرنکار ایشور کا بھگت ہو جاتا تھا۔

اگر گُورو گوبند سنگھ دیوی کا بھگت ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وُہ اس کو صاف اُپدیش نہ کرتا۔ حالانکہ صاف ظاہر ہے۔ حالات کے باوجود کہ وُہ دیوی کی معتقد جماعت سے اپنی جماعت پیدا کرتا تھا۔ لیکن کوئی سنگھ دیوی کا معتقد نہ رہتا تھا اور نہ اُس نے تمام خالصہ دھرم کی تعلیم میں دیوی پُوجا کی کوئی اہم رسم بھی داخل کی ہے۔ البتہ پاہل بذریعہ کٹار کی رسم کچھ دیوی پُوجک جماعت کی ہے۔ اُس کی جنم ساکھیوں کے لکھنے والوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وُہ دیوی کے پجاری تھے۔ لیکن یہ جنم ساکھی لکھنے والے صِرف خُود اعتقاد خیالی کہانیاں گھڑنے میں مزے لینے والی جماعت ہیں جو ہمیشہ بے تکے ہانکنا اور خُوش جینا جانتے ہیں۔ بھنگ کی ترنگ میں جو آیا کہہ ڈالا۔ ایسے ہی دوست شکل دُشمنِ دین ہمیشہ دھرم کی مسائل میں بیہُودہ باتیں داخل کرتے ہیں۔

اگر مصلحتاً کچھ تعریف کسی موقعہ پر دیوی کی خیالی نظم میں کی گئی ہے تو اس کو اس کے دیگر زندگی کے واقعات اور تعلیم سے تمیز کرنا چاہئے اور اس قسم کی تعریف کرنا کسی طرح قابلِ گرفت نہیں ہے کیونکہ وُہ اُس زمانہ کا نبض شناس تھا۔ جو علاج مُناسب نظر آیا استعمال کیا۔ ہم اتنی دُور بیٹھے ہُوئے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ایک خاص امر ہمارے خیالات کے پیمانہ سے نامناسب تھا۔

اس طرح اوّل مذہبی اصلاح کی بُنیاد گُورونانک دیو کے اصُولوں پر اور ایک ایشور کی پُوجا پر مستحکم کر کے اُس نے اپنے کام کا میدان اور مقام منتخب کیا اور جو مشکلات سدِ راہ تھیں، اُن کو ایامِ قیام پہاڑیوں میں اچھّی طرح سے سوچا۔ اُس نے سیاسی ترقّی کی بُنیاد پر اصُول قائم کئے یعنی اخُوّت اور قومیّت۔

گُورو گوبند سنگھ نے بُنیادی اُصُولوں کو کس طرح قائم کیا

پہلا بُنیادی اُصُول اخُوّت قائم کرنا تھا۔ اِس کے لئے اُس نے یہ قرار دیا کہ اوّل مختلف ذاتوں کو توڑ کر اُن کی خالص ایک ذات قومیّت کی بُنیاد پر قائم کر کے سب کے لئے یکساں معراج ترقّی کا اُن کے سامنے پیش کرے۔ چھوٹی بڑی ذات کی تمیز اُٹھا کر سب کو مساوی صِرف اِنسان کی ذات میں قائم کرے۔ مُختلف خیالات اور ذاتوں کے آدمیوں کو ایک مساوی سطح پر لا کر اُن میں ایک قومیّت کا خُون بھرے۔

دوم اُن کو یہ سکھایا کہ قومیّت قائم کرنے اور اُس کو زندہ رکھنے کے لئے قُربانیوں کی ضرُورت ہے اور کہ ایک معراج پر پہنچنے کی فرداً فرداً ہر شخص کو قومی اور

دیش ہت کے کاموں میں خُود غرضی کو چھوڑ کر مجموعی طاقت اور بل سے مل کر کام کرنا چاہئے۔ پہلا کام مشکل تھا لیکن دُوسرا کام اُس سے بھی زیادہ مشکل۔ پہلے کام میں بہت کچھ مزاحمت اور تکالیف کا سامنا تھا۔ ہزاروں سالوں سے ہندُوؤں میں ذاتوں کی تمیز ہو چکی تھی۔ جن کا آپس میں اکل و شرب، کھان پان، شادی و غمی، راہ و رسم نہ صِرف علیحٰدہ علیحٰدہ تھے بلکہ ایک دُوسرے کے مُخالف۔ آپس میں اُن کی سخت نفرت تھی۔ وُہ ذات کی قید اور رسموں کو مذہب سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور ذات کی قید کو نرم کرنے سے دھرم سے گر جانے کا احتمال تھا۔ ذات کی قواعد میں خفیف سی مداخلت سے شور اُٹھنے کا اندیشہ تھا۔ ہندُو ذات کی تمیز قائم رکھنے کے صدیوں سے خُوگر تھے۔ اِن میں دست اندازی کرنا آسان نہ تھا اور اس ضمن میں بڑا کٹھن کام یہ تھا کہ چھوٹی ذاتوں کو جن کو دوج ذات کے آدمی شُودر اور ملیچھ خیال کرتے چلے آئے تھے اور جن کو تمام ہندُو زمانہ میں بلند کرنے کا کسی کو خواب و خیال بھی نہ آیا تھا، اُن کو بڑی ذاتوں کے ہم پلّہ کر دیوے۔ گُورو گوبند سنگھ شُودروں اور نیچ ذات کے لوگوں کو جو غُلامی سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ بدتر غُلامی اور ذِلّت کی قید سے آزاد کرانے کے لئے بالکل تنہا تھا۔

گُورو گوبند سنگھ نے شُودروں کو غُلامی سے نکالتے ہُوئے ایک قدم آگے رکھا۔ جو شخص خالصہ دھرم میں داخل ہُوا، خواہ وُہ برہمن تھا خواہ شُودر، سب مساوی اور بھائی ہو گئے۔ جو کام بھارت کے یودھاؤں اور بیروں سے خود ایشور کے اوتاروں سے (اگر ہم ایشور کا اوتار ہونا بفرضِ محال مان بھی لیں) نہ بن پڑا وہ پنجاب کے ایک کھتری کے ہاتھوں سے بن پڑا اور سنور گیا جس کے دِل میں سچی محبت قومی کی اگنی جلتی تھی اور دیش

بھگتی کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

دُوسرا امر قوم کے لئے قُربانیوں کا مادہ افراد میں پیدا کرنے کا تھا۔ مُختلف گُورو اور مُختلف دیوتا، مُختلف اُصُول دھرم اور مُختلف اعتقاد، مُختلف زبانیں اور مُختلف اغراض وغیرہ میں کئی امُور ہندُوؤں میں خُود غرضی پیدا کرنے کا باعث ہُوئے تھے۔ ہر ایک اپنی اپنی خُود غرضی اور نفس پروری میں پڑا ہُوا تھا۔ ایک کی پرواہ دُوسرے کو نہ تھی۔ قومی کام کی طرف مطلق کسی کا دھیان نہ تھا اور نہ کوئی کام قومی کام سمجھا ہُوا تھا۔ لیکن تاوقتیکہ ہندُو افراد قومی ضرُورت، دیش کی احتیاج، ملک کے فائدہ مجمُوعی منافعہ پر جان دینے، بلہار ہونے اور قُربانیاں دینے کا سبق نہ سیکھتے، ناممکن تھا کہ ہندُو قوم کے قوم بنانے کا کٹھن کام راستہ پر آتا۔ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ نے ہندُوؤں میں یہ رُوح پھُونکی کہ قوم کی ترقّی ہر ایک ہندُو فرد کی قوم کے فوائد اور مجمُوعی منفعت کے لئے قُربانی پر منحصر ہے نہ کہ ذاتیات اور ذاتیات کی بزرگ دشت پر۔ چنانچہ اِن بُنیادی اُصُولوں کو قائم کرنے کے بعد گُورو گوبند سنگھ نے کام شرُوع کیا اور جو جو تکالیف سامنے آئیں، اُن کو خُوشی سے اپنی ذات پر سہارا اور جن واقعات نے آخر کار خالصہ دھرم کی بُنیاد پیدا کی۔ جن میں مذہبی اصلاح سے ایک ذات ایشور کی پرستش قائم کرنا، اخُوّت کا سلسلہ مربُوط کرنا اور قومیّت کا مادہ پیدا کرنا داخل ہیں۔ اِن کی تفصیل اجمالی آئندہ باب میں ذکر کرتے ہیں۔

خالصہ دھرم کی بُنیاد قائم ہونے سے پہلے کے چند واقعات

تفصیل اِن اجمال کی یہ ہے کہ گُورو کے ایام گوشہ نشینی میں آسام کا ایک شہزادہ

راجہ رتن رائے اُس کی زیارت کو آیا جس کو گورو خاندان سے نظرِ عقیدت تھی جو گورو تیغ بہادر کے مُلک آسام کی طرف جانے کے وقت پیدا ہوئی تھی۔ مجملہ دیگر تحائف کے اُس نے ایک ہاتھی گورو کی نذر کیا جس کا نام پرشادی تھا۔ گورو اِن ایّام میں زیادہ عرصہ شکار میں مصرُوف رہتے تھے اور اس کی رغبت دیکھ کر جنگجو سکھوں کی ایک کثیر جماعت اور بھیڑ بھاڑ اُس کے گرد جمع ہو گئی تھی۔ بڑی کرّو فر کی سواری نکلا کرتی تھی جب وُہ شکار پر جاتے تھے۔

اُس زمانہ میں دستُور تھا کہ نقارہ اُمرا سرکاری اپنے مکانوں پر رکھتے تھے اور شکار وغیرہ کے موقعوں پر ساتھ لے جاتے تھے۔ لیکن گورو گوبند سنگھ نے اپنی جماعت کی بھیڑ بھاڑ بڑھنے کے ساتھ ہی اپنے دربار میں نقارہ رکھنے کی ٹھانی۔ مصلحت اندیش آدمیوں نے گورو گوبند سنگھ کو بنظرِ دُور اندیشی اِس خیال سے باز رکھنا چاہا لیکن اُس نے نہ مانا۔ آخر اُن لوگوں نے گورو گوبند سنگھ کی ماتا سے کہہ کر اُس کو اِس سے باز رہنے کے لئے کہلوایا۔ چنانچہ والدہ نے بُوڑھے بزُرگوں کی طرح اُس کو سمجھایا اور کہا کہ تمہارے دادا نے بھی اِس قسم کے کاموں کے باعث بڑی مُصیبتیں اُٹھائی تھیں۔ گورو کا کام سپاہیانہ نہیں ہے بلکہ شانتی اور بھگتی کرنا ہے اور اُس کا اُپدیش اس لئے مناسب نہیں کہ آپ امیرانہ اور حاکمانہ طریقِ زندگی اختیار کریں۔ اِس پر گورو نے اپنی ماں کو جواب دیا کہ میں دادا کا پوتا ہُوں۔ مُجھے کسی کا بھی ڈر اور خوف نہیں ہے۔ ماتا تُم کہتی ہو کہ مَیں چھُپا رہُوں۔ اکال کہتا ہے کہ میں پرگٹ ہوؤں۔ اگر کسی راجہ نے کچھ تیور بدلے تو تلوار سے اُس کا جواب دُوں گا۔ مصلحتِ وقت کے لحاظ سے گورو کا یہ جواب مناسب

تصوّر نہ ہُوا۔ لیکن ایک نڈر اور بہادر قومی ناموری کو لئے ہُوئے دِل سے ایسے ہی جواب کی اُمید ہو سکتی ہے، ایک الوالعزم طبیعت سے ایسا ہی جواب ملنا قرینِ قیاس خیال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آخر کار نقارہ دربار میں رکھا گیا اور گُورو گوبند سنگھ شکار میں نقارہ ساتھ لے جانے لگا۔ اُس کی عادت کثرت شکار، اُس کا فوجی میلانِ طبع اور اسلحہ جمع کرنے کے خیالات سے گردو پیش کے بڑے چھوٹے زمیندار جو پہاڑی راجے کہلاتے تھے، کھٹکے ہُوئے تھے اور چُونکہ شکار کے باعث اُن کے علاقہ میں گُورو گوبند سنگھ عمُوماً آتے جاتے تھے، اِس لئے راجے اِس کو ناگوار سمجھنے لگ گئے تھے۔ لیکن نقارہ کی چوٹ نے اُن کو اَور بھی زیادہ چوکنا کر دیا۔ چنانچہ وُہ گُورو گوبند سنگھ کے ساتھ تنازعہ قائم کرنے کا موقعہ تلاش کرنے لگے۔

اِتفاق اَیسا ہُوا کہ راجہ بھیم چند کہلور یہ والئے بلاسپُور نے تنازعہ کا سلسلہ پیدا کیا اور گُورو گوبند سنگھ سے پرشادی ہاتھی اپنے واسطے مانگا۔ گُورو گوبند سنگھ نے انکار کیا۔ ہر چند گُورو کو اُس کی والدہ اور دیگر لوگوں نے کہا کہ ہاتھی دیکر صلح کر لینا ہی مناسب ہے مگر گُورو گوبند سنگھ نے آخر تک ہاتھی دینا گوارہ نہ کیا اور آخر دونوں کی آپس میں شکر رنجی ہو گئی۔ کرپال ایک اور پہاڑی راجہ نے بھیم چند کو اُکسایا اور اُس نے گُورو گوبند سنگھ کو پیغام بھیجا کہ گُورو اُس کے علاقہ سے باہر چلا جائے۔ گُورو گوبند سنگھ تو اِس کا تلوار کے ساتھ فیصلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا لیکن میدنی پرکاش راجہ ناہن نے اپنے آدمی بھیج کر گُورو گوبند سنگھ کو اپنے ہاں بُلوا لیا اور اس طرح گُورو گوبند سنگھ کا پہلا موقعہ تلوار نیام سے باہر نکالنے کا جاتا رہا۔ بعض مؤرّخ یہ کہتے ہیں کہ ناہن جانے سے پہلے گُورو گوبند

سنگھ اور بھیم چند میں تلوار چلی اور فتح گُورو گوبند سنگھ کی رہی۔ خواہ کچھ ہُوا، گُورو گوبند سنگھ آخر بھیم چند کے علاقے سے ناہن چلا گیا۔

راجہ ناہن کے علاقہ میں بماہ کاتک سمت ۱۷۴۱ ایک گاؤں آباد کر کے وہاں ایک قلعہ بنوایا جس کا نام پاؤنٹہ رکھا۔ اِس اثنا میں چند افغان سرداران کالے خاں، حیات خاں اور نجابت خاں اور بھیکھن خاں اورنگزیب کے زیرِ عتاب کسی راجہ یا نواب کی پناہ میں جانے کے لئے سعی کر رہے تھے۔ لیکن اُن کو پناہ دینے کی جُرآت کوئی نہ کر سکتا تھا۔ مگر سیّد بُدھو شاہ کی سفارش پر گُورو گوبند سنگھ نے اُن کو اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ اگرچہ حوصلہ اور جُرآت کا کام تو تھا اور گُورو گوبند سنگھ جیسے دِل و گُردہ کے آدمی سے ایسا ہونا کوئی تعجب خیز معاملہ نہیں تھا لیکن حزم اور مصلحتِ وقت کے بر خلاف تھا۔ اس کا نتیجہ اور طرح بھی بہتر مرتّب نہ ہُوا۔ اس عرصہ میں راجہ بھیم چند اپنے پسر کی بارات راجہ فتح شاہ والئے سرینگر کے ہاں لے گیا اور اُس شادی کی تقریب میں راجہ فتح شاہ کے ہاں گُورو نے اپنے دیوان نند چند کی معرفت کچھ تحفے بھیجے۔ لیکن بھیم چند نے اس پر اظہارِ ناراضگی کیا اور فتح شاہ نے اپنے سمبندھی کے گُورو کے تحائف لینے سے انکار کر دیا اور دیوان نند چند اپنا سا مُنہ لے کر واپس آ گیا۔ اِس سے مابین اُن دو راجوں اور گُورو گوبند سنگھ عداوت کا دائرہ وسیع ہو گیا اور راجہ بھیم چند نے بنظرِ احتیاط راجگان کرپال چند کٹوچیہ، کیسری چند جسووالیہ، سُکھدیال جسروٹیہ، ہری چند ہنڈوریہ، پرتھی چند ڈڈوالیہ، فتح شاہ سرینگر کو گُورو گوبند سنگھ کے مخالف اپنے شاملِ کار کر لیا اور وقتاً فوقتاً گُورو گوبند سنگھ کو مختلف بہانوں سے ستانے اور دِق کرنے لگے۔

اُن راجوں نے مل کر متفقہ طاقت سے بسا کھ سمت ۱۷۴۲ میں گُورو گوبند سنگھ پر اپنی فوج لے کر حملہ کیا۔ اُس وقت گُورو گوبند سنگھ کی عُمر قریباً ۱۹ سال کی تھی اور دُنیا کا تجربہ کافی نہ تھا۔ بھیم چند کی افواج مُشترکہ کے مقابلہ میں اپنی مُختصر ناکار آزمُودہ جنگ جماعت کو لے کر میدان میں آیا۔ لیکن ابھی خفیف لڑائی شرُوع ہُوئی تھی کہ پانچ سَو اُداسی سادُھو جو ہر روز حلوہ کھا کر پلے تھے، کترا کر الگ ہو گئے اور مُسلمان پناہ گزین کالے خاں وغیرہ نے بھی گُورو کے ساتھ عین معرکہ جنگ میں دغا کر کے راجوں کے ساتھ سازش کر لی اور گُورو گوبند سنگھ کو میدان میں چھوڑ کر راجوں کی فوج میں شامل ہو گئے۔ سیّد بُدھُو شاہ جس کی سفارش پر کالے خاں وغیرہ گُورو گوبند سنگھ کی مُلازمت میں داخل ہُوئے تھے، اُن کی نمک حرامی اور دغابازی کا حال سُن کر گُورو کی مدد کو پہنچا۔ چنانچہ تین دن تک جمنا اور گری ندی کے درمیان میدان میں خُوب رن پڑا۔ گُورو گوبند سنگھ خُود اپنے بے قاعدہ اور بے سروسامان فوج کے ہراول رہا۔ گُورو گوبند سنگھ کی یہ جماعت ناکار آزمُودہ تھی اور نا آراستہ۔ اکثر جماعت معمُولی کاروباری آدمی یعنی خُوش اعتقاد سکھ تھے جو فُنونِ جنگ سے محض نا آشنا اور لڑائی کے ہُنر سے بالکل ناواقف جن میں سے اکثر فنِ جنگ سے نا آشنا فقرا اور دیگر گدا گوشہ نشیناں تھے۔ چنانچہ جو فہرست مشہُور ہمراہیانِ جنگ کی اب تک جنم ساکھیوں میں چلی آتی ہے، اُن میں ایک نام لال چند حلوائی کا بھی ہے۔ اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کے پہلے سیوک کس قماش اور رخت کے لوگ تھے۔ آپ کا دیوان نند چند اور ماموں کرپال چند بھی اس لڑائی میں شامل تھے۔

بھلا حلوائیوں اور حلوہ خوار اُداسیوں سے کہیں میدانِ رزم جیتے جاسکتے ہیں؟ اُداسی کھاپی کر چلتے بنے اور حلوائی جی میدان میں حلوہ ہو رہے۔ البتہ خُود گُورو گوبند سنگھ اور اُس کے چند جاٹ سکھوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ خُود گُورو نے نہایت جُراُت اور سینہ سپر دلیری سے مقابلہ کیا اور ایسے ہاتھ چلائے کہ دُشمن حیران ہو گیا۔ راجہ ہری چند نے گُورو کے گھوڑے کو زخمی کر دیا مگر وُہ گُورو گوبند سنگھ کے اپنے ہاتھ سے مارا گیا۔ راجہ کیسری چند اور سکھدیو بھی زخمی ہُوئے۔ آخر کار باوجُودیکہ گُورو گوبند سنگھ کی جماعت کمزور تھی مگر ایسے جان توڑ کر لڑے کہ پہاڑی راجوں کے سپاہیوں کے دِل ٹُوٹ گئے اور چھکّے چھُوٹ گئے اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔ محض حُسنِ اتفاق سے یہ میدان گُورو گوبند سنگھ کے ہاتھ رہا۔

اِس میں شک نہیں کہ اِس لڑائی میں مُسلمان ملازمین کی دغابازی نے جن کو باوجُودیکہ گُورو گوبند سنگھ نے آڑے وقت پر اپنے دامنِ امن اور سایۂ عاطفت میں لیا تھا، اور اُداسی سادُھوؤں کی بُزدلی سے میدانِ جنگ سے بھاگنے کے تجربہ نے گُورو گوبند سنگھ سے وُہ کام کرایا جو اور صُورتوں میں ہونا قرینِ قیاس نہیں تھا۔ یعنی خالصہ دھرم کے ذریعہ سے نیا جنگجُو فرقہ پیدا کرنے کا خیال اگر پہلے تھا تو اُس کو پُختہ کرنے کا ذریعہ یہ واقعات ضرُور ہُوئے کیونکہ گُورو گوبند سنگھ کو بخُوبی اور نہایت قیمتی تجربہ حاصل ہو گیا۔

اہلِ دُنیا کی کیا حالت ہے۔ قوم کو پھر کھشتر تا کی طرف مائل کرنے کے لئے اِن میں بل بیرج پیدا کرنے، قومیّت کی شیرازہ بندی لگانے اور ہندُوؤں میں کوئی ایک مقصد یا معراج قائم کرنے کی کس قدر ضرُورت ہے۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ کے

ہاتھوں سے ہندُوؤں کے لئے ایسا مہان اور عظیم کام بن پڑا کہ ہندُو حالت کا نقشہ ہی کچھ اَور کا اَور ہو گیا اور منتشر و ذلیل قوم پھر ایک قوی قوم بن کر نکلی جس نے ہندُوؤں کی ڈُوبی ہُوئی عِزّت، کھوئی ہُوئی حمیت کو پھر سنبھال لیا اور اہلِ دُنیا کی بہادر قوموں کا ہم پلّہ بن کر اپنے بل اور شجاعت کی سگندھی وُسعت گاہ عالم میں پھیلا دی۔

غرض اس معرکہ کے بعد گُورو گوبند سنگھ کی جماعت فتح کا نقارہ بجاتے ہُوئے پاؤنٹہ میں واپس آئی۔ یہاں آکر گُورو گوبند سنگھ نے بُدھُو شاہ کو جس کا بیٹا گُورو کی طرف سے لڑتا ہُوا میدانِ رزم میں کام آیا تھا، ایک دستار اور بقول بعض کے اپنی نصف دستار اور ایک سند عطا کی جس کے باعث سنگھ اب تک اس خاندان کو عِزّت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اِس لڑائی کے ایک ماہ بعد گُورو پاؤنٹہ سے چل کر آنندپُور اپنے پہلے مسکن پر آئے۔ اِس قصبہ کو اس کے بزُرگوں نے زمین خرید کر آباد کیا تھا اور چند چھوٹے چھوٹے قلعے بنوائے۔ یعنی لوہ گڑھ کا قلعہ، آنندپُور، ہول گڑھ اور فتح گڑھ کے قلعے۔ جن کا بنانا غالباً اس وجہ سے تھا کہ پہاڑی راجے اگر دوبارہ اِس کی جماعت پر حملہ کریں تو یہ قلعے حفاظت کا کام کریں۔ اسی سال میں راجگان پہاڑی پر صُوبیدار سرہند کی ایک دستہ فوج نے زیر کمان الف خاں وغیرہ اس غرض سے حملہ کیا کہ راجوں نے شہنشاہ دہلی کو خراج ادا نہیں کیا تھا۔ پہاڑی راجوں نے بجائے خراج ادا کرنے کے فوج شاہی کا مقابلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ راجہ بھیم چند نے اِس نازک وقت میں گُورو گوبند سنگھ سے صُلح کی التجا کی اور گُورو نے اُس کے پہلے قصُوروں کو درگزر کر کے اُس کا ساتھ دینا مان لیا۔

گُورو گوبند سنگھ کا پہاڑی راجوں کی امداد میں افواج شاہی کا مقابلہ کرنا

گُورو گوبند سنگھ نے اپنے ذاتی دُشمن سے اتنی جلدی صُلح کر لینے میں اُس قومیّت کے خیال کو ہی سامنے رکھا جس کے لئے وُہ ساری کوششیں کر رہا تھا کیونکہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہ تھا کہ وُہ مُسلمانوں کی طرف ہو کر ہندُووٴں کو پامال کرے کیونکہ جو دِل ہندُووٴں کے لئے اور ہندُووٴں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا گیا ہو، جس دِل میں سوائے ہندُووٴں کی بہبُودی کے اَور کچھ نہ ہو، اُس دِل سے کس طرح توقّع ہو سکتی تھی کہ وُہ ہندُووٴں کے بر خلاف اور خصُوصاً مُسلمانوں کا ساتھ دے کر ہندُووٴں کی بربادی چاہے۔ اگر گُورو گوبند سنگھ کنارہ کش رہتا تاہم اِس کے اِس اپنے اُپدیش پر داغ لگتا کہ وُہ ہندُووٴں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ذلیل ہوتا ہُوا دیکھے اُس کا محبت قومی سے بھرا ہُوا دِل برداشت کرنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اِس لئے اُس نے خُوب سوچا کہ بھیم چند کے ساتھ دُشمنی کو چھوڑ کر ہندُو ضرُورت کے لئے صُلح کرے اور اُس کا ساتھ دے۔ چنانچہ گُورو گوبند سنگھ نے اُس کے ساتھ آشتی کر لی اور اپنی جماعت میں سے پانچ سو سوار اور پیادے زیر ماتحتی دیوان موہری چند اور دیا رام روانہ کئے۔

قضا کار دستہ شاہی کو شکست ہُوئی۔ اِس کے بعد تین سال تک امن رہا اور گُورو گوبند سنگھ کو کوئی موقعہ ایسا پیش نہ آیا کہ تلوار پر ہاتھ بڑھانے کی ضرُورت ہو۔ اِس عرصہ میں گُورو گوبند سنگھ اپنے خیالات اور تجربہ کو پُختہ کرنے اور آئندہ مشن کیلئے تیاّری کرنے میں مصرُوف رہا اور ایشور بھگتی اور رُوحانی اُپدیشوں سے بھی اپنے سکھوں

کی پیاس بجھاتا رہا اور اُن کے دلوں میں گرم خُون بھی بھرتا رہا۔

ماہ بھادوں سمت ۱۷۴۵ میں پھر صُوبہ لاہور نے راجگان پہاڑی کی سرکوبی کے لئے ایک دستہ فوج روانہ کی اور ایک علیحدٰہ دستہ گُورو گوبند سنگھ کے مقابلہ میں زیرِ کمان رُستم خاں روانہ کیا گیا۔ لیکن چُونکہ بوجہ برسات ندیاں چڑھی ہُوئی تھیں اس لئے سخت بارش اور طُوفان میں رُستم خاں نے وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور بغیر لڑے بھِڑے واپس چلا گیا۔ جو نالہ اُس وقت سامنے تھا، اُس کو سکھوں نے حمایتی نالہ کا نام دیا اور اُس کو نواح میں اب تک اِسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن رُستم خاں نے پہاڑی راجوں پر کچھ عرصہ بعد جب اُس کو کمک پہنچ گئی، حملہ کر دیا۔ اِس دفعہ بھی دستہ شاہی کو شکست ملی۔ اِس لڑائی میں کہا جاتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کے بھی تین سَو آدمی زیرِ حُکم بھائی سنگیتہ شامل ہُوئے تھے۔

آخر اورنگزیب کو اس حِصّہ پنجاب کی سرکشی کے لئے اپنے پسر معظّم شاہ کو بھیجنا پڑا۔ معظّم شاہ خُود تو لاہور چلا گیا لیکن اپنے ایک امیر مرزا بیگ کو ایک بڑی فوج کا سردار مقرّر کر کے، پہاڑی راجوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اِس سردار نے اکثر پہاڑی راجوں کو مارا لتاڑا، عام تاخت و تاراج کیا، گاؤں اور آبادیاں ویران کر دیں اور بہت طرح سے آدمیوں کو بے عِزّت اور رُسوا کیا۔ گُورو گوبند سنگھ اِن ایّام میں اپنے پہاڑی مسکن پر مقیم رہا۔ لیکن مُسلمانوں نے اُس کے گاؤں آنندپُور کو لُوٹ لیا۔ اِن تمام واقعات کو خُود گُورو گوبند سنگھ جی نے 'وچِتّر ناٹک' میں بیان کیا ہے۔

گُورو گوبند سنگھ کا دیوی پرگٹ کرنے کا قِصّہ

جب گُورو گوبند سنگھ اپنے ایّام قیام پہاڑی میں اپنے آئندہ کام کی تیاّری اور مصالحہ جمع کر رہے تھے تو وہاں پنڈتوں نے گُورو گوبند سنگھ کو ذہن نشین کرایا یا گُورو گوبند سنگھ نے مصلحتِ وقت دیکھ کر اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں، دیوی پُوج جماعت کو اپنی طرف رجوع کرنے کے لئے اُس نے پنڈتوں کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ ایک خاص یگیہ اور ہون کیا جاوے جس کے ذریعہ دیوی کو پرگٹ کر کے اُس سے دُشمنوں کے پامال کرنے کی برکت حاصل کی جائے۔ چنانچہ مالکار پہاڑ پر یگیہ کرنے کا سامان جمع کیا گیا اور اُس یگیہ کو سرانجام دینے کے لئے بنارس سے چند مشہُور پنڈت بُلوائے گئے۔ چنانچہ کالیداس اور کیشوداس دو پنڈتوں کا نام روائتوں میں زیادہ مشہُور چلا آتا ہے۔ اُن کے ساتھ پنڈت بشمبر داس بھی اِس یگیہ کے اہتمام پر تعینات تھے۔ جب ہون کئی یوم تک ہوتا رہا اور دیوی پرگٹ (ظاہر) نہ ہُوئی، جیسا کہ برہمنوں کا دعویٰ تھا، تو برہمنوں نے یہ ادعا کیا کہ دیوی اُس وقت تک پرگٹ نہ ہو گی جب تک کوئی مہاتما اُس کُنڈ میں دیوی کی قُربانی نہ کیا جاوے۔ اِس پر گُورو گوبند سنگھ نے مُسکرا کر پنڈتوں کو کہا کہ اُن سے زیادہ بڑا مہاتما کون ہے اور کہاں ملے گا۔ بہتر ہے کہ کسی پنڈت کو ہی دیوی پر بلیدان کیا جائے۔ یہ سُن کر بقول ایک روایت پیشاب کے بہانہ سے اور بقول دُوسری روایت اشنان کے بہانہ سے پنڈت وہاں سے کھسکتے بنے اور یگیہ وہاں کا وہاں ہی رہا۔

ایک روایت سب سے عجب یہ ہے کہ جب پنڈت یگیہ ہون کو ادُھورا چھوڑ کر

چلے گئے تو گُورو نے باقی بچی ہُوئی سامگری کو یکلخت ہون کُنڈ میں ڈلوادیااور اُس سے ایک بڑابُلند شعلہ پہاڑ پر پیدا ہُوااور لوگوں نے خیال کیاکہ واقعی دیوی پرگٹ ہُوئی ہے۔

لیکن یہ تمام روائتیں غلط معلُوم ہوتی ہیں۔ محض خُوش اعتقاد لوگوں نے جہالت کا سہارا لیکر یہ کہانیاں گھڑی ہیں اور یہ کہانیاں اُس نظم کی بُنیاد پر ہیں جو گُورو گوبند سنگھ کے دسم گرنتھ میں مَوجُود ہے جس میں دیوی کو ہیرو بنا کر میدانِ جنگ کے نقشے کھینچے گئے ہیں۔ ورنہ کجابرہمنوں کا ہون اور اُس میں دیوی کا پرگٹ ہونا۔ کیونکہ گُورو گوبند سنگھ کی تمام تعلیم کے یہ خلاف معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ دیوی کا اس قدر معتقد یاکم سے کم اُس کے وجُود کا بھی قائل ہو۔ البتّہ یہ بالکل قرینِ قیاس معلُوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو کہ پہاڑ پر ہون کُنڈ بنواکر بہت جلنے والی اشیاء اُس میں ڈلواکر ایک ایسا شُعلہ اُٹھایا گیا ہو جو دُور تک لوگوں کو دکھایا گیا ہو تاکہ اُس کو دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیاکہ واقعی گُورو کے پاس کوئی دیوی یا دیوتا قابُو آگیا ہے۔ اور کہ دُشمنوں پر فتح گُورو کی ضرُور ہوگی۔ اس تدبیر سے گردونواح کے جاٹ وغیرہ اِس کے کام میں رغبت سے شامل ہونے شرُوع ہوگئے۔ اگرچہ اس کے لئے بھی قرینِ قیاس دلائل مَوجُود نہیں ہیں۔ لیکن چُونکہ یہ روائت چلی آتی ہے اور اگر یہ روائت ٹھیک ہو تو اِس کو حکمتِ عملی پر مبنی کرنا چاہئے جو جنگ کے لئے آمادہ کرنے کو مستعمل ہُوئی۔

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے اور نہ دیگر واقعات کی مَوجُودگی میں یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ گُورو دیوی کی پرستش کرتے تھے یا اِس کی اجازت دیتے تھے۔ ایسی حکمتِ عملیاں جنگ کے موقعوں پر دیگر لوگوں نے بھی کئی دفعہ برتی ہیں اور تواریخ میں ایسی

کئی شہادتیں ملتی ہیں۔ سیاسی دُنیا میں اگر واقعی ایسا ہُوا ہو تو یہ گُورو گوبند سنگھ کا پہلا پیش خیمہ تھا، اس خالصہ دھرم کے لئے جس کے لئے وُہ تیاری کر رہا تھا۔ اس لئے خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھنے میں دیوی کو اپنے اصُولوں میں مطلق داخل نہیں کیا۔ خالصہ دھرم کے بُنیادی اصُولوں میں دیوی کی پرستش یا کسی دیگر اوتار یا مخلُوق وغیرہ کی پرستش کو بالکل رفع دفع کر دیا اور اس کے بعد کبھی بھی منجانب گُورو گوبند سنگھ اِس قسم کی کوشش یا رغبت نہیں پائی جاتی جس سے نتیجہ نکال سکیں کہ کسی مخلُوق دیوی دیوتا کی پرستش کو وُہ جائز سمجھتا تھا۔ اب جن بُنیادی اُصُولوں پر خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھی گئی ہے، اُس کی تفصیل آئندہ باب میں درج کی جاتی ہے۔

خالصہ دھرم کی بُنیاد

گزشتہ اوراق میں جس قدر واقعات لکھے گئے ہیں، اُن سے معلُوم ہوتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کو ایسے آدمی پیدا کرنے کی ضرُورت تھی جو اخلاق اور مذہب میں بمقابلہ ایک خُدا پرست قوم کے کم پکے نہ ہوں۔ جنگجُوئی کی خصلت کے ساتھ قومی محبت اور اخُوّت کا مادہ رکھتے ہُوئے دھرم اور دیش کے لئے قُربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ گُورو گوبند سنگھ سلسلہ بہ سلسلہ دس درجوں میں ایک درویش گوشہ نشین تھے اور اُن کا پوِتر مشن صرف رُوحانی اُپدیش تھا لیکن زمانہ کی ضرُورت نے اور مُسلمانوں کی غارتگری اور بیدادی اور ہندُوؤں کی ذلیل حالت نے اُس کو درویشی حالت سے امیرانہ حالت میں جانے پر مجبُور کیا۔ اور پہاڑی راجوں کی مخالفت نے میدانِ جنگ کا

دروازہ اُس کے سامنے کھولا۔ اُس نے خود کبھی مُسلمانوں یا پہاڑی راجوں کو کوئی موقعِ شکائت نہیں دیا۔

لیکن چونکہ گُورو گوبند سنگھ مارشل سپرٹ پیدا کرنے میں لگا ہُوا تھا اس لئے بد ظن ہو کر اُس کو ستایا گیا اور اُس نے مجبوراً اور بہت ہی قبل از وقت اور تیاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ تمام ہندُوؤں کی حالت وُہ تھی جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اُس نے مَوجُودہ صُورت میں کام نکالنا مشکل خیال کیا۔ اِس لئے اَیسے آدمیوں کے پیدا کرنے کی اُس کو ضرُورت محسُوس ہُوئی جو پُرانے کھتریوں کا نمُونہ ہوں اور جانبازی کو دیش اور دھرم کے لئے ایک پوِتر دھرم خیال کریں۔ چنانچہ اُس نے اپنی تمام تر کوشش اِس طرف مرکُوز کر دی اور اپنی کمال توجّہ اس نکتہ پر لگائے رکھی تاوقتیکہ وُہ ہندُوؤں کو کسی ایک مقصد اور مدُعا مشترک کی طرف راغب نہ کرتا۔ مُختلف ہندُوؤں کا ایک بننا از بس مشکل تھا۔ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ نے دو مقصد سامنے رکھ کر خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھی۔ ایک تو مختلف ہندُو آپس میں مل کر ایک ہو جائیں دُوسرا حکومتِ اسلام کو ہندوستان کی حدُود سے باہر کرنا اُن کا مقصد اور معراج ہو۔ گُورو گوبند سنگھ کا مذہب اسلام کے خلاف جہاد کا منشانہ تھا اور نہ اِس بارے میں اُس نے کوئی کوشش کی۔ مگر وُہ مُسلمانِ ہندوستان کے مظالم اور بیدادیوں کو دیکھ کر اُن کی پولیٹیکل طاقت کو کمزور کرنا اوِر اُن کو ہندوستان سے باہر کرنا چاہتا تھا۔ اَور یہی اُس کا خالصہ دھرم کے رکھنے کا باعث تھا کیونکہ ہندُوؤں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وُہ کسی ایسی زبردست قوم کے ساتھ مذہبی جہاد قائم کر سکیں جیسا کہ مُسلمان قوم تھی اور نہ اس سے گُورو گوبند سنگھ کو

کوئی قومی مفاد تھا۔ اُس کی غرض ہندوستان میں مُسلمانوں کی پولیٹیکل طاقت توڑنے کی تھی اور اس کام کے لئے ہندُوؤں میں نئے طریق سے ہِمّت کی رُوح پھُونکنا چاہتا تھا۔ اُس کی اپنی گزشتہ زندگی کے تجربے بھی اس کے لئے اِس تحریک کا باعث تھے کہ ہندُوؤں کا پرانا لباس مارشل سپرٹ کا اس قدر پرانا ہے کہ اسمیں بخیہ یا مرمّت کر کے یا کاہ گل لگا کر کام نکالنا مشکل ہے۔ اِس لئے از سرِ نو لباس کی ضرُورت ہے۔ اس لئے گُورو گوبند سنگھ نے سوچا کہ اِن کو ایک ایسے لباس سے ملبُوس کیا جائے کہ بجائے خُود غرضی اور کاہلی و بے ہِمّتی کے وُہ لباس قومی سپرٹ، دیش بھگتی کی محبت اور شجاعت کا نشان ہو جاوے اور ایک ایسی جماعت اِس طریق سے پیدا کی جاوے کے جس کا دھرم بھارت دیش رکھشا اور ہندُو دھرم رکھشا ہو اور بس اس کام کی بُنیاد رکھنے کا موقع آخر گُورو گوبند سنگھ نے نکال ہی لیا۔

چنانچہ ایک دِن بماہ بساکھ سمت ۱۷۵۶ بروز بساکھی گُورو نے اپنے پِوتر اودیش کو مکمل کرنے کے لئے یعنی خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھنے کے لئے اپنے سکھوں کی ایک بڑی جماعت کو ایک میدان میں جمع کیا۔ جو پہلے بہت دُور دراز فاصلہ سے اس مقصد کے لئے مدعو کئے گئے تھے۔ اِس میدان میں گُورو نے ایک خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔ جب سکھ جوق در جوق وہاں آ چکے تو گُورو گوبند سنگھ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر سکھوں کی طرف مخاطب ہُوئے اور کہا کہ مجُھے اکال پُرکھ کی آگیا ہُوئی ہے کہ میں ہندُو دھرم کی رکھشا کے لئے پہلا بلیدان اپنے ایک سکھ کے سر کا کرُوں تا کہ اس کا لہُو ہندُو دھرم اور دیش کی رکھشا کے لئے آئندہ سکھوں کے لئے اور آئندہ سکھوں کا لہو چھڑکنے کے واسطے ایک زندہ نشان

ہو۔ اس لئے اگر کوئی سکھ اس مجمع میں سے اپنا بلیدان بھارت دیش اور ہندُو دھرم کی رکھشا کے لئے گُورو کی نذر اور نثار کرنا چاہتا ہو، تو وُہ میرے سامنے آئے تا کہ اُس کا سر کاٹ کر قومی زندگی کے جسم میں خُون ڈالا جائے۔ یہ سُنتے ہی ایک سکھ دیا سنگھ کھتری ساکن لاہور نے فوراً گُورو کے سامنے آکر دست بستہ کہا کہ وُہ حاضر ہے۔ اس کا سر ایسے پوِتّر کام کے لئے بلا عذر مَوجود ہے۔ وُہ گورو کے لئے اپنے شریر کا بلیدان کرنا فخر سمجھتا ہے۔ گُورو نے اُس کا بازُو پکڑا اور خیمہ کے اندر لے گئے۔ خیمہ کے اندر تلوار کی زوردار ضرب کی آواز آئی اور تھوڑی دیر میں خیمہ کے اندر سے خُون باہر آنے لگا۔ باہر والوں کو یقین ہو گیا کہ دیا سنگھ کا سر تن سے جُدا کیا گیا ہے۔ گُورو گوبند سنگھ خُون آلُودہ تلوار لہراتے ہُوئے باہر نکلا اور کہا کہ ابھی ایک اور سر کی ضرُورت ہے۔

چنانچہ دھرم سنگھ جاٹ ساکن ہستناپور نے اپنے تئیں پیش کیا۔ گورو اس کو بھی خیمہ کے اندر لے گئے اور پہلے کی طرح عمل کیا اور پھر تین دفعہ اور اسی طرح ایک ایک سر کی ضرُورت بیان کی اور باری باری ہمّت سنگھ قوم کمہار، محکم سنگھ چھینبا (گاذر) اور صاحب سنگھ حجام نے اپنا سر نذر کیا۔ گورو اِن کو بھی خیمہ کے اندر لے گئے اور پہلے کی طرح عمل کیا۔

وُہ ایسے تھے کہ اُن کی مثال ڈھونڈنا محال ہے۔ صِرف اپنے گورو کی زبان پر اپنے شریر اور زندگی قوم کے لئے نثار کرنے پر تیار ہو گئے۔ زندگی کو ہیچ سمجھا اور زندہ قُربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ وُہ ہندُو دھرم کے اور بھارت دیش کے حقیقی اور پریمی سکھ تھے۔ حُب اُلوطنی کا نمُونہ تھے۔ مہان آتما تھے کہ اپنے شریر کو اپنے دیش بھائیوں کے

لئے قُربانی کرنے کی لیاقت اُن میں تھی۔ اُنہوں نے اپنے خُون سے ہندُو قوم کی شکستہ ہڈیوں کی مرمّت کی۔ مہابلی تھے کہ قوم کی منفعت کے لئے موت کو ہیچ سمجھتے تھے اور اِسی قسم کے شُور بیر اور جان سے بے پروا آدمیوں سے دیش کے اُدّھار اور بھارت کی خلاصی کی گورو گوبند سنگھ کو توقّع ہو سکتی تھی۔

اس عجیب طریقہ سے کام شرُوع کرنے کیلئے گورو گوبند سنگھ کے سامنے دو امر تھے۔ ایک تو یہ معلُوم کرے کہ آیا سکھوں میں قومی اغراض اور دیش بھگتی کے لئے قُربانی کا مادہ کہاں تک مَوجُود ہے اور اس کی مُدّت کے اُپدیشوں اور محنتوں نے کیا ثمرہ پیدا کیا ہے اور کہ آیا سکھ اس قابل ہُوئے ہیں یا نہیں کہ خُوشی خُوشی دُوسروں کے لئے جان پر کھیلیں۔ گُورو کے سکھ اس امتحان میں پُورے اُترے۔ اُس نے پانچ سکھ مانگے۔ پانچوں نے چشمِ زدن میں گردن گُورو کی تلوار کے نیچے جھکا دی۔ اگر تمام سکھوں کو یہ حکم ملتا تو وُہ گردن دینے سے ہر گز دریغ نہ کرتے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ نے کس محنت اور جانفشانی اور کس دلسوزی اور محبت سے کام کیا کہ ایسے جانباز سکھ پیدا کر دیئے۔ اور اپنی محنت کو بارور دیکھ کر گُورو گوبند سنگھ کو جو خُوشی حاصل ہُوئی ہو گی، وُہ بہ نسبت بیان کے قیاس میں زیادہ آ سکتی ہے۔

دُوسرا یہ امر سکھوں کے ذہن نشین کرانا تھا کہ دھرم اور دیش کا کام اُس قسم کے آدمیوں سے سر انجام ہو گا جو اپنے لہُو سے اُن کو بل اور طاقت دیں گے۔ اس کا امتحان سکھوں کے آئندہ کارناموں سے کرنا چاہیئے جو اس خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھنے کے بعد گُورو گوبند سنگھ کی زندگی میں یا اس کے بعد وقُوع میں آئے۔

اِس کے بعد گُورو گوبند سنگھ اُن پانچ سکھوں کو خیمہ سے باہر لائے اور کیس گڑھ کے قلعہ میں عام دربار لگا کر اُن پانچ سکھوں کو مسلّح کر کے اور خُود بھی مسلّح ہو کر دریا کا پانی منگوایا۔ اُس کو لوہے کے برتن میں ڈالا۔ اُس میں میٹھا ڈال کر اُس کا شربت تیار کیا۔ اوّل جپ جی صاحب کا پاٹھ کیا اور پھر اپنا کھنڈا یا کرپان (کٹار) اس شربت میں پانچ دفعہ پھیر کر اس کا نام امرت رکھا اور اُس میں سے پانچ دفعہ کچھ امرت اپنی کٹار کے مُنہ پر اُٹھا کر اپنے مُنہ میں ڈالا اور پھر پانچ دفعہ وُہ امرت اپنے سکھوں پر چھڑکا۔ اور پھر پانچ پانچ چُلّو اُن سکھوں کو پلائے اور ہر چُلّو پر خُود بھی اور پانچ سکھ بھی 'واہگورو جی کا خالصہ واہگورو جی کی فتح'، یہ آواز بُلند کہتے رہے۔ اس رسم کا نام پاہُل رکھا۔ اس پنتھ کا نام خالصہ اور دھرم کا نام خالصہ دھرم رکھا۔ اُن پانچ سکھوں کو سنگھ کا خطاب نام کے بعد ایزاد کرنے کا حکم دیا اور اُسی وقت امُور ذیل خالصہ دھرم کے بُنیادی اُصُول قرار دیئے۔

خالصہ دھرم کے بُنیادی اُصُول

اوّل۔ آئندہ جو بھی خالصہ دھرم میں داخل ہو گا، وُہ اِسی رستے سے داخل ہو گا۔ یعنی اُس کو پانچ سکھ مل کر بمُوجب طریق متذکرہ صدر پاہُل دیں گے۔

دوم۔ جو اس طرح پاہُل لے گا، اُس کے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ لگانا لازمی ہو گا

سوم۔ جہاں پانچ سکھ جمع ہوں گے وہاں خالصہ دھرم پُورن ہو گا اور پاہُل کے لئے پانچ سکھ ہی گُورو سمجھے جائیں گے۔ وُہ پانچ سکھ کون ہوں؟ اُن میں کوئی خاص تمیز نہ ہو گی۔ چنانچہ اس کے مطابق اُسی وقت خُود گورو گوبند سنگھ نے اُن پانچ سکھوں سے پاہُل

لی اور اپنا نام رائے گوبند سے (جس نام سے وُہ پہلے پکارا جاتا تھا) گوبند سنگھ رکھا۔

چہارم۔ جو خالصہ دھرم میں داخل ہو گا وُہ سنگھ کہلائے گا اور اُس کو سر پر کیش رکھنے چاہئیں۔ کسی قسم کا آہنی ہتھیار کارو کلہاڑی وغیرہ ضرور پاس رکھنے چاہئیں۔ کچّھ پہنا کریں۔ کنگھا اور کڑا آہنی ضرور اُس کے پاس ہونا چاہئے۔ غالباً ابتدائی زمانہ سے ہی سکھ یہ پانچوں چیزیں بھی مقرر نشان کے طور پر رکھنے لگ گئے تھے۔

پنجم۔ سب سکھوں کی ذات ایک ہو گی۔ چھوٹے بڑے سب برابر اور بھائی ہوں گے۔ پہلی ذات پات اور ورن کو مٹا دینا چاہئے۔ سنگھوں کی پچھلی ذات خالصہ دھرم میں داخل ہوتے ہی مٹ جائے گی۔ چاروں ورن خالصہ دھرم میں ایک برتن میں کھایا کریں۔

ششم۔ تمام سنگھوں کو کرت ناش، کُل ناش، دھرم ناش اور کرم ناش ہونا چاہئے

ہفتم۔ سنگھوں کو لازم ہو گا کہ اپنی تمام طاقتوں کو صرف لوہے پر خرچ کیا کریں۔ مسلّح رہنا، ہتھیار اُٹھانا، ہمیشہ یُدھ میں رہنا سنگھوں کا دھرم ہونا چاہئے۔

ہشتم۔ جو سنگھ یُدھ میں مرے گا، جو دھرم یُدھ میں شامل ہو گا، جو اپنے دُشمن کا ناش کرے گا، جو مغلُوب ہو کر بھی مایُوس نہ ہو گا، اُس سنگھ کو اعلیٰ پدوی ملے گی۔

نہم۔ سنگھ زنار یعنی یگیو پویت کو تیاگ کریں اور توڑ ڈالیں۔

دہم۔ مُکتی صِرف خالصہ دھرم میں ہی مل سکتی ہے۔

یازدہم۔ سنگھ ہندُوؤں کی رسموں کو چھوڑ دیویں۔ لیکن اُن کے مندروں اور عقیدوں اور تیرتھوں کو مُتبرّک خیال کریں۔ اُن کے دھرم اور دیش کی رکھشا کرنا

سنگھوں کا دھرم ہو گا۔

دوازدہم۔ تُرکوں کا ناش کرنا سنگھوں کا فرض ہو گا۔

۱۳۔ ایشور کو سچائی اور صداقت کے ساتھ کرموں میں عبادت کریں اور صِرف ایک اکال نراکار ایشور کی عبادت کیا کریں۔ اُس کی کسی مخلُوق کی پرستش مطلق نہ کریں

۱۴۔ کسی مخلُوق کے سامنے سر نہ جھکائیں سوائے گُورو گرنتھ صاحب کے قبر اور مڑھی نہ پُوجیں۔

۱۵۔ ہمیشہ گُورو نانک دیو کو اپنا گُورو تسلیم کریں۔ اُن کے تمام جانشینوں کی عِزّت کریں اور اُن اقوال پر عمل کریں۔

۱۶۔ امرت سر کے تالاب میں کبھی کبھی اشنان کیا کریں جو سنگھوں کا تیرتھ ہو گا

۱۷۔ ہمیشہ واہگُورو جی کا خالصہ واہگُورو جی کی فتح سنگھوں کا پرنام ہو گا اور سب قسم کے پرنام کو ترک کر دینا چاہیئے۔

۱۸۔ تمباکُو کا استعمال مطلق نہ کریں۔

۱۹۔ خالصہ میں ایشور کی شکتی مانیں۔

خالصہ دھرم کے شمُول سے کن کو خارج رکھا

خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھتے ہُوئے گُورو گوبند سنگھ نے مندرجہ ذیل قسم کے آدمیوں کو خالصہ دھرم میں لینے کی ممانعت کی۔

اوّل۔ مسند جو اُن ایاّم میں دھرمسالوں کا انتظام اور اہتمام کرتے تھے گویا

دھرم سالوں کے مہنت تھے جو ایک قسم کے پجاری بن گئے تھے۔ اس جماعت کے لوگ عموماً بزدل، نکمّے اور اکثر خائن ہوتے تھے۔

دوم۔ دھیر ملئے یعنی دھیر مل کے پیرو کیونکہ دھیر مل نے گدّی کے لئے پہلے گورو کے ساتھ تنازعہ پیدا کیا تھا اور گورو تیغ بہادر کی مخالفت کی تھی اور ہمیشہ اُن کو تکلیف دیتا رہا تھا۔ اِس لئے حقارتاً اُن کو خالصہ سے علیحٰدہ رکھا۔

سوم۔ رام رایئے یعنی رام رائے کے پیرو۔ یہ رشتہ میں گورو گوبند سنگھ کا چچا تھا۔ گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ دونوں کی گدّی نشینی میں تنازعہ کرتا رہا اور تکلیف رساں بنا رہا۔ اُن کو بھی خالصہ دھرم سے خارج رکھا۔

علاوہ اِن اقسام کے کہا جاتا ہے کہ جو شخص دُختر کش ہو اُس کو بھی شاملِ خالصہ نہ کیا جائے۔ اُس زمانہ میں ذات کے ابھیمان وغیرہ کے باعث دُختر کشی کا بڑا رواج تھا اور گورو گوبند سنگھ نے اِس کو بجا طور پر علیحٰدہ رکھا۔ لیکن اگر اُن کو شامل کر لیا جاتا ممکن ہے خالصہ دھرم میں آکر وُہ اس عادت کو ترک کر دیتے۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ وُہ اس عادت سے باز نہ آتے۔ اِس لئے اُن کو علیحٰدہ رکھنا ہی پسند کیا گیا۔ یہ امر بموجب ایک ضعیف روایت کے ہے۔ البتّہ یہ صحیح روایتوں سے تصدیق ہوتا ہے کہ سکھوں کو دُختر کش لوگوں سے ملنے جلنے اور اُن کے ہاں شادی بیاہ سے منع کیا۔

الغرض گورو گوبند سنگھ نے خالصہ دھرم کی بُنیاد رکھنے میں اپنا پریم سندیسہ پُورا کیا۔ اُس نے خالصہ دھرم کے اُصُولوں کو صفحۂ عالم اور کاغذ زمانہ پر خُوب نمایاں لکھا۔ لیکن ابھی تک اُس پر خُود گورو گوبند سنگھ نے دستخط کرنے تھے اور بذریعہ شہادت

(گواہی) اُس کو مصداق کرانے کا کام باقی تھا۔ اپنے خُون سے اُس پریم سندیسہ پر دستخط کئے اور اپنے چار پسران کی شہادت (قُربانی) سے اس کو مصداق کیا۔

جس وقت گُورو گوبند سنگھ خالصہ دھرم میں ان پانچوں کو داخل کر چکا اور خُود بھی داخل ہو چکا اور خالصہ دھرم کے بُنیادی اُصُول بھی خالصہ کے دلوں پر نقش کر چکا تو وہاں جو لوگ غیر سکھ کھتری اور برہمن مَوجود تھے، اُنہوں نے گُورو گوبند سنگھ کی اس کارروائی کو ناپسند کیا اور اُٹھ اُٹھ کر جانے لگے۔ جیسا کہ اُن کی عادت ہے، اپنے دھرم اور رسُوم اور ذات میں مداخلت دیکھ کر شور مچانے لگے۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے خالصہ سکھوں کی طرف مخُاطب ہو کر کہا کہ نیچوں کو اوشیہ ہی اُونچا ہونا چاہئے۔ یہ اکال پُرکھ کا حکم ہے جس کی تعمیل میں نے کرنی ہے اور جو لوگ اُس وقت اُن سے یعنی دوج ذاتوں سے اس طرح نفرت کئے جاتے ہیں، اُن کو میرے بعد کا درجہ ملے گا۔ گُورو گوبند سنگھ نے اپنا قول پُورا کیا اور اُن کی مخُالفت اور شور وفُغاں کی کچھ پروانہ کی۔

گُورو گوبند سنگھ کا طریقِ زندگی اور مُعاش

جو کچھ ہم گُورو گوبند سنگھ کی زندگی کے متعلق دریافت کر سکے ہیں اُس کا ذکر اس کتاب میں نہ کرنا گویا فرضِ سوانح نویسی کو بیکار کرنا ہے۔ اِس لئے ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

گُورو گوبند سنگھ بدن کا کسی قدر بھاری اور مضبُوط تھا۔ قد ذرا بلند تھا۔ شکل اور بناوٹ میں مضبُوط تھا اور جفاکشی اور محنت کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔

آپ کو شکار کا میدان بہ نسبت اُپدیش کی گدّی کے زیادہ پسندیدہ اور مرغوب خاطر تھا۔ اکثر حِصہّ اپنے وقت کا سیر وشکار میں بسر کرتا تھا اور سکھوں کو بھی اس طرف مائل اور راغب کرتا تھا۔ ریچھ، شیر، سُور اور گورخر کا شکار کرتا تھا۔ ہتھیاروں کی مشق خُود بھی کیا کرتا تھا اور سکھوں سے بھی کراتا تھا۔ اپنے بیٹوں کی تعلیم میں زیادہ تر اسلحہ کا استعمال کرایا کرتا تھا۔ جو سکھ ہتھیار اور گھوڑا نذر کرتا تھا، اُس سے نہایت ہی خُوش اور آنند ہوتا تھا۔

گھوڑے رکھنے اور گھوڑے کی سواری کا آپ کو بہت شوق تھا اور خُود نہایت وجیہہ اور جری شہسوار تھا۔ تلوار اور تیر کی مشق خُوب بہم پہنچائی تھی۔ شکار میں تیغ، کٹاری، سروہی اور نیزہ کا بھی استعمال کرتا تھا۔ طبیلہ میں اچھّے اچھّے گھوڑے رکھتا تھا۔ امیروں کی طرح دربار کیا کرتا تھا۔ لباس بھی امیرانہ پہنتا تھا۔ تلوار اکثر کمر میں رکھتا تھا اور اپنی دیش بھاشا میں ہر قسم کی نظم کہتا تھا اور خُوب کہتا تھا۔ رزمیہ نظم کو بہت موثّر اور زوردار الفاظ میں کہتا تھا جو اثر لے کر نکلتی تھی۔ دیگر کوی اور شاعر بھی اس کے دربار میں کثرت سے مَوجُود رہتے تھے جو نظم اور نثر میں اپنی طبع کی جولانیاں دکھا کر اُس کے پیش کرتے تھے اور گُورو گوبند سنگھ اُن کی حسبِ لیاقت قدردانی کیا کرتا تھا۔

علاوہ تازہ نظم کہنے اور سُننے کے پُرانی کتابوں کو سُننے کا بہت شَوق رکھتا تھا۔ فارسی اور عربی خُود خُوب جانتا تھا۔ سنسکرت میں دسترس رکھتا تھا۔ تواریخی کتابیں بڑے شوق سے سُنتا تھا خصوُصاً جنگ کے کارنامے۔ اور بہت حِصہّ وقت کا اِس میں دیتا تھا۔ اُپنشد، وید، اُپ وید، پُران اور سمرتیاں بھی سُنا کرتا تھا۔ شاعروں اور پنڈتوں کو اپنے پاس رکھتا

تھااور اُن کی عِزّت کیا کرتا تھا۔ اپنے کئی سکھوں کو کانشی میں حصُولِ تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔

وُہ اگرچہ گُورونانک دیو کی طرح سماع وسرود کا اس قدر پریمی نہ تھا، لیکن پھر بھی وُہ بھجن ہر روز سُنا کرتا تھا۔ لیکن وُہ بھاٹوں سے رزمیہ نظمیں اور کتب سُن کر بہت ہی خُوش ہوتا تھااور اِس میں آپ کا بڑا پریم تھا۔

وُہ نِت کرم کا بڑا پکااور مستقل مزاج تھا۔ بہت سویرے اُٹھا کرتا تھااور صُبح شام جپ جی اور رہ راس کا پاٹھ کیا کرتا تھااور ایشور اُستتی میں کچھ دیر مصرُوف رہتا تھا۔ یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ ہولیوں کے موقع پر ناچ ورنگ میں شامل ہوتا ہو۔ اُس کی طرف اُس کا میلان اتنانہ ہوگا کیونکہ عیش وعشرت کے سامان اُس کے اودیش کے مخالف تھے

خالصہ دھرم اُس کی زندگی میں کس قدر پھیلا؟

گُورو گوبند سنگھ کے اودیش اور خالصہ دھرم کی ترکیب نے جاٹوں اور ہندُوؤں میں مقبُولِ عام اور پسند تمام کا درجہ حاصل کر لیااور اُس کے سہل فہم اُصُول، آزادانہ روّیہ اور طریقِ زندگی میں کتنااثر تھاکہ تھوڑے عرصہ میں اُس کے اودیش نے کامیابی حاصل کرلی اور ہزاروں آدمی سکھ ہو کر اُس کے سنگھ ہوگئے۔ جاٹ جن کو چھوٹی ذات والے شُودر سمجھتے تھے، گُورو گوبند سنگھ کے اس چشمۂ اخُوّت کی طرف ایسے بھاگے جیسے کوئی بڑی مُدّت کا ویاکل پیاسا پانی کے چشمہ کی طرف بھاگتا ہے۔ چُونکہ گُورو گوبند سنگھ نے نہایت سچے دل سے اور ہندُوؤں کے لئے پریہ بھاؤ سے یہ کام شرُوع کیا تھا، عوام

اُلٹا اس نے اس کی قدردانی کی اور اُس کے خالصہ دھرم کو اپنے حال اور ضرُورت کے مطابق پاکر گرہن کرنے لگے اور اُس کے سکھوں کی جماعت دِن بدِن بڑھنے لگی۔

خالصہ دھرم میں اس زبردست خُوبی سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُس نے ذاتوں کو اپنی طرف بڑے زور سے کھینچا جن کو کبھی کام میں لانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی اور جو بالکل نکمّی، ذلیل اور صِرف غُلامی کے لئے ہی پیدا شدہ سمجھی جاتی تھیں۔ کچھ شک نہیں کہ گُورو گوبند سنگھ کی یہ جماعت سنگھ صادق اور الوالعزم، صاحبِ ہمّت اور حوصلہ اور پکّی عقیدت مند اُن بڑی ذات والوں سے نہ تھی جو کھتری کرتے اپنی بیٹیاں خُوشی سے مُسلمانوں کے حوالے کر رہے تھے۔ اور نہ اُس اُونچی ذات کے برہمنوں میں سے تھی جو دیش کو اپنی دھوتی کی عِزّت رکھنے کے لئے بیچنے کو تیار تھے اور جن کی عورتیں اور عزّتیں غزنی کے بازار میں دو دینار یعنی چار آنے یا بارہ آنے بحساب سکّہ انگریزی فروخت ہُوئی تھیں۔ لیکن یہ وُہ جماعت تھی جو اپنے مانس اور ہڈیوں کے انبار کر کے ہندُو قوم کو عِزّت کے بلند چبوترے پر بٹھانے کو تیار تھے۔ جو اپنے لہُو سے سات سَو سال کے داغ بے حُرمتی اور بے عِزّتی کو دھونے اور اپنی زندگیوں سے قومیت کی حرارتِ غریزی کو فروغ دینے آئے تھے۔ اِس ہی مسکین جماعت کو دیکھ کر اپنی بڑائی کے ابھیمان اور اپنے نصب کے فخر میں پہاڑی راجوں نے گُورو گوبند سنگھ کو طعنہ دیا تھا کہ اِن چڑیوں سے تُم دیش کی حفاظت کرو گے اور اِن بلیّوں سے شیروں کا مقابلہ کرو گے؟ تو گُورو گوبند سنگھ نے جواب میں کہا تھا 'سوا لاکھ سے ایک لڑاؤں۔ چڑیوں سے باز تُڑاؤں۔ بلیّوں سے شیر مراؤں تاں گوبند سنگھ نام دھراؤں'۔

اِس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ قول گُورو گوبند سنگھ نے کس موقع پر استعمال کیا۔ لیکن اِس سے انکار نہیں کہ اُس نے ایسا کہا خواہ کسی موقع پر کہا ہو۔ کیوں مردانِ زمانہ کیا یہ قول اپنا اُس نے حرف بحرف پُورا نہیں کیا؟ کیا اور خُوب کیا۔

اُس کے پیرو سنگھ جس قسم کے مادہ کے بنے ہُوئے تھے اور جس قسم کی صداقت اور حُسنِ عقیدت اُن میں اپنے گُورو کی تھی، اُس کی مثال ہم گُورو کے پانچ پیاروں کا ذکر کرتے ہُوئے کر چکے ہیں اور اُس کے سنگھوں کی بہادری اور نڈر تا مارشل سپرٹ (یُدھ بیر تا) تو اُن کے آئندہ کارناموں سے بخُوبی واضح ہو جائے گی جو خُود گُورو گوبند سنگھ کی زندگی میں وقُوع میں آئی، بعد اُس کے اور آج تک۔ لیکن اُس کا نمُونہ دکھانے کے لئے ہم دو ہی مثالوں پر اکتفا کریں گے۔

ایک دفعہ دربار میں اچانک کہہ اُٹھے جب کہ ایک سکھ نے بندُوق نذر کی کہ ہم اِس بندُوق کی آزمائش کے لئے اپنے سکھ کو صدقہ کرنا چاہتے ہیں تو کئی سنگھ تیار ہو گئے اور ہر ایک یہی کہتا تھا کہ گُورو جی مجھے قُربان کرو۔

ایک دفعہ ہنستے ہنستے گُورو گوبند سنگھ نے ایک سکھ کی طرف اِشارہ کر کے کہا کہ اِس کو لیجا کر پھانسی دے دو۔ کوئی وجہ نہ بتلائی اور نہ اُس کا قصُور کہا۔ بلکہ کہا کہ گُورو کو اُس کے سر کی ضرُورت ہے۔ اُس نے بِلا چُوں چِرا اپنا سر پیش کر دیا اور گُورو گوبند سنگھ اس سے بہت خُوش ہُوا اور کہا کہ ایسے صاحبِ عقیدت اور صادق سکھوں سے ہندُو جاتی کے اُدّھار کا کام پُورا ہو گا۔

گورو کی مذہبی مخالفت اور اُس پر فوج کشی

کھتری نسب کے راجوں اور برہمنوں نے حسبِ قاعدہ گورو گوبند سنگھ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اعلانیہ اُس کے اُودیش اور اُس کی ذات کے مخالف ہو گئے۔ برہمنوں نے ذات کی قید اور زنار بندی کی رسم کو ٹوٹا ہوا دیکھ کر بہت شور مچایا۔ گردونواح کے پہاڑی راجوں کا ہندو دھرم لُٹ گیا، غارت ہُوا، نشٹ ہُوا کہہ اور سُنا کر گورو گوبند سنگھ کے مخالف کھڑا کیا۔ پہاڑی راجے بھی کچھ تو اِس لئے کہ گورو گوبند سنگھ نے نیچ ذات والوں کو اُن کے برابر کر دینے کی عملی کوشش شروع کی ہُوئی تھی اور دُوسرا اِس حسد سے کہ مبادا اُس کا اِقتدار روزافزوں اُن کی بیخ کنی کا مُوجب نہ ہو جائے، اُس سے تنگ تھے۔ ذاتی عداوت چند پہاڑی راجوں کی پہلے سے گورو گوبند سنگھ کی مخالفت میں قائم تھی۔ اِس لئے برہمنوں نے پہاڑی راجوں کو اکسایا کہ گورو گوبند سنگھ ہندوؤں کے دُشمنِ دین کو ایسا ستانا چاہئے کہ وُہ دم نہ لینے پائے۔ پہاڑی راجوں کو بھی گورو گوبند سنگھ نے خالصہ دھرم کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے بڑی ذات ہونے کے فخر میں حقارت ظاہر کی اور گورو گوبند سنگھ کے مخالف ہو گئے۔

ہا! ہندو قوم تجھ سے بڑا احسان فراموش اَور کون ہو سکتا ہے۔ تجھ سا ناشکرا پن اَور کس قوم میں ہے۔ سچے دیش بھگت قومی کی قدردانی نہ کرنے کا مادہ تُم سے زیادہ کن لوگوں میں ہے۔ صادق محبّ الوطن کی تکلیف رسانی میں تیاری کرنے کا سَودا اور کن وحشیوں میں ہے۔ وُہ گورو گوبند سنگھ جو تمہارے لئے اپنا خانماں اور جان نچھاور کرنے کی تیاری کر رہا تھا، جو تُم کو ذِلّت سے اُوچ درجے پر لیجانے کی دُھن میں لگا ہُوا تھا، اُس

ے مُخالف تُم بنظرِ حسد اور خُود غرضی کھڑے ہو رہے ہو۔ اِس ناشُکراپن کا نتیجہ ہے اور اِسی حسد اور بُغض کا پھل ہے کہ تُم ہمیشہ غُلامی میں رہنے کے لئے مجبُور کئے گئے ہو۔

المُختصر جو ہونا تھا ہُوا۔ راجپُوت کھشتر تا کے زبانی دعویدار بھارت کے جاہل اور نا اہل دُشمن پہاڑی راجے گُورو گوبند سنگھ کے مُخالف ہو گئے اور چند پہاڑی راجے آپس میں مل کر گُورو گوبند سنگھ کو تکلیف دینے کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ اگرچہ گُورو گوبند سنگھ کا مہابلی دل اِن تکالیف سے تو نہ ڈرنے والا تھا اور نہ کوئی اُس کو تکلیف پہنچا سکتا تھا، مگر اُس کے پوِتّر اودیش کو اُس وقت صدمہ پہنچا۔ لیکن اُس نواح کے کھتریوں اور برہمنوں پر بے حمیّتی اور بُزدِلی کے داغ کے علاوہ ناسپاسی کا داغ بھی لگ گیا۔

چنانچہ پہلا وار جیسا کہ تمام صُورتوں میں ہُوا کرتا ہے، گُورو گوبند سنگھ پر یہ ہُوا کہ راجوں نے اُس کو کہا کہ وُہ اُن کے علاقہ سے چلا جائے اور آنندپُور چھوڑ دے اور اُس کی جماعت نے اُن کے علاقہ میں لوگوں کے جو نقصان کئے تھے، اُن کا عوضانہ روپیوں میں دے ورنہ اُس پر فوج کشی کی جائے گی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ آنندپُور کو کیونکر چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اُس کے بزُرگوں نے وُہ زمین خرید کر کے وُہ گاؤں بسایا تھا۔ وُہ کھشتری دھرم کا دلدادہ جو تمام بھارت کو غاصبوں سے چھڑانے کی فکر میں تھا وُہ اِن راجوں کی گیدڑ بھبکیوں سے اپنا جھونپڑا (گوشۂ فقیری) چھوڑنا کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔ اِس لئے، جیسی کہ اُس مہابیر سے اُمید تھی، اُس نے راجوں کو جواب بھیجا کہ روپیہ تلوار سے اور آنندپُور گولی سے دیا جائے گا۔ یہ کڑا جواب راجپُوتوں کو پسند نہ آیا۔ اِس جواب سے راجپُوتوں کا انتقامی خُون اُبلا اور اُنہوں نے تلوار میان سے نکالی اور گُورو گوبند سنگھ کی

طرف جھکے۔ کئی حملے کئے، کئی دفعہ فوج کشی کی اور ہر دفعہ جو نتیجہ ہُوا اُس کو کسی قدر وضاحت مگر مُختصر الفاظ میں لکھتے ہیں۔

گُورو گوبند سنگھ نے ہندُوؤں کے طُوفانِ بے تمیزی اور مُسلمانوں کے سیلابِ تعصّب میں خالصہ دھرم قائم کر کے برہمنوں اور مُلاّؤں کے باطل عقائد اور بیکار مسائلِ مذہبی پر تو فتح حاصل کر لی لیکن مُسلمان شہنشاہِ ہند کی فوجوں کو شکست دینا ابھی باقی تھا جس کے لئے وُہ منصُوبے قائم کر رہا تھا۔ کئی یہ کہتے ہیں کہ گُورو گوبند سنگھ کے یہ منصُوبے دیوانگی اور خام خیالی پر مبنی تھے کیونکہ اس قدر بڑی سلطنت کا مقابلہ بایں بے سر و سامان ایک بیہُودہ اور وحشیانہ کوشش کے سوا اَور کچھ نہ تھا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کے خلاف یہ جُملہ بیہُودہ ہے۔ صِرف ہمّت درکار تھی۔ ایشیائی سلطنتیں اکثر ایک شخص کی ہمّت سے قائم ہُوئی تھیں۔ نادر شاہ کی سلطنت، بابر کی سلطنت وغیرہ وغیرہ اکثر اِسی طرح قائم ہُوئی تھیں کہ ایک آدمی نے چند آدمی جمع کر کے طاقت بڑھانا شرُوع کیا اور آخر کار شہنشاہ ہو گیا۔ اِسی طرح گُورو گوبند سنگھ میں ہمّت مَوجود تھی اور جان نثار قوم کا فرقہ ساتھ تھا۔ کچھ شک نہیں کہ وُہ کامیاب ہو جاتا لیکن تین باعث ایسے ہُوئے کہ وُہ خُود تو اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکا کہ اپنے وقت میں مُسلمانوں کی سلطنت کی بُنیاد اُکھاڑ جاتا، مگر وُہ ایک ایسا جنگجُو فرقہ اور قومی جوش پیدا کر گیا کہ آخر سلطنت اسلام متزلزل ہو گئی۔

اِس کے اپنے وقت میں ناکامیابی کا پہلا سبب یہ ہے کہ شواجی کی طرح وُہ چالباز نہ تھا اور فریب کو استعمال کرنا بہ لحاظ رُتبہ مذہبی لیڈر ہونے کے اپنے شایاں نہ سمجھتا تھا

صِرف زورِ بازُو سے کامیاب ہونا چاہتا تھا جو البتہّ کسی قدر مشکل تھا۔ حکمتِ عملی اور فریب قانُونِ جنگ کی جان ہوتے ہیں جن کو گُورو گوبند سنگھ استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اِس لئے وُہ کامیابی سے دُور رہ گیا۔ دوم گُورو گوبند سنگھ نے پہاڑی راجوں سے واقفیت پیدا کرنے کے مواقع پیدا نہ کئے اور گھر ہی میں گویا لڑائی شرُوع ہو گئی۔ اور چُونکہ راجوں نے مذہبی مخالفت کی آڑ میں لڑائی شرُوع کی تھی، یہ گُورو گوبند سنگھ کے لئے نہایت باعثِ بے عزّتی تھا اور جواں ہمّتی سے بعید کہ ان کے اس مذہبی پُرخاش کے چیلنج کو قُبول نہ کرنا قبل اس کے کہ اُس کی طاقت کافی مضبُوط ہوتی اُس کو میدانِ رزم میں آنا پڑا اور اس لئے کامیابی مشکل ہو گئی۔

تیسرا باعث یہ کہ صاحبِ ہمّت خالصہ اِس کی فوج میں تھے۔ لیکن ایک تو اُن کو قواعدِ جنگ سے ماہر کرنے کا کوئی اچھّا موقعہ نہیں ملا کہ جلدی میدانِ جنگ میں جانا پڑا اور دُوسرا اسلحہ کافی نہ تھا۔

پہلا حملہ

گُورو گوبند سنگھ پہاڑ کے دامن میں شکار کھیل رہا تھا کہ اُس کی کم سامانی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے پہلا حملہ راجہ عالم چند اور راجہ بلیہ نے کیا۔ گُورو گوبند سنگھ بھی اپنی کم تعداد جماعت کے ساتھ بڑی مردانگی سے سامنے آیا اُور تھوڑے وقت میں بہت سرگرم ہنگامہ ہُوا۔ آخر بلیہ مارا گیا اور پہلا میدان گُورو گوبند سنگھ کے ہاتھ رہا۔

دُوسرا حملہ

اِس شکست سے غضبناک ہو کر پہاڑی راجوں نے اپنی سرحد کے مُسلمان صُوبہ سرہند کے ایک دستہ فوج کی امداد حاصل کی اور آنندپُور پر حملہ کیا۔ تیس دِن تک خُوب زور شور کا مُقابلہ ہُوا۔ پینڈے خاں اِس لڑائی میں کان میں تیر کھا کر مارا گیا۔ دِین بیگ بھاگ کھڑا ہُوا اور سکھوں نے روہتک تک اُس کا تعاقب کیا۔ اِس لڑائی میں گُورو گوبند سنگھ کے پہلے لڑکے اجیت سنگھ نے خُوب جوہر بہادری دکھائے۔

کیسری چند بھی اس لڑائی میں مارا گیا۔ اِس لڑائی میں کہتے ہیں کہ آنندپُور کے قلعے کا دروازہ توڑنے کے لئے مُخالفوں نے ایک ہاتھی آگے بڑھایا۔ گُورو گوبند سنگھ نے دونی چند ایک کھتری سکھ کو حکم دیا کہ وُہ آگے بڑھ کر ہاتھی کا مُقابلہ کرے لیکن وُہ بھاگ گیا۔ اِس لئے گُورو نے بچتر سنگھ کو آگے کیا جو پہلے قوم کا لبانہ تھا اور خالصہ دھرم اختیار کر لیا تھا۔ اُس نے مردانگی سے ہاتھی کا مُقابلہ کیا اور اُس کو پچھاڑا۔ اِس مثال سے گُورو گوبند سنگھ کے سکھوں اور اُس وقت کے برہمنوں اور کھتریوں کا فرق صریح دکھائی دیتا ہے۔ کہ جو ذات کے کھتری تھے وُہ کس قدر گر گئے تھے اور جن کو گُورو گوبند سنگھ کھتری بنانا چاہتا تھا وُہ کیا تھے۔ اِس فتح کے بعد گُورو گوبند سنگھ آنندپُور سے کوچ کر کے کیرت پُور جا رہا۔ اور ایک بلند پہاڑی پر اپنا قیام کیا۔

تیسرا حملہ

اس شکست سے خجل ہو کر پہاڑی راجے صُوبہ سرہند سے پھر رجوع لائے اور

بیس ہزار روپیہ نقد اور بقول ایک روایت بھیم چند نے ایک ناطہ اپنے خاندان سے مُسلمانوں کو دے کر گُورو گوبند سنگھ کے مقابلہ کے واسطے آمادہ کیا۔ گُورو گوبند سنگھ نے اگرچہ کچھ فوج بہم پہنچائی تھی اور تین چار قلعے بھی بنا لئے تھے۔ یہ قلعے ضرُورت کے وقت کام دینے کے لئے بنائے گئے تھے۔ گُورو گوبند سنگھ کو شہنشاہ ہند کی مخالفت کرنے کے نتائج سے واقفیت تھی اور اُس کو معلُوم تھا کہ یہ سارے قلعے کیا کام دیں گے۔ لیکن راجوں کی مخالفت نے اِن تمام تدابیر پر پانی پھیر دیا اور پہلے ہنگامے کے بعد پے در پے ہنگامے اور فوج کشی جو ہُوئی تو گُورو گوبند سنگھ کو اپنی حالت سنبھالنے کا کوئی موقع نہ ملا۔ آخر اس کے پاس سوائے محدُودے چند سکھوں کے اور کیا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وُہی سکھ خالی پیٹ اور بغیر سامان کے لڑتے تھے اور وُہی کم و بیش نذر دے کر گُورو کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اگرچہ گُورو گوبند سنگھ نے کئی پٹھان ملازم رکھ لئے تھے لیکن اس قدر کم تعداد کہ اس سے کوئی بڑا فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر پہاڑی راجوں نے صُوبہ دار سرہند کی مدد لیکر فوج جرار کے ساتھ کیرت پُور پر بتاریخ ۱۷ مگھر سمت ۱۷۵۵ حملہ کیا اور متصل قصبہ مذکور رن پڑا۔

گُورو گوبند سنگھ نے نہایت ہمّت سے مقابلہ کیا۔ لیکن کثیر تعداد کے سامنے لڑنا مشکل ہو گیا۔ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ قلعہ آنند پُور میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ اِس قسم کے سکھ تھے جیسا کہ جوگ سنگھ سکنہ پشاور۔ اِس لڑائی کی تیاری کے ایاّم میں جوگ سنگھ کے بیاہ کا مہُورت آ گیا تھا۔ گُورو گوبند سنگھ سے رُخصت ہو کر وُہ پشاور گیا۔ گُورو گوبند سنگھ نے اُس کو حکم دیا کہ بیاہ کی رسم ختم ہوتے ہی وُہ روانہ ہو آوے اور وہاں

نہ رہے۔ چنانچہ جوگ سنگھ نے اپنے پرن کو پُورا کیا اور پھیروں کی رسم ختم ہوتے ہی وہاں سے چل پڑا۔ ہر چند باپ نے اُس کو منع کیا لیکن اُس نے اپنی بات پُوری کی اور چل کھڑا ہُوا۔ الغرض کچھ دِن تو محاصرہ کیا اور سکھ نہایت بہادری سے لڑے۔ گُورو گوبند سنگھ راجہ سوہلی کے پاس چلا گیا جس نے اُس کی اپنے ہاں دعوت کی تھی۔ انگریزی مُورّخوں نے اس ہنگامہ کا ذکر کم کیا ہے لیکن اِس ہنگامہ کا ذکر سکھوں کی تمام جنم ساکھیوں میں پایا جاتا ہے۔

اورنگزیب کی فوج کشی

اس کے بعد دو سال تک گُورو گوبند سنگھ مختلف اطراف میں پھرتا رہا اور یہ تو خیال کرنا ہی عبث ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کے حوصلہ یا ہِمّت میں اِن شکستوں سے کچھ کمی یا لغزش آئی تھی بلکہ حوصلے بڑھ گئے تھے اور ہِمّت آگے بڑھنے کو آمادہ کرتی تھی۔ اس لئے اِس عرصہ میں وُہ پھر سکھوں کو اِکٹّھا کرتا رہا اور آئندہ آنے والے واقعات کی تیاری میں لگا رہا۔ راجہ سوہلی کے علاقہ میں سیر و شکار میں مصرُوف رہا اور وہاں سے راجہ بھنبور کی دعوت پر اُس کے علاقہ میں چلا گیا اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر روالسر گیا اور میلہ بیساکھی وہاں دیکھا۔ وہاں سے دو ہر سین راجہ منڈی کے علاقہ میں چلا گیا۔ اِس کے علاقہ میں ایک قلعہ بنوایا۔ اِس اثنا میں گُورو گوبند سنگھ کے پاس چند سکھ تحفے لے کر آئے تھے۔ راستہ میں راجہ کلموٹہ نے اُن کو لُوٹ لیا۔ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ نے راجہ کلموٹہ کی سرکوبی کے لئے اپنے سکھوں کی داد فریاد پر اپنے پسر اجیت سنگھ کو بھیجا۔ راجہ

کلموٹہ کی امداد کو مہنت جوالا مُکھی بھارتھی اپنے پانچ سَو آدمی لے کر آیا تھا۔ اِس مہنت نے پہاڑی راجوں کو مذہبی اختلاف کی وجہ سے گُورو گوبند سنگھ کے برخلاف بہت اُکسایا۔ آخر گُورو گوبند سنگھ نے مہنت جی کی خبر لی اور جوالا مکھی کے گاؤں کو سکھوں نے لُوٹ لیا۔

اِس لڑائی کا اتہام گُورو گوبند سنگھ پر یہ لگاتے ہیں کہ اُس نے بے وجہ لڑائی سہیڑی۔ لیکن پُورا سوچنے سے اس لڑائی کا کرنا گُورو گوبند سنگھ کے لئے مناسب معلُوم ہوتا ہے اور اس میں بھی حق بجانب گُورو گوبند سنگھ تھا۔ اَور گُورو گوبند سنگھ کا ذخیرہ فوجی اور ذریعہ آمدنی صِرف یہی سکھ تھے۔ اگر سکھوں کو راستے میں بطور ڈکیتی راجے لُوٹ لیتے تو پھر گُورو گوبند سنگھ کے پاس کون آتا اور وُہ اتنا کام کرتا کس طرح؟ اِس لئے گُورو گوبند سنگھ کا اِس راجہ پر حملہ کرنا بالکل مناسب تھا اور کسی طرح وُہ قابل حرف گیری نہیں ہے۔ بساکھ سمت ۱۷۵۸ میں گُورو گوبند سنگھ آنندپُور واپس آیا۔ مُسلمانوں اَور پہاڑی راجوں نے جو اُس کو لُوٹ کر برباد کیا تھا اُس کو از سرِ نو مرمّت کیا۔ چاروں بیٹوں کو یہاں پاہل دے کر سکھ بنایا۔ قلعہ کو درُست کیا۔ اَساڑھ سمت ۱۷۵۹ میں مُختلف مقامات کی سیر کرتے ہُوئے گُورو کشیتر کا میلہ دیکھا۔

وہاں سے وُہ آنندپُور واپس آگئے اور فوجی تیاریوں میں مصرُوف ہو گئے۔ سکھ اُن کو سچّا پادشاہ کہنے لگے اور دُور و نزدیک یہ اسی نام سے مشہُور ہو گئے۔ پہلے گُوروؤں میں سے بھی بعض کے ساتھ اِس لفظ کا استعمال کیا گیا تھا۔ نیا نہیں تھا گو زور شور سے اب پھر تازہ کیا گیا تھا۔ پہاڑی راجوں کو اُس کے روز افزُوں اقبال سے اندیشہ دامنگیر ہُوا

اور اُس کے سچّا بادشاہ کے خطاب سے بہت گھبرائے۔ اُنہوں نے اپنی ہستی کو معرضِ خطر میں دیکھا اور گُورو گوبند سنگھ کی ہستی کو مٹانے کے درپےَ ہُوئے۔ بعد مشورہ قرار پایا کہ اورنگزیب کو بھڑکایا جائے اور گُورو گوبند سنگھ پر شامل فوج سے مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ پُخت و پُز ہو کر اورنگزیب کے پاس ایک قاصد بھیجا گیا جس نے جاکر دربارِ شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اورنگزیب کے ذہن نشین کرایا کہ جن سکھوں کے گُورو تیغ بہادر کو آپ نے قتل کرایا تھا، اُس کے بیٹے گُورو گوبند سنگھ نے ایک بڑی تعداد میں سکھوں کو جمع کر کے فوج بنالی ہے اور اُن کا نیا دھرم ایجاد کر کے اِن کو مُسلمانوں کے ساتھ فساد کرنے پر تیار کیا ہے۔ خُود بھی بادشاہ لقب اختیار کیا ہے۔ وُہ شاہی لباس پہنتا ہے۔ تمام ڈاکُو اور رہزن اُس کے خالصہ دھرم میں آکر اُس کے مرید بن گئے ہیں اور روز بروز اُس کی طاقت بڑھتی جارہی ہے۔ اور بقول ؎

سر چشمہ بائد گرفتن بہ میل۔ چوپُر شدنہ شائد گرفتن بہ پیل

پھر اُس کا تدارک مشکل ہو گا۔ اورنگزیب یہ ماجرا سُن کر بھڑک اُٹھا اور اُس کا تعصّب اور خُونریزی کا خُون اُبلنے لگا۔ اُس نے سارے راجوں کا مخالف ہونا غنیمت سمجھا اور گُورو گوبند سنگھ کی ہستی کو مٹانے کا پُختہ اِرادہ کرلیا۔

چوتھا حملہ

اورنگزیب نے بازید خاں صُوبہ سرہند کو تاکیدی حکم بھیجا کہ گُورو گوبند سنگھ کو پکڑ کر حاضر دربار کیا جائے اور دہلی سے امیر خاں دس ہزاری، نجابت خاں اور وحید خاں

سپہ سالاران کو صُوبہ سرہند کی امداد کے لئے بھیجا۔ یہ فوج مکیشر راجہ اجمیر چند کے ساتھ روانہ ہُوئی۔ راجگان کوہی کی فوج بھی شامل ہو گئی۔ ۷ اپھاگن سمت ۱۷۵۹ کو اِس فوج نے آنندپُور کا محاصرہ کرلیا۔ چونکہ گُورو گوبند سنگھ بوجہ کمی فوج کے میدان میں لڑنے کے ناقابل تھا، اس لئے وُہ آنندپُور سے باہر نہ نکلا۔ پانچ دن تک نہایت خُونریز جنگ ہُوئی۔ اگرچہ بہت سے سنگھ کام آئے مگر اُنہوں نے بھی مخالفوں کے پرے اُڑا دیئے۔ چھٹے دن گُورو گوبند سنگھ آخر قلعہ سے باہر مقابلہ پر آیا اور نہایت زور شور سے حملہ کیا۔ سردار عظیم خاں ایک نامی سپہ سالار اور پائندے خاں کو گُورو گوبند سنگھ نے اپنے ہاتھ سے لڑائی میں قتل کیا۔ ہری چند جسووالیہ گُورو گوبند سنگھ کے ایک ملازم ماموں خاں کے ہاتھوں مارا گیا۔ راجہ اجمیر چند زخمی ہُوا۔ آخر شاہی فوجوں کو شکست ہُوئی۔ سکھوں نے روپڑ تک تعاقب کیا اور فتح کا سہرا گُورو گوبند سنگھ کے سر پر رکھا گیا۔

پانچواں حملہ

اس شکست سے اورنگزیب کو بہت ندامت ہُوئی اور گُورو گوبند سنگھ کے خلاف ایک جرار فوج بھیجنے کا ارادہ کرلیا۔ صُوبہ لاہور کو اور بمُوجب ایک اور روایت کے صُوبہ کاشمیر کو بھی فرمان بھیجا کہ صُوبہ سرہند کے ساتھ مل کر گُورو گوبند سنگھ کو میدان میں پچھاڑیں یا زندہ گرفتار کر کے حضُور میں پیش کریں۔ ذرا دیکھنا ایک فقیر گوشہ نشین کی ہمّت اور اہلیت۔ سارے ملک ہندوستان کا شمالی حِصّہ اُس کے خلاف جنگ آزمائی کرنے چلا ہے۔ آخر بڑی جرار فوج صُوبہ داران دہلی و سرہند، کاشمیر اور لاہور کے

گورو گوبند سنگھ کے خلاف حرکت میں آئی۔ دہلی سے ظفر بیگ روانہ ہُوا۔ لاہور کی طرف سے دلاور خاں اور صفدر خاں وغیرہ میدان میں آئے۔ گورو گوبند سنگھ کو بھی اِس فوج کثیر کی خبر ملی اور بلحاظ وقت جلدی سے جو کچھ میسّر آسکتا تھا، اپنے سکھوں کو جمع کیا۔

کہتے ہیں کے دس ہزار نفر کی تعداد گورو گوبند سنگھ نے اِس آخری لڑائی کے لئے بہم پہنچائی تھی۔ چنانچہ اجیت سنگھ اپنے بڑے فرزند کو قلعہ کیس گڑھ پر تعینات کیا۔ معہ دو ہزار فوج ماہر سنگھ اور شیر سنگھ کو قلعہ لوہگڑھ میں مامور کیا۔ عالم سنگھ اور سوکیت سنگھ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ دمدمہ پر متعین کیا۔ اودے سنگھ کو اگم پور میں۔ لیکن یا تو تقسیم غلط ہے یا یہ کہ ضرُورت کے وقت یہ سب آنندپُور چلے آئے ہوں گے کیونکہ بڑا رن آنندپُور کے میدان میں ہی پڑا تھا اور سب اِس میں شامل تھے۔ گورو گوبند سنگھ خُود آنندپُور میں موجود تھا کہ شاہی فوج نے آکر آنندپُور کو گھیر لیا۔ بڑی خُونریزی کا مقابلہ ہُوا اور سکھ اَیسی بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ مُسلمانوں کا کئی دفعہ مُنہ پھیر دیا۔ سکھ جان توڑ کر لڑے لیکن مُسلمانوں نے تازہ امداد بہم پہنچا کر زور کا حملہ کیا۔ قریب تھا کہ مُسلمان آنندپُور میں داخل ہو جائیں کہ اجیت سنگھ اِس موقعہ پر میدان میں آیا۔ گورو گوبند سنگھ نے بھی نازک موقعہ دیکھ کر خُود دھاوا کر دیا۔ نہایت خُونخوار رن پڑا۔ سکھوں نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارے اور آخر عظیم خاں اور دلاور خاں افسران شاہی قتل ہُوئے اور شام کے قریب فوج شاہی کے پاؤں اُکھڑ گئے اور میدان چھوڑ کر چلے گئے اور اُس دن کا میدان سکھوں کے ہاتھ رہا۔

دوسرے روز پھر ہنگامہ کارزار شروع ہُوا۔ گُورو گوبند سنگھ دمدمہ پر تھے کہ زبردست خاں نے توپ کا گولہ اُس طرف مارا۔ گُورو گوبند سنگھ خُود تو اس صدمہ سے بچ گئے لیکن اُن کے پاس کھڑے چند سکھ مارے گئے۔ چند دن تک اسی طرح زور شور سے حملے ہُوئے اور سکھوں نے روکے۔ آخر ایک مُٹھی آدمیوں کی کب تک ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ جب تعداد کم ہو گئی تو آنند پُور کے دروازے بند کر کے سکھ محصُور ہو گئے۔ باہر سے شاہی فوج نے رسد جانی بند کر دی۔ اثناء محاصرہ میں ایک رات موقعہ پا کر سکھوں نے شاہی فوج پر چھاپہ مارا اور ایسی کھلبلی پڑی کہ شاہی لشکر وہاں سے ہٹ گیا اور راجہ ڈڈوال اور جسووال مارے گئے اور شاہی افواج کا کچھ سامان سکھوں کے ہاتھ آیا۔ لیکن شاہی فوج اُس نواح میں دیگر کمک کی انتظار میں پڑ رہی۔ آخر ہر طرف سے فوج اکٹھی کر کے اور راجپوتوں کو بھی شامل کر کے اورنگزیب نے اُس پہلی فوج کی امداد پر روانہ کیا۔

چھٹا حملہ اور گُورو کے دو بیٹوں کی قُربانی

چیت سمت ۱۷۶۱ میں لشکر شاہی نے پھر آنند پُور کا محاصرہ کر لیا۔ سکھوں نے بڑی ہمّت سے محاصرہ کی تکالیف برداشت کیں۔ آخر کھانے کو کچھ نہ رہا اور سکھوں نے بھُوک سے مرنے پر لڑ کر مرنے کو ترجیح دی۔ گُورو گوبند سنگھ چند دن اور محاصرہ میں رہنا پسند کرتے تھے مگر کئی سکھ اِس پر راضی نہ تھے۔ گُورو گوبند سنگھ جی نے اُن کو جو راضی نہ تھے، دھمکی دی کہ اگر وُہ اُس کا حکم نہیں مانتے تو لکھ دیں کہ وُہ گُورو کے سکھ

نہیں ہیں۔ مجملہ ان کے کئی تو لکھ دینے پر تیار ہو گئے اور لکھ دیا کہ وُہ گُورو کے سکھ نہیں ہیں۔ لیکن کئی ثابت قدم رہے۔ ذرا غور کیجئے۔ گُورو گوبند سنگھ نے بڑا کام کیا، کہ جان دینا تو منظُور لیکن سنگھ ہونے سے انکار کرنا مشکل۔

آخر پہاڑی راجوں نے گُورو گوبند سنگھ کو ایک برہمن کی معرفت گائے کی قسم درمیان رکھ کر راغب کیا کہ وُہ قلعہ آنندپُور چھوڑ دے تو اُس کا تعاقب نہیں کیا جائیگا۔ لیکن یہ دغا تھا۔ گُورو گوبند سنگھ اپنے قبائل اور ہمراہیوں کو ہمراہ لیکر قلعہ سے باہر ہُوا اور کیرت پُور کی طرف رُخ کیا۔ شاہی لشکر نے آنندپُور کو لُوٹ کر گُورو کا تعاقب کیا اور اپنے قول و اقرار کو توڑ دیا۔ دُوسرے دن گُورو گوبند سنگھ کیرت پُور سے چل کر کنول سر بر لبِ دریائے سرسہ پہنچے۔ دریا مذکُور طغیانی پر تھا۔ پیچھے شاہی فوج تعاقب کئے چلی آتی تھی۔ اب جائے ماندن نہ پائے رفتن کا معاملہ ہو گیا۔ گُورو گوبند سنگھ اس طرح گھر گیا جیسا کہ ۹۹ کی جنگ ٹرانسوال میں جنرل کرونجی بوئروں کے چار ہزار آدمیوں کے ساتھ انگریزی افواج کے لاتعداد آدمیوں میں گھر گیا تھا۔ ایک طرف ندی تھی اور دُوسری طرف پہاڑ۔ آخر اپنے تئیں اُس کو حوالہ کرنا پڑا۔ یہی حال گُورو گوبند سنگھ کا تھا۔ پیچھے سے شاہی فوج دبائے چلی آتی تھی اور مشکل یہ تھی کہ گُورو گوبند سنگھ کے ساتھ قبائل اور خورد سال بچّے تھے۔ آخر کچھ سکھوں نے ہمّت کی۔ گُورو گوبند سنگھ کے بچّوں اور قبائل کو عبُور کر کے پار لے گئے۔ مُسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ گُورو گوبند سنگھ کے باقی بچے ہُوئے ہمراہی سامنے ہُوئے مگر تابِ مقابلہ نہ کر سکے منتشر ہو گئے۔

گُورو گوبند سنگھ معہ دو بڑے بیٹوں کے اور چالیس ہمراہیوں کے چمکور میں داخل ہُوئے اور ایک چار دیواری میں داخل ہو کر پناہ لی۔ سکھوں نے اس بھاگ دوڑ میں گُورو گوبند سنگھ کی دو بیویاں دہلی پہنچا دیں اور والدہ گُورو گوبند سنگھ معہ دو بچّوں کے ایک برہمن گنگارام نامی اپنے قدیمی رسوئیے کے گھر پناہ گزیں ہُوئیں۔ اُن کی دردناک کہانی اب آگے سنائیں گے۔ اُن کو یہاں چھوڑ کر ہم آپ کو چمکور کے میدان میں لے جا کر گُورو گوبند سنگھ کے وُہ کارنامے دکھاتے ہیں جن کی نظیر ساری دُنیا کی تاریخ میں ایک بھی نظر نہیں آتی۔

گُورو گوبند سنگھ صِرف چالیس ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ چمکور میں داخل ہُوئے اور شاہی فوج ہندُو راجگان جو اِن کے تعاقب میں تھی، اِس سے آگاہ تھی کہ گُورو گوبند سنگھ کے پاس اب فوج نہیں رہی اور وُہ نہایت مختصر جماعت کے ساتھ ایک چار دیواری میں مثل شیر کے پنجرے میں بند ہے۔ ایسے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اُس کا تعاقب نہیں چھوڑنا چاہیئے اور زندہ گرفتار کرنے کا ایسا سہل موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ شاہی فوج نے وہاں جا کر اُس مکان محاصرہ کر لیا۔

اب دیکھیئے کہ کیا نازک موقع ہے۔ کجا لشکر شاہی اور کجا بے سر و سامان سکھ۔ کوئی ساری دُنیا کی تواریخ کے ورق اُلٹ کر دکھادے کہ چالیس آدمیوں کے ساتھ کسی جرنیل یا سپہ سالار یا بادشاہ نے لشکر شاہی کا جس میں ہزاروں کی گنتی ہو، مقابلہ کیا ہو۔ یا اُن کے سامنے مردِ میدان بننے کی کوشش کی ہو۔ اور اس لشکر عظیم سے پھر نکل گیا ہو۔ ایسی کوئی نظیر دُنیا کی تواریخ میں نہیں ملتی اور نہ ملے گی۔ وُہ بُزدل نہیں تھا، وُہ کائر نہیں

ہُوا، وُہ گھبرایا نہیں، حفاظتِ جان کے لئے وُہ نہیں بھاگا۔ بلکہ اِس لئے بھاگا کہ وُہ پھر تازہ ہو کر اپنے پُوتر ادویش کو پُورا کرے۔ اگر وُہ بُزدل اور بے حوصلہ ہوتا تو وُہ اپنے بیٹوں کو ہمراہ لے کر بھاگتا۔ نہیں نہیں وُہ دونوں بیٹوں کو اُس میدان میں اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرا کے اور اپنے لختِ جگروں کے خُون سے اس پریم سندیسہ پر دستخط کر کے وہاں سے نکلا جو اپنے اپاہج، ناشکر گزار، بُزدل، بے غیرت اور بے حمیت قوم ہندُو کے لئے لایا تھا۔ اُس نے اِس پیغام پر اپنے دو نوجوان بیٹوں کے خُون سے دستخط کئے اور دو معصُوم بچّوں کی شہادت (بلیدان) سے اس دستاویز کی شہادت (گواہی) بہم پہنچائی۔

کون ایسا بُزدل ہے کہ دل میں خُون رکھتا ہو۔ کون ایسا بے صبر ہے کہ چشمِ بینا رکھتا ہو۔ کون ایسا کوڑھ مغز ہے کہ دماغ میں فخر رکھتا ہُوا گُورو گوبند سنگھ پر بُزدلی اور بے حوصلگی کا اتہام دے سکے۔ دُنیا میں کسی نے ایسی دلیرانہ اور ایسی بے باکانہ، ایسی عالیشان اور ایسی بیخوف جُرأت نہیں دکھائی۔ نپولین کے سامنے شہنشاہانِ جرمن اور رُوس نیز آسٹریلیا نے لاکھوں کی فوج کی موجودگی میں اپنے تئیں حوالے کر دیا تھا۔ مِصر کے اسلام نے نپولین کے سامنے ہزاروں نے اپنے تئیں حوالہ کرنے میں عار نہیں سمجھا تھا۔ حال کی لڑائی میں کرونجی جیسے دل چلے بوئر جرنیل نے افواجِ انگریزی کے سامنے باوجودیکہ کئی توپیں اور چار ہزار سپاہ موجود تھی، اپنے تئیں حوالے کر دیا تھا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کی ہمّت کا ذرا انصاف سے موازنہ کرو کہ صرف چالیس آدمیوں کے ساتھ جب اُس کو چمکور کی چار دیواری میں پھنسے اور گری ہُوئی حالت میں بادشاہی فوج کے جرنیل نے پیغام بھیجا کہ اب تُم اپنے تئیں شاہی فوج کے حوالے کر دو اور اپنے

خالصہ کو خیر باد کہو، تو گُورو گوبند سنگھ نے اپنے تئیں حوالے نہیں کر دیا بلکہ اُس کے بیٹے نے اِس پیغام پر تلوار سے جواب دیا اور وہاں ہی قاصد کو کھیت کر دیا اور اپنے ایک سکھ کے ہاتھ جواب بھیجا کہ اکال پُرکھ کی آ گیا خالصہ دھرم چھوڑنے کی نہیں ہے بلکہ خالصہ دھرم پھیلانے کی ہے اور باوجودیکہ صِرف گنتی کی چالیس جانیں اُس کے پاس باقی تھیں۔

تاہم چالیس کے ساتھ بقول اپنی قوم کے 'چڑیوں سے میں باز مُڑاؤں تبھی گوبند سنگھ نام کہاؤں' اُس نے شاہی فوج کا مقابلہ سارا دِن کیا۔ کیا یہ کہنا سچ نہ ہوگا کہ ایسا مہاپُرش اور بیر نہ چشمِ زمانہ نے کبھی دیکھا اور نہ کبھی زمانے نے پیدا کیا۔ ساری قومیں اپنے بہادروں اور شہیدوں پر جس قدر فخر کریں زیبا، لیکن جو فخر ہندُوؤں کو خالصہ کو گُورو گوبند سنگھ پر ہے اُس کا مقابلہ رُوئے عالم میں شش درجہان میں اور کوئی قوم نہیں کر سکتی کیونکہ ایسی مثال کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ گُورو گوبند سنگھ چمکور کے قلعہ میں یا ایک چار دیواری میں گھرا ہُوا سارا دِن اپنے چالیس جوانوں کو سامنے کرتا ہے۔ ہر گز اور ہر موقع پر خُود تلوار لے کر پہنچتا ہے اور اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے لختِ جگر کو اپنے اودیش پر خُون نچھاور کرتے ہُوئے دیکھتا ہے اور اُف نہیں کرتا۔ افسوس نہیں کرتا۔ ملال نہیں کرتا اور اپنے اودیش کو نہیں چھوڑتا۔

رُستم زماں کا قِصہّ آپ کو یاد ہے کہ جب اُس نے اپنے بیٹے کو غلطی سے قتل کیا تھا اور معلُوم ہونے پر کس قدر گڑگڑایا تھا۔ بیہوش ہو ہو جاتا تھا۔ نپولین جیسا بہادر رُوس کی لڑائی میں اپنے ایک جرنیل کے مرنے پر آنکھوں مین آنسُو لے آیا تھا۔ رام

چندر اپنے بھائی کے مُور چھت (بے ہوش) ہونے پر رُدن یعنی غم کرنے سے تھکتا نہ تھا اور ہنُومان کو پہاڑ سے جیون بُوٹی لانے کو کہتا تھا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ ہی تھا کہ اپنے بڑے بیٹے کا بلیدان دے کر بھی ہمّت نہیں ہارا تھا اور وُہ مہابلی اپنے کام پر بدستُور تُلا ہُوا تھا۔ بڑے بیٹے اجیت سنگھ کے مرنے کے بعد چھوٹا بیٹا جو جھار سنگھ جس کی عُمر ابھی ۱۵۔۱۴ سال تھی، باپ کے پاس آتا ہے اور پُوچھتا ہے، پتا جی! کیا اُس کو اپنے دُشمنوں کے ساتھ جنگ کرنے اور بھائی کا انتقام لینے کی اجازت ہے تو گُورو گوبند سنگھ اپنے بیٹے کی نوجوانی اور پدری ماتما کا کچھ خیال نہ کر کے اُس کی یقینی موت کو سامنے دیکھتا ہُوا کہتا ہے کہ ہاں بیٹا جاؤ اور اپنے خُون سے میرے دستاویز کی شہادت پُوری کرو تا کہ میں تمہارے اور تمہارے بھائی کے خُون سے اُس پر دستخط کروں میرا معاہدہ تکمیل پاوے۔

بیٹا جانے سے پہلے پانی کی آرزُو کرتا ہے اور باپ جواب دیتا ہے کہ بیٹا! اِس پانی کی تُم کو ضرُورت نہیں۔ جاؤ تمہارا پانی وُہ خُون ہے جو تُم اپنے بلیدان سے بہاؤ گے۔ تُم میدانِ جنگ میں شربتِ شہادت پیئو۔ اور یہ تمہارا پیاسا رہنا اس امر کا نشان ہو گا کہ خالصہ دھرم اپنے دھرم کے مخالفوں کی جان کا پیاسا ہے۔ جس راستے تمہارا بھائی سورگ کو گیا ہے، اُسی راستے تُم جاؤ۔ خلف الرشید بیٹا، بے مثال اور بے نظیر بیٹا ایک ہاتھ میں اپنے حُسن اور جوانی اور دُوسرے ہاتھ میں تلوار اصفہانی، باپ کی آنکھوں کے سامنے گُورو گوبند سنگھ کی وصیت کے نشان لے کر رن بھُومی میں کودتا ہے اور اپنے بھائی کی طرح اپنا لہُو ہندُو دھرم کے بچانے کے لئے نچھاور کرتا ہے۔ کیا گُورو گوبند سنگھ بُزدل تھا، کیا گُورو گوبند سنگھ کائر تھا۔ نہیں نہیں وُہ رُوسیاہ ہے جو ایسا کہے۔ اُس کے مُنہ

میں خاک جو یہ ادّعا کرے۔ اگر وُہ میدان سے نکلا تو محض اس اُمیّد میں کہ 'دُنیا بہ اُمیّد قائم است'۔ شائد آئندہ زمانہ میں وُہ دیش اور دھرم کی کوئی خدمت کر سکے۔ اگر وُہ بے مہر ہوتا تو کیا وُہ اپنے بیٹوں کو بچا کر ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا اور اُن کو بھگا نہیں سکتا تھا۔ لیکن نہیں خُود اُس نے اپنے بیٹوں کا لہُو ایسے نکتہ چینوں اور زبان درازوں کے پیش کیا تھا شام تک چالیس سکھ لڑتے بھڑتے رہے اور ۳۸ تو میدان میں کام آئے اور صِرف گُوروگوبند سنگھ اَور اُن کے تین سکھ دھرم سنگھ، مان سنگھ اور دیا سنگھ نام کے باقی رہ گئے تھے۔ ذرا دیکھنا چار آدمیوں کو لشکر شاہی گرفتار نہیں کر سکتا اور رات کو اُس مکان کا دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ بخوف رُعب گُوروگوبند سنگھ کوئی اُس مکان میں داخل نہیں ہوتا۔ لشکر شاہی کا پہرہ ہوتا ہے۔ لیکن وُہ بے نظیر بہادر اور بیمثال شجاع وہاں سے میدانِ جنگ کو نظرِ عبرت سے دیکھتا ہُوا اور آخیری واقعہ اپنے پیارے بیٹوں کے مُنہ اور اپنے پانچ پیاروں کے ہاتھ چُومتا ہُوا نکل ہی جاتا ہے اور اپنے بیٹوں کی نعشوں کے ساتھ اپنے پانچ پیاروں کی نعشیں وہاں ہی چھوڑ جاتا ہے۔ کون سی چیز پیاری تھی جو گُوروگوبند سنگھ نے قوم سے دریغ کر رکھی ہو یا اُٹھا رکھی ہو۔

گُوروکا چمکور کے میدانِ جنگ سے نکل جانا اور اُسکی تکالیف اور معصُوم بچوں کا قتل

گُورو وہاں سے کس طرح نکلا۔ کہا جاتا ہے کہ بچے ہُوئے سکھ ہمراہیوں نے اُس مکان سے باہر نکل کر شور مچایا کہ ہندُوؤں کا پیر نکل چلا ہے۔ فوج شاہی میں کھلبلی مچ

گئی۔ اور دُوسری طرف موقع دیکھ کر اندھیری رات کے سایہ میں گُورو گوبند سنگھ باہر نکل گئے اور پا برہنہ باداغِ دِل جنگل کی راہ لی۔

گُورو گوبند سنگھ کی غم انگیز کہانی کو یہاں چھوڑ کر ناظرین آپ کو اُس کے دو چھوٹے بچّوں کی درد آمیز اور رِقت خیز قُربانیوں کا ذکر سُناتے ہیں۔ جب آنند پُور سے نکلنے پر فوجِ شاہی نے گُورو گوبند سنگھ کا تعاقب کیا اور چند سکھ مُشکل سے دریا کے پار ہو کر گُورو گوبند سنگھ کی بیویوں کو تو دہلی کی طرف لے گئے۔ گُورو گوبند سنگھ کی والدہ نے علاقہ روپڑ میں بمقام موضع کھیڑی اپنے قدیمی نمک خوار ایک برہمن گنگارام نامی رسوئیے کے گھر پناہ لی۔ گُورو گوبند سنگھ کی والدہ کچھ زر و جواہر ساتھ لیتی گئی تھی۔ اُن کے طمع میں برہمن کی آنکھیں بدل گئیں اور وُہ نمک حرامی پر تیار ہو گیا۔ ہر چند اُس کی بیوی نے اُس کو سمجھایا مگر اُس نمک حرام نے تمام حقُوقِ خدمت پر پانی پھیر کر طوطا چشمی اختیار کی اور زر و جواہر کی چمک سے اُس کی مروّت کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اُس نے نواب جانی خاں ماتحت صُوبہ سرہند کو خبر کر دی کہ گُورو گوبند سنگھ کے چھوٹے بیٹے اُس کے مسکن میں پناہ گزیں ہیں۔ برہمن ایک ایسی قوم ہے جو عرصہ دراز سے ہندُوؤں کے جسم سے جونک کی طرح خُون چُوس کر گزارہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اِن کو اپنی غرض اور پیٹ کے لئے اپنے آقا، راجہ، مالک اور قوم نیز اہلِ وطن سے دغا کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں ہے۔ ہندوستان کی ساری تاریخ اِن کی دغابازیوں اور نمک حرامیوں، خُود غرضیوں اور نفس پرستیوں سے پُر ہے۔ ان کو نہ مانگنے سے شرم ہے اور نہ گداگری سے عار ہے۔ نہ اِن میں مروّت ہے اور نہ احسان مندی کا مادہ۔ غرض اِس

برہمن کی چُغلی پر نواب نے اُن بچّوں کو پکڑ منگوایا اور صُوبہ سرہند کے پاس بھیج دیا۔ اُس کو برہمن کی اِس بدذاتی کا بھی باعث معلُوم ہو گیا اور اُس سے وُہ زروجواہر جن کے نشے میں وُہ بہک گیا تھا، لیکر اپنے تصرّف میں لایا اور اِس خدمت کا عوضانہ اِس 'دیوتا' کو یہ ملا کہ صِرف اُس کی جان بخشی کی گئی۔

گُوروگوبند سنگھ کے جو دو بچّے صُوبہ سرہند کے سامنے لائے گئے ایک کا نام زور آور سنگھ تھا اور دُوسرے کا نام فتح سنگھ۔ پہلے کی عُمر ۹ سال اور دُوسرے کی ۷ سال۔ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ جب یہ صُوبہ سرہند کے رُوبرُو پیش ہُوئے تو اُن کو ایک برُج میں قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ برُج اب تک چنڈال برُج کے نام سے مشہُور چلا آتا ہے۔ دُوسرے دِن یا چند دِن بعد اِن دونوں نونہالانِ چمن گُوروگوبند سنگھ کو اپنے رُوبرُو بُلایا اور کہا کہ لڑکو! 'تُم اسلام قُبول کرلو اور مُسلمان ہو جاؤ اور پھر مزے سے شاہانہ زندگی بسر کرو ورنہ تُم کو قتل کر دیا جائے گا اور تلوار کے گھاٹ پار اُتارا جائے گا۔'

اَے اہلِ زمانہ کیا آپ کو معلُوم نہیں ہے کہ اُن معصُوم ناز پروردہ ننھے بچوں نے کیا جواب دیا؟ وُہ جواب دیا کہ جو گُوروگوبند سنگھ کے بچوں کے شایاں تھا۔ جو گُوروگوبند سنگھ کی عِزّت اور افتخار کا باعث تھا۔ جس کی اِس عُمر کے بچوں سے کبھی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔ اَور وُہ جواب یہ تھا کہ 'ہم گُوروگوبند سنگھ کے لختِ جگر ہیں۔ ہم شہید القوم اور فنائی الوطن کے نُورِ چشم ہیں۔ ہم میں اپنے بہادر باپ اور بیر پِتا کا خُون ابھی تک زندہ ہے۔ اِس لئے ہم اسلام کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور اس کو کسی طمع یا اُمید میں قُبول نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے خالصہ دھرم کو اپنی نقد جان کے عوض فروخت

نہیں کرنا چاہتے۔ اگر جان جاتی ہے تو جانے دو۔ پروا نہیں ہے۔ لیکن اکال کی آگیا کو بھنگ کر کے ہم اپنے دیش اور دھرم کے دُشمنوں کا دین نہیں اختیار کر سکتے'۔ بڑے بیٹے نے یہ دلیرانہ اور بیباکانہ تقریر کی اور ساتھ ہی بے دھڑک ہو کر کہا 'کیا اسلام قبول کرنے سے ہم آخر موت کے پنجہ سے بچ سکتے ہیں؟ جب مرنا برحق ہے تو ہم کو اپنے باپ کے اور دیش کے لئے مرنا چاہئے اور ہم اس کے لئے تیار ہیں'۔ صُوبہ سرہند اِن ننھے بچّوں کی ایسی بیباکانہ اور آزادانہ تقریر سُن کر ششدر اور حیران رہ گیا۔ غُصّہ میں پیچ و تاب کھا کر دونوں کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

ساری دُنیا بے درد نہیں اور نہ سارے دِل سیاہ ہوتے ہیں۔ نواب شیر محمد خاں کوٹلوی نے صُوبہ کو کہا کہ اِن ننھّے بچّوں کا کیا قصُور ہے؟ قصُور باپ کا اور سزا اِن کو دی جائے، یہ کہاں کا انصاف اور کیسی شرع ہے؟ صُوبہ شائد خُون بے گناہان سے ٹل جاتا۔ مگر اُس کے دیوان سچانند کھتری نے جس کی گُورو گوبند سنگھ سے ناسازی تھی کہا کہ: 'افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن کارِ خردمندی نیست۔ چرا کہ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔ اِن بچّوں کو بچانا بالکل غیر مناسب ہے'۔

اَے بھارت بھُومی! یہ تیری سنتان کا حال ہے۔ اپنے برہمن بیٹے کا تُم نے وُہ حال دیکھا۔ کھتری بیٹے کو بھی اب دیکھ۔ دیوان جی کی دُشمنی تو باپ سے ہے اور انتقام لیتے ہیں اُن کے خُورد سال بچّوں سے۔ اَے بھارت بھُومی! تُجھے اَیسے ہی خُود غرض اور کمینہ خصلت اولاد نے پیڑت کرر کھا ہے۔ اَے بھارت بھُومی تیرے ہی اَیسے بد اخلاق اور حسد سے معمُور پُتروں نے تُجھے یہ دُکھ پہنچایا۔ جب تیرے اپنے بچّے بھائیوں کے

خُون کے پیاسے ہوں، بُغض اور انتقام میں اپنے ہی بھائیوں کا لہُو پییں تو پھر بتا اَور کسی پر کیا گلہ اور کیا شکوہ۔ جب تیری اَولاد آپس میں کٹ مرنے کو تیار ہو اور ایک دُوسرے کی خُون آشام ہو، تو پھر تیری حفاظت کون کرے؟ تُم نے اپنے دو بڑے درجے والے پُوتوں یعنی برہمن اور کھتری کا حال دیکھ لیا۔ مسکین چھوٹے بھائی شُودر کا ہاتھ گُورو گوبند سنگھ نے پکڑا ہے کہ وُہ تیری حفاظت کریں۔ لیکن یہ بڑے بھائی اِس کو اِس دُنیا میں کب اُبھرنے دیں گے؟ اَے بھارت بھُومی! اپنے پُتروں کے لئے تُم ایشور سے پرارتھنا کرو کہ وُہ آپس میں محبت کرنا سیکھیں اور ایک دُوسرے کے ساتھ اخُوّت پیدا کریں۔

قِصہّ مُختصر ایک دو دن کا وقفہ ڈال کر پھر بچوّں کو دعوتِ اسلام دی گئی اور انعام و اکرام اور جاگیرات و عیش و عشرت کے زبانی نقشے اُن کے سامنے کھینچے گئے۔ مگر زور آور سنگھ نے وُہی جواب دیا جو پہلے دِن دیا تھا اور کہا کہ اَے بے مروّت ہم پانچ روزہ زندگی کے لئے اپنے دھرم کو نہ بیچیں گے۔ ہم گُورو گوبند سنگھ کے بیٹے ہیں جو مَوت سے نہیں ڈرتے۔ ہم کو مَوت سے نہ ڈراؤ۔ جو تُمہارے جی میں آئے کر گزرو۔ حیف ہے تُم پر اگر تُم نے اپنے دِل کا ارمان نہ نکالا اور حیف ہو گی ہم پر اگر ہم نے مَوت کا مقابلہ ہنسی خُوشی سے نہ کیا۔

آخر بے درد اور بیرحم صُوبہ نے حُکم دیا کہ اُن کو زندہ دیوار میں چُن دیا جائے۔ دونوں بچوّں کے اِرد گرد دیوار چُنی جانے لگی۔ لیکن بچےّ مُورت کی طرح خاموش کھڑے ہیں، پتھر کی طرح جمے ہُوئے ہیں۔ دیکھنا اُن کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہیں، اُن کے

ہونٹوں پر لرزہ نہیں ہے، اُن کے بازوؤں میں رعشہ نہیں ہے، اُن کے چہرے کا رنگ سفید نہیں ہُوا۔ اُن کی پیشانی پر پسینہ نہیں آیا۔ ہاہاہا! کیا استقلال ہے، کیا حوصلہ ہے، کیا ہمّت ہے، کیا بلیدان کا بل ہے۔ ذرا دِل کو ٹٹولنا۔ وُہ شانت اور بے پرواہ ہے۔ یہ ہمّت اَور یہ رُوح، یہ خُون اَور یہ جوشِ محبت کی بے پروائی اِن کو کس نے سکھائی تھی۔ پیارے پِتا گُورو گوبند سنگھ جی کی عملی زندگی نے۔

جب دیوار ذرا اُونچی ہوتی ہے تو چھوٹا بچّہ آثارِ ملال ظاہر کرتا ہے۔ بڑا بھائی للکار کر کہتا ہے کہ: 'فتح سنگھ کہو واہگورو جی کا خالصہ واہگورو جی کی فتح۔ خبردار اپنے پِتا گُورو گوبند سنگھ جی کی تُم کو قسم ہے۔ اپنے ماتا پِتا کے دُودھ کی تُم کو قسم ہے اگر تُم گھبرائے۔' وُہ سنبھل جاتا ہے اور دیوار تا بسینہ پہنچ جاتی ہے۔ دم گھُٹنے لگتا ہے اور ایسے پیڑت وقت میں اُن کو دعوتِ اسلام اور زندگی، انکار اور موت پیش کیئے جاتے ہیں۔ پھر یہی جواب ملتا ہے کہ ہم کو اِس دیوار کے اُس طرف بہشت نظر آتا ہے۔ ہم کو اِس دُکھ کی ذرا پروا نہیں ہے۔ ہم اپنے خالصہ دھرم کو اِس ملعُون مُوت پر ترجیح دیتے ہیں اور اکال پُرکھ کی آگیا پُوری کرتے ہیں۔

آخر دیوار سر تک پہنچی اور معصُوم بچّے ہمیشہ کے لئے شانت ہو گئے اور اپنی بھارت بھُومی کی گود میں شانتی کے ساتھ لیٹ رہے۔ وُہ تو مر گئے مگر نام کر گئے اور ہندُو قوم کو عمُوماً اور اہلِ خالصہ کو خصُوصاً زندہ کر گئے اور دُنیا کو دکھا گئے کہ وُہ قوم واقعی زندہ ہے جس میں ایسے بچّے پیدا ہوتے ہیں۔ اَور وُہ زمین مُبارک ہے جس کی گود میں اَیسے پُتر پلتے ہیں۔ کہاں ہیں وُہ مردصُورت جو چند ٹکوں کی خاطر اپنے دھرم کو خیرباد کہتے ہیں۔

کہاں ہیں وُہ ریش دراز جو ایک بڑھیا کے لئے اپنا دین گنواتے ہیں۔ کوئی محمد کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور کوئی عیسےٰ کے پیروؤں کی جگہ کو رونق دیتے ہیں۔

اَے اہلِ وطن یہی دو بچے تھے جنہوں نے اپنے باپ کے پریم سندیسہ پر اپنے لہُو سے گواہی لکھی اور خلف الرشید ہونے کا ثبوت دیا۔ کرشن نے جوان اور بلوان ہو کر اپنے باپ کے دُشمنوں کا انتقام لیا۔ اُس کا مقابلہ ہم گُورو گوبند سنگھ کے اِن ننھے مُنے معصُوم بچّوں کی ہمّت اور بہادری سے کِس طرح کریں۔ باپ نے حکم نہیں دیا مگر پھر بھی باپ کے اور دیش کے لئے قُربانی کی۔ کرشن جیسے بلوان اور جوان نہیں مگر اُس سے بڑھ کر ہمّت دکھاتے ہیں۔ اِن بچّوں کے مارنے میں مُسلمانوں نے اُس ظُلم سے کُچھ کم ظُلم نہیں کیا جو خُود اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے معصُوم نواسوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں کیا تھا جِن کو آج تک شیعہ مُسلمان بذریعہ گریہ وزاری اور دیگر مُسلمان بذریعہ سوزِ دِل آج تک یاد رکھتے ہیں۔ لیکن سکھوں نے اُن کے غم کو نہایت حوصلہ سے برداشت کیا۔

جب گُورو گوبند سنگھ کی والدہ نے اپنے ننّھے بچّوں کی اس دردناک اوستھا کا حال سُنا تو غم سے بے ہوش ہو کر زار زار روئی۔ اَیسی دِلسوزی سے گریہ وزاری کی کہ بیان سے اسکا قیاس زیادہ آسان ہے۔ فرطِ غم اور کثرتِ غم میں درودیوار کے ساتھ سر ٹکرا کر یہ کہتی ہُوئی مر گئی کہ میرے لاڈلے بچّو! میرے پیارے پوتو، میرے نونہالو! ذرا ٹھہر جانا۔ میں تُم کو تھپک تھپک کر سُلانے اور لوری دینے کے لئے تُمہارے پاس آیا چاہتی ہُوں۔ وُہ کیا وقت ہو گا اور کیا زمانہ جس کا حال سُننے سے طبیعت گھبراتی ہے اور کلیجہ مُنہ کو آتا ہے اور دِل خُونبار ہو جاتا ہے۔ دیکھنے سے معلُوم نہیں کہ کتنے دُکھ ہوتے اور کتنا فکر

اور درد پہنچتا۔ ایشور ہمیشہ تیری منگل اِچھیا پُوری ہوتی ہے۔

ناظرین! آپ کو اس اندوہگیں نظارے سے نکال کر اب دُوسری طرف لے جانے کی ضرُورت ہے۔ آپ نے چاروں بیٹوں کی جاں نثاری اور شہادت دیکھ لی۔ اب باپ کی درد کہانی سُنو۔

گورو گوبند سنگھ کا حال بعد اس کے کہ وُہ چمکور سے نکل کھڑا ہُوا

اندھیری رات میں وُہ پابرہنہ چلنے لگا۔ کانٹے اور جھاڑیاں نظر ہی نہ آتی تھیں۔ وُہ اُن سے بچ کیونکر سکتا تھا۔ پاؤں زخمی ہو گئے اور لہُو لُہان۔ تاہم وُہ سُورج نکلتے تک چلتا رہا۔ شاہی فوج نے کچھ تو رات کو تعاقب کیا تھا اور کچھ دِن کو۔ نعشوں کے ڈھیر میں اُس کی لاش شناخت نہ کر کے فوج ہر سمت میں تعاقب میں روانہ ہُوئی۔

چُونکہ دِن چڑھ آیا تھا اور اپنا تعاقب کئے جانے کا اِن کو یقین تھا، اِس لئے ایک مقام پر گھنے جنگل میں گُورو گوبند سنگھ زمین پر دوچار ڈھیلے جمع کر کے اَور تکیہ بنا کر سو رہے۔ تھکے ہُوئے تھے اور خبر نہیں کہ کئی راتوں سے نیند نہیں لی تھی نیند آ گئی۔ ایسے موقعہ کے مناسب حال کسی شاعر نے کیا خُوب کہا ہے ؎

خشت زیرِ سر نہیں یاں تکیہ تھا زانُوئے دوست

رات کو بھی وہاں ہی رہے اور کھایا پیا کچھ نہیں۔ اِس مقام پر اب گوردوارہ بنا ہُوا ہے۔ پچھلی رات کو چل کر قصبہ ماچھیواڑہ کے مشرق میں ایک باغ میں اپنے تئیں

پوشیدہ کر رکھا۔ اس باغ میں اِن کی یاد میں ایک مکان چرن کمل کے نام سے بنا ہُوا ہے۔ وہاں نبی خاں اور غنی خاں دو پٹھان بھائی اپنے باغ کی سیر کو آئے اور گُورو گوبند سنگھ کو شناخت کر لیا جس کے پاس وُہ عمُوماً گھوڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اور اُن کی صُورت اور وضع سے قیاس کیا کہ میدانِ جنگ سے بھاگ آئے ہیں۔ اگرچہ مُسلمان تھے مگر کسی وقت کے گُورو کے گرویدۂ احسان تھے۔ اِن میں اس قدر لیاقت اور بل موجود تھا کہ وُہ اپنے احسان کو یاد رکھیں اور احسان فراموشی کا کمینہ داغ نہ اُٹھائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے بجائے اس کے کہ گُورو کو نُقصان پہنچائیں یا اُس کو افشا کریں، بہلولپُور تک اپنی حفاظت میں پہنچا دیا۔

اِس مقام پر تین سکھ جو چمکور کے میدان سے باقی بچ کر اُس رات کو شور کرتے تھے کہ گُورو بھاگ گیا وُہ بھی فوج کی کھلبلی میں بھاگ کھڑے ہُوئے۔ راستے میں مُسلمانوں کا بھیس بدل کر تلاش کرتے کرتے گُورو گوبند سنگھ کے پاس یہاں پہنچے۔ اِس نواح میں شاہی لشکر کا ایک حِصّہ بھی گُورو کی تلاش میں پہنچ گیا۔ گلاب سنگھ ایک سنگھ کے گھر میں پناہ لی۔ وُہ خُود گُورو کو بہلول پُور میں قاضی پیر محمد یا میر محمد کے گھر پہنچا آیا۔ یہ قاضی گُورو کا لڑکپن کا ہم سبق یار تھا۔ اُس نے پناہ دی اور شرط مروّت اور موانست کو پُورا نبھایا۔

یہاں قاضی پیر محمد کے مکان میں مشورہ ہُوا اور آخر یہ تجویز ہُوئی کہ غنی خاں اور قاضی ساتھ ہوں۔ گُورو اُس زمانہ کے مُسلمان پیر کا لباس اختیار کریں اور اُن کو اُوچ کا پیر مشہُور کر کے ملک مالوہ میں پہنچا دیں۔ اُس زمانہ میں دستُور تھا کہ پیر جی کو چارپائی پر

بٹھا کر ایک گاؤں سے دُوسرے گاؤں میں لے جاتے تھے۔ اسی تدبیر پر عمل کیا گیا۔ ہمراہی تین سکھوں نے بھی مُسلمانوں کا لباس پہنا۔ گُورو نے نیلی پوشاک پہنی اور اُن کو چارپائی پر اُٹھا کر اُوچ کا پیر مشہُور کرتے ہُوئے گاؤں بہ گاؤں پھراتے ہُوئے مالوہ کی طرف روانہ ہُوئے۔

یہ کیسی مبارک پارٹی تھی۔ گُورو گوبند سنگھ بڑی ہمّت اور دلیری کو کام میں لائے کہ مُسلمانوں کے ہاں پناہ لی۔ اور یہ عجیب معلُوم ہوتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ نے ایسے نازک وقت پر مُسلمانوں کے ہاں کیوں پناہ لی جہاں خطرہ زیادہ تھا اور اُمیّد کم۔ معلُوم یہ ہوتا ہے کہ اُس نبض شناس کو کوئی سکھ اِس نواح میں نظر نہ آیا ہو گا جس کے ہاں وُہ پناہ لیتے۔ ہندُوؤں کی بُزدِلی اور خُود غرضی پر اُن کو بھروسہ نہ ہو گا۔ واقعی اگر وُہ کسی کھتری یا براہمن کے گھر پناہ لیتے تو ضرُور شربتِ مرگ اُن کے نذر ہوتا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے اپنی تجربہ کار آنکھ سے دیکھ کر یہ مناسب خیال کیا ہو گا کہ "از بیم بلا در بلا بُودن بہ۔

چنانچہ اُن کا تجربہ صحیح نکلا اور مُسلمانوں نے اُن کو پناہ دی اور ملک مالوہ تک آخر لے ہی گئے۔ مُسلمان پیر کی صُورت میں موضع گھنگرالے پہنچے۔ وہاں جھنڈا مستری سے ہمراہیوں کے لئے ہتھیار خریدے اور وہاں سے موضع ہیر میں مہنت کرپال داس کے ڈیرے میں پہنچے۔ اِس نے اُن کو اپنے مکان میں نہ رہنے دیا کہ بادشاہ کے باغی کو وُہ اپنے مکان میں جگہ نہیں دے سکتا۔ ذرا مہنت کا حوصلہ بھی دیکھنا۔

رائے کلہ رئیس رائے کوٹ کے مسکن جٹ پُورہ میں پہنچے۔ اُس نے گُورو کی خاطر مدارات کی۔ وُہ بھی مُسلمان تھا اور وہاں سکھوں نے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ گُورو

گوبند سنگھ کے نذر کئے۔ یہاں پر گورو گوبند سنگھ کو اپنے دو خورد سال صاحبزادوں اور والدہ کے مرنے کی خبر ملی جس کو اپنے غیر معمولی حوصلہ سے سُنا اور ایشور کی منگل اِچھیا پُورن ہونے پر شانتی ظاہر کی اور گورو نے کہا جو کچھ ہُوا سو ہُوا لیکن ایک دِن آئے گا کہ خالصہ سرہند کی ایک ایک اینٹ جُدا کر کے اپنے معصُوم بھائیوں کا انتقام لیں گے۔ یہ ایک قسم کی پیش بینی کی صُورت میں سکھوں کے لئے گورو کی وصیت تھی جو پُوری ہُوئی

پھر وہاں سے چند مواضعات شیخُوپُورہ، دھنولہ، نامگرہ سے گزرتے ہُوئے بماہ مگھر سمت ۱۷۶۱ بمقام دینہ پہنچے۔ یہاں گورو گوبند سنگھ نے کچھ دِن آرام کیا اور اپنی حالت کو کچھ سنبھالا۔ مالوے کے چند سنگھ جمع کر کے اسلحہ بہم پہنچایا اور سکھوں سے نذریں حاصل کیں اور یہاں سے ایک خط ملے ہُوئے فارسی اور پنجابی بھاشا میں نظم کر کے اورنگزیب کے پاس بھیجا۔ یہ خط 'ظفر نامہ' کے نام سے منسُوب ہے۔ اگرچہ اس خط کے مضمُون کو غیر فارسی دان سکھوں نے گورمکھی زبان میں لکھ کر بہت کچھ ناقابلِ فہم بنادیا ہے لیکن جو کچھ اُس سے پتہ چلتا ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ اورنگزیب نے اُسے دربار میں وعدہ وعید دے کر بُلایا اور قسمیں درمیان میں لایا۔ بجواب اُس کے گورو گوبند سنگھ نے بڑے شدّومدّ سے لکھا کہ اُس کو اورنگزیب کے قول و قرار پر اعتبار نہیں ہے۔ وُہ بے ایمان ہے اور بے دین۔ اُس شخص کے وعدہ اور قسموں پر اعتبار کرنا آسان نہیں ہے۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُس کو لکھا کہ وُہ مظالم اور بے رحمیوں سے باز آجائے ورنہ خُدا کے سامنے اُس سے اِس بابت کوئی جواب نہ بن پڑے گا اور نہ کوئی صفائی اُس کے اعمالِ بد کی ہوگی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وُہ خُود اب دُنیا سے کوئی

علاقہ نہیں رکھتا۔ محض اس کی تخریب کے لئے وُہ اور سکھ ہمیشہ تیار رہیں گے اور اُس کی بیخ کُنی کے لئے وُہ ہمیشہ سعی کرتے رہیں گے اور سکھ انتقام لے کر آرام کریں گے۔

مضمُونِ خط ثابت کرتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ بلا کا بہادر اور نڈر تھا۔ دینہ سے چل کر گُورو گوبند سنگھ مختلف مواضعات سے گزرتے ہُوئے کوٹ کپورہ پہنچے۔ رائے کپورہ نے گُورو کی سیوا کی اور کئی گھوڑے ہتھیار اور نقد بھی نذر کیا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کی اُس خواہش کو پُورا کرنے سے انکار کیا کہ وُہ گُورو گوبند سنگھ کو کوٹ کپورہ میں رکھ کر بادشاہی افواج کے مقابلہ کے لئے تیاری کرنے کی مہلت دیوے اور خُود بھی اُس کے ساتھ شامل ہو۔ وہاں سے گُورو گوبند سنگھ ناامید اور ناراض ہو کر آگے بڑھے۔ موضع ڈھلواں کلاں میں پہنچے۔ سوڈھی کول صاحب پرتھی چند کی اولاد سے یہاں رہتے تھے۔ وُہ گُورو گوبند سنگھ کو بڑے تپاک سے ملے اور اُنہوں نے گُورو گوبند سنگھ کو کہا کہ اب نیلا لباس اُتار دینا مناسب ہے۔ چنانچہ گُورو گوبند سنگھ نے نیلا لباس اُتار کر آگ میں ڈال دیا۔ اُنہوں نے یہ کپڑے آگ میں کیوں جلائے؟ اِس لئے کہ سکھ اُن کو اپنے پاس رکھ کر اُن کی پُوجا نہ کرتے پھریں۔

اگرچہ آپ کی یہ احتیاط بہت دانشمندانہ تھی لیکن وُہ قوم جو اُس کی قدم قدم پر احسان مند تھی یعنی سکھ، کب اُس کی یادوں اور تبرّکوں کو اپنے پاس رکھنے سے باز آسکتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے کئی تبرّک قائم رکھے۔ مثلاً نشان صاحب، چولا صاحب جو آجکل مشہُور اور منجملہ گُوروؤں کے تبرّکات کے ہیں۔ لیکن افسوس کہ اُن کی ایک گُونہ پرستش کی جاتی ہے اور اُن کو ذریعہ معاش بنایا جاتا ہے۔ یہ مذمُوم ہے۔ لیکن تبرّکات کا

رکھنا اپنے بزرگوں کی تعظیم، احسان مندی اور شکر گزاری کا نشان ہے۔ اِس مقام پر وُہ سکھ اپنے گورو کی خدمت میں حاضر ہُوئے جنہوں نے آنند پُور کے معرکہ جنگ میں گورو کا ساتھ چھوڑا تھا اور گورو سے عفو تقصیر کے خواہشمند ہُوئے اور بھائیوں نے سب کو شرمندہ اور ذلیل کیا کہ تُم اَیسے نازک وقت میں اپنے گورو کا ساتھ چھوڑ کر کیوں نکل آئے۔ اُن کا وہاں رہنا مشکل ہو گیا تھا اور وُہ اہلِ وطن کی نظروں سے گر گئے تھے۔ اِس لئے ناچار اُن کو پھر اپنے گورو کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

اِس سے معلُوم ہوتا ہے کہ خالصہ دھرم کی بزرگی اور گورو گوبند سنگھ کی محبت ہر ایک دل میں گھر کر گئی تھی اور ہر ایک دِل سے چاہتا تھا کہ وُہ گورو کی خدمت کرے۔ گورو گوبند سنگھ کا مشن اُس وقت تک بالکل عام پسند ہو رہا تھا۔ چُونکہ اِس اثنا میں صُوبہ سرہند کو خبر ملی کہ گورو گوبند سنگھ موضع ڈھلواں کی طرف منڈلا رہا ہے اور پھر سکھ اس کے ماتحت جمع ہو رہے ہیں۔ کچھ اس کو اورنگزیب کے تعمیلِ حکم اور کچھ اپنے اعمال کا خطرہ اِس بات پر آمادہ کرتے تھے کہ گورو گوبند سنگھ کو بالکل نابُود اور کمزور کیا جائے۔ وُہ اپنی فوج لے کر پھر گورو گوبند سنگھ کے تعاقب میں روانہ ہُوا۔ گورو گوبند سنگھ کو جب خبر پہنچی تو پھر ایک دفعہ میدانِ جنگ میں آنے کے لئے تیار ہو گیا اور ہر طرف سے سکھوں کی ایک مختصر جماعت جو مل سکی، تیار کر کے میدان میں نکلا۔ گورو گوبند سنگھ میدانِ صحرا کھندرانہ میں مورچہ بنا کر صُوبہ سرہند کے حملہ کا انتظار کرنے لگا۔ آخر وزیر خاں صُوبہ سرہند وہاں گورو کے تعاقب میں پہنچا اور تاریخ یکم ماگھ سمت ۱۷۶۲ کو لڑائی کا میدان گرم ہو گیا۔ سکھ بڑی مردانگی سے جان توڑ کر لڑے۔ لاشوں کے ڈھیر

جمع ہو گئے۔ اس میدان میں پانی کے ذریعہ کو سکھوں نے قابُو کر لیا۔ مُسلمان لشکر کو پانی نہ ملنے کے باعث تکلیف ہُوئی۔ وزیر خاں نے پانی کے چشمہ کو قابُو کرنے کے لئے کئی بار حملہ کیا لیکن پسپا ہُوا۔ پانی کی تکلیف سے لشکر گھبرا گیا۔ آخر وزیر خاں نے میدان چھوڑ کر مراجعت کی۔ سکھوں نے تین چار کوس تک تعاقب کیا اور اِس لڑائی میں بہت سا نقصان مُسلمان فوج کو پہنچا۔ آخر میدان گُورو گوبند سنگھ کے ہاتھ رہا اور مُسلمان شکست کھا کر واپس سرہند چلے گئے اور آئندہ تعاقب گُورو گوبند سنگھ کا چھوڑ دیا کیونکہ اب ویران جنگلوں میں مزید تعاقب مشکل ہو گیا تھا۔

اِن واقعات سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ اپنے اودیش کو پُورا کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اور موقعہ کا منتظر تھا۔ نیز چمکور کے میدان سے نکل آنا کسی قسم کی بُزدلی یا خوف کے باعث نہ تھا بلکہ کسی آئندہ موقعہ پر کام کے لئے زندگی کو محفُوظ رکھنے کا تھا کیونکہ وُہ اپنی زندگی تو اپنی قوم کے لئے دے چکا تھا۔ اور اِس قوم کے کام میں اُس نے اپنی قیمتی زندگی خرچ کرنی تھی۔ لیکن کام بہت کرنا تھا۔ اور جو کچھ ہُوا تھا وُہ ابھی تک مکمّل نہیں ہُوا تھا۔ ایک امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اِس لڑائی میں رائے کپُور اجو گُورو گوبند سنگھ کے ساتھ مُسلمانوں کے مخالف لڑنے سے انکار کرتا تھا، وُہ مُسلمانوں کے ساتھ گُورو گوبند سنگھ کے مخالف میدان میں آیا تھا۔ گویا ہندُوؤں سے گُورو گوبند سنگھ کو امداد تو کجا، ہر وقت مخالفت کی اُمید تھی۔ کیونکہ ہندُو ناخُدا شناس اور ناسپاس ہو گئے تھے۔ قومیّت کی محبت ان میں چھو بھی نہیں گئی تھی۔

اُس وقت کے ہندُو بھی معلُوم ہوتا ہے کہ چشمِ بصارت سے محرُوم تھے یا کُوڑ مغز

تھے۔ باوجودیکہ گُورو گوبند سنگھ کا اودیش ڈنکے کی چوٹ ظاہر کرتا تھا۔ لیکن خُود ہندُو اُس کی مخالفت کیئے جارہے تھے اور اُس کے دُشمن سے مِل کر تلوار اُٹھاتے تھے۔ خَیر جب مُسلمان رزمگاہ کو پُشت دیکر چلے گئے توگُورو گوبند سنگھ اپنے اپنے سکھوں کی لاشوں میں خُود جاکر اُن کے مُنہ پر اپنے رومال کے ساتھ خُون پونچھتا رہا اور یہ کہتا رہا شاباش بہادرو! تُم تلوار کے راستہ سُورگ میں چل بسے۔ مہاں سنگھ ماجھہ کے بدن میں کچھ جان باقی تھی۔ گُورو نے اُس کے مُنہ میں پانی ٹپکایا اور اُس نے آنکھیں کھول کر جو دیکھا، تو گُورو گوبند سنگھ کو سامنے پایا۔ موقعہ دیکھ کر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا اور گُورو گوبند سنگھ کو ناتواں آواز میں کہا کہ میری اِس خدمت کے صلہ میں آپ ماجھہ کے سکھوں کے اُس کاغذ کو پھاڑ ڈالیں جس کے ذریعہ اُنہوں نے اپنے تئیں خالصہ سے باہر اور خارج کرایا تھا اور اُن کو اُن کا یہ قصُور مُعاف کردیں۔ گُورو گوبند سنگھ نے اُس کے ایسے نازک موقعہ کے سوال کو مان کر اُنہیں پھر خالصہ میں داخل کر لینے کا وعدہ کیا۔

مہاں سنگھ کا یہ کام بہت ہی مہان تھا کہ وُہ اپنے خُون کے صلہ میں اپنے اہلِ وطن کی عِزّت اور بھلائی کی خواہش کرتا ہُوا مرا۔ مہان ہیں وُہ پُرش جو اپنی زندگی کو اپنے اہلِ وطن کی بہتری اور عزّت کے لئے قُربان کرتے ہیں۔ جن دیشوں میں اِس پوِتر خیال پر عمل ہُوا، وُہی دیش رفعت اور بلندی کے آسمان پر پہنچا اور جاہ و جلال حاصل کیا اور کمال اُن کا دست بستہ غُلام ہُوا۔ بجز کم و بیش قُربانی کے دُنیا کی کوئی قوم بلند نہیں ہُوئی اور نہ ہی کوئی اہم کام سرانجام ہُوا۔ اور قومی کارناموں میں قُربانی کی ہمیشہ ہر وقت ہر کال اور ہر زُبان اور ہر ملک میں ضرُورت رہی ہے اور رہے گی۔ بِدُوں اس کے کوئی قوم بڑی نہیں

ہو سکتی۔ قُربانی ترقی کی جان ہے۔ بلیدان بلندی کا نروان۔ قومی عظمت کا وسیلہ اور چراغِ عزت کا فتیلہ ہے۔ گُورو گوبند سنگھ اِن سکھوں کا آخر پہر تک سنسکار کر کے آگے بڑھا۔

اِس موقعہ جنگ پر ایک قصبہ اِس لڑائی کی یادگار میں آباد کیا گیا جس کا نام مکتسر (مکت سر یعنی تالابِ نجات) رکھا گیا کیونکہ گُورو گوبند سنگھ نے اِس رن بھُومی پر مرنے والوں کو مکتا کے نام کی عزت دی تھی۔ یہاں سے چل کر گاؤں بہ گاؤں چلتے رہے۔ مواضعات وزیر پُور وغیرہ کے لوگوں نے اِن کو اپنے گاؤں میں رہنے سے منع کیا۔ اس جنگل میں براڑ ملازموں نے تنخواہ کا تقاضا کیا۔ اس کے پاس سوائے فاقہ کشی کے تھا ہی کیا۔ ایک مقام پر اِن ایّام میں دو دِن تمام ہمراہی سکھوں کو بھُوکا رہنا پڑا۔ تنخواہ کہاں سے دیں۔ آخر تنخواہ کا انتظام کر دیا۔ لیکن ایک نے اُن میں سے تنخواہ لینے سے انکار کر دیا جس کا نام دیوان سنگھ تھا۔ ایک برہمن فقیر کو جو جنم کا مُسلمان تھا، پاہل دے کر اجمیر سنگھ نام رکھا۔

وہاں سے تلونڈی آئے۔ اِس مقام پر گُورو کے قبائل بھی آ ملے۔ کچھ دِن یہاں رہ کر بھٹنڈہ پہنچے۔ بھٹنڈہ سے چل کر دمدمہ وارد ہُوئے۔ اِس مقام پر گُورو گوبند سنگھ نے کچھ عرصہ قیام کیا۔ (بقول ایک روایت اسلئے اِس کا نام دمدمہ پڑا کیونکہ گُورو نے وہاں کچھ عرصہ دم لیا تھا) اور گزشتہ تکان سے کچھ آرام حاصل کیا۔ دُوسری روایت یہ ہے کہ اِس مقام پر قبائل دہلی سے آ کر ملے تھے جو لڑائی کے وقت جُدا ہو کر دہلی پہنچائے گئے تھے۔ یہاں سے ہی دیا سنگھ اور دھرم سنگھ وغیرہ اورنگزیب کا جوابی مراسلہ لے گئے تھے

اور جواب واپس لائے تھے جس میں اورنگزیب نے بڑے تملُّق کے طریق پرگُورو گوبند سنگھ کو دہلی آنے کی دعوت دی تھی۔گُورو گوبند سنگھ اورنگزیب کے پاس جانے کو پہلے تو تیار ہو گیا لیکن آخر کار یہ سوچ کر کہ اُس کے قول اقرار اور وعدہ وعید کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور اُس کو ابھی بہت کام کرنا باقی ہے، اُس کے پاس جانے کا ارادہ مُلتوی کر دیا اور ایک ضرُوری کام میں فراغت کا موقعہ دیکھ کر مصرُوف ہو گیا۔

لیکن جو جواب یہاں سے گُورو گوبند سنگھ نے اورنگزیب کو بھیجا، اُس میں ذرّہ بھر انکساری سے کام نہیں لیا جیسا کہ اُس سے اُمیّد ہو سکتی تھی۔ اُس نے بڑی متانت اور خُودداری سے جواب دیا۔ اورنگزیب کو سخت لعنت ملامت کرنے میں نڈر اور بیدھڑک دلیری اور جرأت سے کام لیا۔ یہ جواب وہی ہے جو نظم میں ظفرنامہ کے نام سے موسُوم ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس میں اُس کو صاف لکھا ہے کہ خُدا کا قہر تُم پر نازل ہو گا۔ اس کو شہنشاہ دہلی کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ یعنی گُورو گوبند سنگھ نے اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ نانک دیو کا دھرم سب سے خالص ہے اور اشارہ دیا کہ وُہ اب اپنا کام مکمل کر چکے ہیں اور دُنیا میں اُس کا کچھ تعلق یا شوق باقی نہیں ہے۔ وُہ صبر سے اپنے آخری وقت کا منتظر ہے۔ اِس کو سوائے اکال پُرکھ کے کسی کا خُوف نہیں ہے اور زور سے لکھا کہ مظلُوموں کی آہ بے اثر نہ ہو گی۔ بروزِ قیامت اُس کو اُس کی بے رحمیوں کی سزا دی جائے گی اور دیکھیں گے کہ اورنگزیب وہاں کس طرح اپنے اعمالِ بد کی صفائی پیش کرتا ہے۔

دُوسری دفعہ بھی اُس نے گُورو کو بلوایا مگر گُورو نے جانے سے انکار کر دیا۔

گرنتھ کی تالیف تصنیف اور تدوین

اس دمدمہ کے مقام پر آدگرنتھ کو پھر نقل کروایا اور اُس میں اپنے پتا گُورو تیغ بہادر کی بانی (کلام) کو ایزاد کرا دیا جس کو دمدمہ والی بیڑ کے نام سے موسُوم کیا جاتا ہے۔ یہاں بوقت نقل آدگرنتھ کے گُورو گوبند سنگھ نے ایک دو مقاموں پر اپنے مطلب کی تعریف بھی کرلی۔ مثلاً اصل بھجن تھا 'کہو کبیر جن بھئی خلاصے' کی بجائے 'کہو کبیر جن بھئے خالصے' لکھوادیا۔ لیکن اس کے لئے کوئی قابلِ یقین روایت موجود نہیں ہے۔ اس گرنتھ کو نقل کرنے کی ضرُورت کئی باعثوں سے منسُوب ہو سکتی ہے۔ ایک تو اپنے پتا کی بانی کو شامل کرنے کا موقعہ مل جائے دُوسرا کرتارپُور والے دھیر ملئے اس کو گرنتھ نہیں دیتے تھے اور چھاپہ کا رواج نہ تھا۔ پہلے اُس کو دُوسرے کاموں سے فراغت نہ تھی۔ اس لئے یہاں فُرصت کا موقعہ دیکھ کر ہی اِس کو نقل کرایا۔

ایک فریق کا دعویٰ یہ ہے کہ دسویں بادشاہی کا گرنتھ اگر اس جگہ بہت کچھ تصنیف اور تالیف نہیں ہُوا تو مدون وہاں ضرُور ہُوا۔ لیکن مخالف فریق اس سے انکار کرتا ہے۔ دعویٰ اور انکار دونوں کے لئے کافی ثبوت موجود نہیں ہیں۔ مگر قرین قیاس ضرُور ہے کہ فراغت کا موقعہ دیکھ کر گُورو گوبند سنگھ نے اس کے مدون کرنے کے لئے کچھ وقت صرف کیا ہوگا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ بچتر ناٹک گُورو گوبند سنگھ نے اسی مقام پر لکھا اور دسویں گرنتھ کو مکمل کیا۔ بچتر ناٹک میں اُس نے اپنے سے پہلے ۹ گُوروؤں کی زندگی کے واقعات اور اُن کے کارناموں کا ذکر کیا ہے اور پھر اپنی زندگی کے

واقعات لکھے ہیں اور ایشور کی مہما کے گُن گائے ہیں اور اِس بات کو زور سے ظاہر کیا ہے کہ جو کچھ اُس نے کیا ہے خُود نہیں بلکہ اکال پُرکھ کی آگیا سے کیا ہے۔

گُورو گوبند سنگھ کا دکھن کی طرف جانا

گُورو گوبند سنگھ نے جب دمدمہ میں اپنے اودیش کے لئے کافی سامان بہم پہنچتا نہ دیکھا تو دکھن کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔

راجپوتانہ میں سے گزر کر دکھن کی طرف جا رہے تھے۔ راجپوتانہ میں جانے کا باعث بھی یہی تھا کہ راجپوت راجوں یا راجپوت لوگوں کی توجّہ کو اپنے اودیش کے لئے زندہ کرے۔ اگرچہ جہاں جہاں راجپوتانہ میں گئے وہاں کے باشندوں نے گُورو کی بڑی عِزّت اور تواضع کی اور شان و شوکت سے اُن کی آؤ بھگت کی اور اُن کے اُپدیشوں سے مستفید ہُوئے۔ ایک مقام پر مہنت چیت رام دادُو پنتھی سے مُلاقات کا موقع ملا۔ اُس سادھُو نے گُورو کی آؤ بھگت بڑی گرمجوشی سے کی۔ گُورو اور اُس کا مختصر مکالمہ روایتوں میں چلا آتا ہے۔

اثنائِ راہ میں کارتک سمت ۱۷۶۳ کو پُورنماشی کا میلہ پشکر راج میں دیکھا۔ اجمیر میں جب گئے تھے تو اُن کی یادگار میں ایک بااعتقاد سکھ نے گھاٹ بنوایا جو گوبند گھاٹ کے نام سے مشہُور ہے۔ قصبہ بھگور میں خیمہ زن تھے کہ اِس جگہ گُورو کو اورنگزیب کے مرنے کی خبر ملی جو سمت ۱۷۶۴ میں فوت ہُوا تھا۔ اِس خبر کو سُن کر گُورو بدستُور سنجیدہ رہے۔ اُن کی گفتگو یا چہرہ پر کوئی خُوشی کے آثار نمایاں نہ ہُوئے۔

گُورو گوبند سنگھ اور بہادر شاہ

اورنگزیب کے مرنے پر اُس کے بیٹوں میں سلطنت ہندوستان کے لئے تلوار چلی۔ اُس کا بڑا بیٹا بہادر شاہ بوقت وفات والد کابل میں تھا۔ اُس کے مقابلہ میں عظیم شاہ نے تلوار میان سے نکالی اور اپنے چھوٹے بھائی کام بخش کو بہانہ سے بُلوا کر باپ کے قدم بقدم چلتے ہُوئے مُراد کی طرح بے گناہ قتل کرایا۔ بہادر شاہ کو سخت دُشمن کا مقابلہ کرنا پڑا اور اُس کو خوف تھا کہ کہیں دارا شکوہ کا سا اُس کا بھی انجام نہ ہو۔ اُس نے مقابلہ کے لئے زبردست تیاری کی۔ بہادر شاہ نے اِس موقع پر گُورو گوبند سنگھ کی امداد سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہا۔

چُونکہ اُس وقت سکھوں کا ایک بڑا جنگجو فرقہ موجود ہو گیا تھا، بہادر شاہ نے اُن کی طاقت سے مستفید ہونے کا ذریعہ گُورو گوبند سنگھ کی ذات کو سمجھا۔ اُس نے بنظرِ دُور اندیشی اس میں یہ بھی فائدہ سوچا ہو گا کہ بصُورتیکہ وُہ کامیاب ہو گیا تو گُورو گوبند سنگھ کی صُلح ہو جانے کی صُورت میں اُس کی مخالفت محفُوظ رہے گی جس کے ارادے سے اُس وقت کوئی ناواقف نہ تھا کہ وُہ سلطنت اسلام کی بیخ کنی پر اُدھار کھائے ہُوئے ہے۔ چنانچہ وُہ دو ہندُو دیوانوں کو گُورو گوبند سنگھ کی خدمت میں بھیج کر امداد کا ملتجی ہُوا۔ گُورو گوبند سنگھ نے ہر پہلُو پر سوچ کر اُس کی امداد کا وعدہ کر لیا۔ کسی ہندُو طاقت کا مقابلہ تو تھا نہیں۔ اس لئے اُس نے مناسب خیال کیا ہو گا کہ بجائے دُشمن کی صُورت میں اور سکھوں کے مرکز سے دُور رہنے کے لئے بہتر ہو گا کہ آئندہ شہنشاہِ ہند کے ساتھ مل

کرۓ موقع کا منتظر بیٹھے اور سکھوں کو باقاعدہ تربیت دے اور مکمل سامان بہم پہنچا کر کام نکالے۔ چنانچہ گُورو گوبند سنگھ نے اُس کو امداد کا وعدہ دیا۔ اور جب گُورو گوبند سنگھ اُس کے پاس پہنچا تو گُورو کے ساتھ نہایت تواضع اور عزّت سے پیش آیا۔ آخر گُورو گوبند سنگھ نے بہادر شاہ کا ساتھ دیا اور آگرہ کے مقام پر جو جنگِ عظیم مابین بہادر شاہ اور اعظم شاہ ہُوئی، اُس میں گُورو گوبند سنگھ اپنی کثیر فوج خالصہ کے ساتھ شامل تھا۔ روایت ہے کہ اعظم شاہ کو گُورو نے ہاتھی پر بیٹھے ہُوئے تیر مار کر گرا دیا اور یہ قرینِ قیاس ہے کہ گُورو گوبند سنگھ نے اُس کے مارنے میں یہ کوشش کی ہو۔ خواہ اعظم شاہ گُورو گوبند سنگھ کے ہاتھ سے مارا گیا یا کسی اور طرح، لیکن اِس میں شک نہیں کہ بہادر شاہ کے اِس فتح حاصل کرنے میں گُورو گوبند سنگھ کا بڑا ہاتھ تھا۔

اِس کارِ نمایاں کے صلہ میں بہادر شاہ گُورو گوبند سنگھ کو دہلی لایا اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے۔ جب بہادر شاہ مہمّ دکن پر روانہ ہُوا تو گُورو گوبند سنگھ بھی ہمراہ گیا۔ گُورو گوبند سنگھ نے دکن کی سمت روانہ ہونے سے پہلے اپنی بیوی سُندری جی کو ایک بیٹا گود لینے کی اجازت دی جس کا نام اجیت سنگھ رکھا گیا۔ بہادر شاہ کے ساتھ گُورو گوبند سنگھ متھرا، بھرت پُور اور جے پُور وغیرہ مقامات سے ہوتا ہُوا اُجین پہنچا۔ وہاں سے گُورو گوبند سنگھ کو بہادر شاہ نے ایک بڑی فوج کا افسر مقرر کر کے مرہٹوں کے مقابلہ میں بھیجنا چاہا۔ اس کا مطلب اس سے یہ تھا کہ اس کو مرہٹوں کے مقابل کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرے۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ خُود اس پولیٹیکل میدان کا پُورا ماہر تھا اور اُس کی اِس چال کو بخُوبی سمجھتا تھا۔

بندہ کو انتقام پر تیار کرنا

چنانچہ اُس نے مرہٹوں کے مقابلہ میں جانا ناپسند کیا اور بہادر شاہ سے کنارہ کش ہو گیا۔ گُورو گوبند سنگھ وہاں سے چل کر مختلف مقامات کی سیر کرتا ہُوا ناندیڑ پہنچا۔ وہاں ایک فقیر مادھوداس عرُف نرائن داس بیراگی سادھو رہتا تھا۔ اُس سے ملا۔ اُس میں کھشتر تا کی قابلیت دیکھی اور اُس کا مادہ اس قابل پایا کہ وُہ ہندُو دھرم کے لئے قُربانی کرنے کا دِل گُردہ رکھتا ہے۔ اُس کو اپنا شیہ بنایا۔ لیکن پاہُل نہ دی۔ اُس کو پاہُل [1] نہ دینے

---

[1] گورو گوبند سنگھ جی نے مادھوداس کو امرت کی بخشش عطا کر کے اُس کا نام بندہ سنگھ رکھا اور 'بہادر' کا خطاب بخشا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر گنڈا سنگھ نے اپنی تصنیف 'بندہ سنگھ بہادر' میں کچھ حوالے دیئے ہیں:۔

احمد شاہ بٹالوی:۔ 'پس ہماگاہ اُو را پاہُل دادہ سنگھ کردد باخود بہ ڈیرہ آورد' یعنی وہاں ہی اُس کو پاہُل دے کر سنگھ بنا دیا اور اپنے ہمراہ ڈیرہ میں لے آیا۔ (ذِکرِ گوریان و ابتدائی سنگھاں صفحہ ۱۱)

علی اُلدین مُفتی:۔ 'بندہ بہ استماعِ ایں معنی از دل و جان ارادت مند شُد و پاہُل گرفتہ مستعد ہنگامہ و معرکہ گردید' یعنی یہ بات سُن کر دل و جان سے ارادتمند بن گیا اور پاہُل لے کر جنگ کے لئے تیار بر تیار ہو گیا۔ (عبرت نامہ ۳۹)

کنہیا لال:۔ 'باوجودیکہ اوّل وُہ خاندان بیراگ کا چیلہ تھا۔ اس سلسلے سے علیٰحدہ ہو کر گورو گوبند سنگھ کا چیلہ بن گیا اور پاہُل لیکر گورو کا سکھ ہُوا' (تاریخ پنجاب، صفحہ ۵۶)

اِسی طرح گنیشداس وڈیرہ، بخت مل، ذکاالله، غلام حسین خاں، ارادت خاں، فارسٹر، جیمز براؤن، میگریگر، محمدّ لطیف اور شردھارام پھلوری وغیرہ۔

ڈاکٹر گنڈا سنگھ کے مندرجہ بالا حوالوں کے علاوہ گیانی سوہن سنگھ سیتل نے اپنی کتاب 'بندہ سنگھ شہید' کے صفحہ ۱۲۔ ۱۳ پر کئی دیگر انگریز اور مُسلمان مصنفّوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ سنگھ کو گورو گوبند سنگھ نے کھنڈے کی پاہُل بخشی اور اپنا سکھ بنایا۔ (ناشر)

کا باعث یہی معلُوم ہوتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کا منشا یہ تھا کہ بعد اُس کے گُورو نانک دیو کی گدّی پر گُورو بٹھانے کا دستُور بند کیا جائے کیونکہ عمُوماً اِس پدوی کے لئے خاندان میں پھُوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور سکھ بھی فرقہ بندی میں آجاتے ہیں۔ اَور علاوہ اِس کے معلُوم نہیں کہ بعد اِس کے کس کس مزاج، خیال اور حوصلہ، کِس کِس خصلت اور طاقت کے آدمی ہوں گے جو گُورو بنیں گے۔ اِس سلسلہ میں خالصہ کی تفریق کا بہت ہی احتمال تھا۔ اس لئے بہتر یہی خیال کیا گیا تھا کہ بعد اپنے کِسی کو گُورو نہ بنایا جائے۔ اِس لئے اُس کو پاہل نہ دی کہ مبادا وُہ گوریائی کا دعویدار ہے۔ جب وُہ پاہل نہ ہو گی تو گوریائی خالصہ کا دعویٰ اُس کا قائم نہ ہو سکے گا کیونکہ خالصہ اُس کو گُورو تسلیم نہ کریں گے۔ آخر کار اُس کا نام بندہ رکھ کر اُس کو سرہند کی طرف انتقام لینے کے لئے تیار کیا۔ چنانچہ وُہ تیار ہو گیا۔ مُختلف اطراف کے سکھوں کو حکم نامے لکھے کہ وُہ بندہ کے ساتھ ہو کر گُورو کا انتقام لیں اور ایک کافی تعداد سکھوں کی اُس کے ساتھ دے کر اُس کو اُس طرف روانہ کیا۔

گُورو گوبند سنگھ نے بندہ کو روانگی کے وقت پانچ نصیحتیں کیں۔ اوّل جتی رہنا۔ دوم جھُوٹ کبھی نہ بولنا۔ سوم اپنا مذہب کوئی ایجاد نہ کرنا۔ چہارم گُورو گدّی لگا کر نہ بیٹھنا اور پنجم سکھوں کو اپنے مساوی اور بھائی سمجھنا۔ سکھوں کو لکھا کہ اُس کا ہاتھ بٹاؤ اور اپنی تلوار بندہ کو عطا کی۔

چنانچہ بندہ نے گُورو گوبند سنگھ کی زندگی میں ہی اپنا کام شُروع کر دیا۔ چنانچہ سرہند کے غارت کرنے اور اُس کو پُورا برباد کرنے کی خبر گُورو گوبند سنگھ کو پہنچی۔ لیکن

اُس نے اِس خبر کو سُن کر بھی کوئی خُوشی ظاہر نہ کی کیونکہ اوّل تو یہ کام اُس کے اودیش کے سامنے بالکل ہیچ تھا۔ دُوسرا جو شخص اِس دُنیاوی خُوشی سے بہرہ ور ہونے کے لئے نہ بھیجا گیا ہو بلکہ دُوسروں کی بھلائی اور بہتری کے لئے دُکھ اُٹھانے کے واسطے، تو اُس کو ایسی ضعیف کامیابی پر سُکھ اور خُوشی کیونکر حاصل ہو سکتی تھی۔

سچ تو یہ ہے کہ گُورو گوبند سنگھ یہ دکھانے کے لئے آیا تھا کہ قُربانی اور دُکھوں کے خمیر سے سُکھ اور راحت کا جسم تیار ہوتا ہے۔ بندہ کی کامیابیوں کی تسلّی بخش کارروائی کو دیکھنے کا اُس کو بہت موقع نہ ملا اور ایشور کی طرف سے آپ کو وُہ بلاوہ آیا جس کے لئے ہر انسان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

گُورو گوبند سنگھ ناندیڑ کے نواح میں گوداوری ندی کے کنارے خوشنما نظارہ دیکھ کر خیمہ لگا کر رہنے لگے تھے۔ پھر وہاں ایک ٹکڑا اراضی کا خرید کر کے مکان بنالیا۔ افضل نگر معروف بہ ابچل نگر اِس کا نام رکھا جہاں اب تک ایک مندر اِس نام سے مشہُور ہے۔ یہاں وُہ بہت عرصہ رہا۔ اِس جگہ بھی اِس کے اِرد گرد ہر طرف سے لوگ جمع ہونے لگے۔ اِس مقام پر آپ کا وقت صبح بھجن کیرتن میں صرف ہوتا تھا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر محتاجوں کو بھی تقسیم کرتے تھے اور کبھی کبھی شکار پر بھی جاتے تھے کیونکہ وُہ کھتری مریادہ پرشوتم تھے اور اپنے خالصہ کے لئے مثال سامنے رکھتے تھے کہ کس طرح اُن کو اپنی زندگی ایشور بھگتی، محتاجوں کی امداد، کھترتا اور بیرتا کے کاموں میں صرف کرنی چاہیئے۔ یہاں بھی گُورو گوبند سنگھ کو خبر ملی کہ بتاریخ ۱۳ جیٹھ سمت ۱۷۶۴ بکرمی بندہ نے صوبہ سرہند کو میدانِ جنگ میں قتل کر کے نہایت ہی زبردست انتقام لیا ہے۔ یہ

خبر سُن کر خالصہ سکھوں نے تو خُوشیاں منائیں لیکن گُورو گوبند سنگھ نے اِس خبر کو نہایت متانت اور سنجیدگی سے سُن کر کہا کہ جو اکال پُرکھ کا حکم تھا وُہی ہُوا اور کسی قسم کا اظہارِ خُوشی نہ کیا۔ جو دِل دُکھوں کی پروا نہیں کرتا تھا۔ تکالیف اور رنج و محن سے گھبراتا نہیں تھا، وُہ ایسی ادنےٰ کامیابیوں پر کس طرح خُوش ہو سکتا تھا۔ آخر گُورو گوبند سنگھ نیک دِل انسان تھا۔ وُہ کسی کی خُونریزی کی خبر سے کیونکر خُوش ہو سکتا تھا۔ لیکن فرض کا ادا کرنا دُوسری چیز ہے۔ اِس لئے فرض اُسے مجبور کرتا تھا کہ وُہ اپنے اودیش کی کامیابی کے طریقے ایسے ہی مشکل اور خطرناک تلاش کرے۔

گُورو گوبند سنگھ پر قاتلانہ حملہ

بہادر شاہ مہم دکن سے فارغ ہو کر اور احمد نگر کو فتح کر کے نانڈیڑ کے نواح میں سے گزرا اور گُورو گوبند سنگھ سے ملا۔ اِس کو اُس نے ہمراہ لے جانے کی کوشش کی مگر گُورو گوبند سنگھ نے انکار کیا۔ بہادر شاہ[1] کو گُورو گوبند سنگھ کا وجود پہلے سے کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور وُہ بخُوبی جانتا تھا کہ گُورو گوبند سنگھ کا اودیش کیا ہے۔ اِس لئے وُہ دِل سے تو یہ چاہتا تھا کہ موقعہ پا کر اُس کا قِصّہ تمام کر دے لیکن موقع کا منتظر تھا۔ وُہ اپنے تئیں ہمیشہ خطرہ میں سمجھتا تھا جب تک گُورو گوبند سنگھ اُس کی مخالفت میں موجود تھا۔ لیکن اِس کے خطرہ کو سرہند پر بندہ کے کارناموں نے اور بھی مضبُوط کر دیا اور اس کے درپے ہُوا کہ گُورو گوبند سنگھ کا قِصّہ پاک کیا جائے۔ چنانچہ ایک سازش اس کے قتل کے

[1] گوروجی پر قاتلانہ حملہ کی یہ سازش صُوبہ سرہند کی طرف سے کی گئی۔ مورخوں نے لکھا ہے۔ (ناشر)

لئے کی گئی خُود تو وہاں سے ہٹ کر آگے چلا گیا اور ایک تُرک زادے مُسلمان کو جو گُورو گوبند سنگھ کے ملازموں میں تھا، یہ جوش دلا کر کہ گُورو گوبند سنگھ تمہارے باپ دادا کا قاتل ہے اور کہ باپ دادا کے انتقام لینا مُسلمانوں کا پہلا فرض ہے۔ اور یہ شرم دلا کر کہ تم اپنے باپ کے قاتل کی خدمت کرتے ہو، گُورو گوبند سنگھ کے قتل پر آمادہ کیا اور ساتھ انعام واکرام کا وعدہ بھی کیا گیا۔ اُس آدمی کا نام گل خاں تھا جو بمعہ اپنے بھائی عطاالله خاں کے اس کی ملازمت میں آیا تھا جو پیندے خاں کی اولاد میں سے تھے جو گُورو جی کے ہاتھوں لڑائی میں مارا جا چکا تھا۔

غرض یہ گہری سازش کام کر گئی اور گُورو گوبند سنگھ کو چونکہ اُس پر وشواس تھا۔ چنانچہ گل خاں نے ۴ بھادوں سمت ۱۷۶۴ بکرمی کو گُورو گوبند سنگھ کو تنہائی میں سوتا پا کر اُس کے پیٹ میں کٹار بھونک دی۔ گُورو گوبند سنگھ زخم کھا کر اُٹھا۔ ایک ہاتھ سے تلوار سنبھالی اور دُوسرے ہاتھ کو زخم پر رکھ کر اپنے قاتل پر حملہ کیا اور اُس کو وہاں ہی کھیت کر دیا۔ اگرچہ زخم بہت سنگین نہیں تھا مگر نازک جگہ پر تھا۔ سکھ جمع ہو گئے۔ تجربہ کار جراح بلا کر مرہم پٹّی کی گئی۔ زخم کو ٹانکے لگائے گئے اور چند دنوں میں زخم بھر آیا اور آثارِ صحت نمُودار ہونے لگے۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے تیر اندازی میں ایک دِن زور آزمائی کی تو زخم پھر تازہ ہو گئے اور اُن میں سوزش پیدا ہو گئی۔ اِس کو اچھا کرنے کے لئے پُورا زور لگایا گیا لیکن وُہ زخم اچھے نہ ہُوئے اور اُس کی حالت دِن بدِن غیر ہوتی گئی

گُورو گوبند سنگھ نے اپنے دُشمنوں کے ہاتھ سے کٹار کھا کر اپنے پریم سندیسہ کو اپنے لہُو سے ختم کیا۔ یعنی لفظ لفظ یا آخری ایڈیشن یا تمت شد اُس نے اپنے ہی خُون سے

لکھا۔ جس وصیت یا توشہ قومی کو اُس نے اپنے تمام آرام اور خُوشیوں کی قُربانی کی روشنائی اپنے خُونِ جگر کا پانی ملا کر حُب الوطنی کے کاغذ دیش بھگتی اور محبت قومی کے قلموں سے لکھنا شرُوع کیا تھا جس میں اُس نے یہ مضمُون لکھا تھا کہ 'کبھی ہم اور تم بھی تھے آشنا۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو' اور دلداری سے لکھا تھا کہ 'کتنا حسابِ ہستی کا دریا رواں رہے۔ افسوس میں نہ رہُوں اور جہاں رہے'۔

اس توشہ کو اُس نے اپنے دو بڑے بیٹوں اور پانچ پیاروں کے خُون سے ختم کیا۔ اِس پر اپنے دو چھوٹے معصُوم بچّوں کی شہادت (قُربانی) کے لہُو سے شہادت (گواہی) لکھوائی اور اپنے خُون سے اِس کا خاتمہ کیا۔ اسی وصیت کا ابتدا اور انتہا خُون سے لکھا گیا۔ گُورو تیغ بہادر کے خُون سے اس وصیت نامہ کی ابتدا ہُوئی تھی، گُورو گوبند سنگھ کے جوان بچّوں کے خُون سے اس کا مضمُون لکھا گیا۔ دو معصُوم بچّوں کے خُون سے گواہی ثبت ہُوئی اور گُورو گوبند سنگھ کے خُون سے اس کا انجام ہُوا۔

خالصہ کے بادشاہ کا مرثیہ نہ صرف عنوان خُون سے لکھا گیا بلکہ سراسر ہر سطر اور حرف اور ہر نقطہ خُون سے لکھا گیا اور ایسے خُون سے کہ جب تک زمانہ رہے گا، وُہ خُشک نہ ہو گا۔ دوبارہ زخموں کے تازہ ہو جانے کے بعد اُن کے اچھّا کرنے کے لئے تمام تر کوشش کی گئی۔ لیکن آخر زخموں کی حالت پراگندہ ہوتی گئی اور آخری وقت نزدیک آنے لگا۔ گُورو نے ایک ناریل اور پانچ پیسے بمُوجب رسم منگوا کر گرنتھ صاحب کے آگے رکھے اور خالصہ کو کہا کہ اِس کے بعد خالصہ کا گُورو صرف گرنتھ صاحب ہو گا۔ یہ تمہارا ایسا دوامی گُورو ہو گا کہ پرلے تک آپ کی نگہبانی کرے گا اور ہمیشہ تم کو

اپدیش دے گا۔ تُم میرے بعد کبھی اور کسی زمانہ میں اَور کسی انسان کو اپنا گُورو نہ ماننا۔ سوائے ایک واہگُورو (ایشور) اور اس گرنتھ کے کسی کے آگے سر نہ جھکانا اور نہ کسی اَور کا سوائے اِن کے سیوک یا سکھ بننا۔ آخری اُپدیش میں خالصہ کو تاکید کی کہ وُہ ہمیشہ مستقل مزاج اور پُختہ اعتقاد رہیں۔ جہاں پانچ سکھ جمع ہوں گے، اُن میں خُود گُورو گوبند سنگھ موجود ہو گا۔ خالصہ دھرم میں داخل کرنے کا اختیار صِرف پانچ سکھوں کو ہو گا۔

گوریائی کے سلسلہ کا اختتام

اِس گوریائی کے سلسلہ کو ختم کرنے سے اُس نے بڑا کام کیا۔ وُہ صاحبِ احتیاط اور تجربہ کار شخص تھا اور زمانہ کی نبض پر اُس کا ہاتھ تھا۔ اُس نے بڑی دانشمندی اور دُور اندیشی سے یہ قید لگا کر خالصہ دھرم کو آئندہ کدُورت سے بچالیا اور یہی باعث ہے کہ تین سَو سال سے خالصہ دھرم بہت خالص چلا آتا ہے۔ جہاں تک اِس کے اصُولوں کا تعلق ہے اِس کے مطابق پانچ سکھوں کو ہی پاہل دینے کا اختیار دینا مذہبی جمہُوری سلطنت قائم کرنے کے اصُول پر مبنی تھا اور اِس ذریعہ سے گورو ڈم کی غُلامی سے جس کے بھیانک نمُونے ہندُوؤں کے سلسلہ میں پائے جاتے تھے اور جن کی خرابیاں برہمنی دھرم کی تعلیم میں نمایاں تھیں، نکالنا تھا۔ یہ اَیسا اودیش تھا کہ جس کو گُورو گوبند سنگھ کسی حالت میں ترک نہیں کر سکتا تھا اور یہ تب ہی ہو سکتا تھا کہ گُورو گوبند سنگھ خُود اپنے ہاتھ سے گورو ڈم کی بیخ کنی کرے۔

گورو گوبند سنگھ کا آخری وقت

گرنتھ کو آئندہ گورو قرار دینے کے بعد دُوسرے دِن بتاریخ ۱۵ ماہ کاتک سمت ۱۷۶۵ گورو گوبند سنگھ نے اوّل غُسل کیا اور تمام کپڑے پہن کر ہتھیار لگائے اور چند بھجن کہہ کر چارپائی پر لیٹ گیا اور سکھوں سے گرنتھ کی بانی سُنتا ہُوا ہمیشہ کے لئے اِس دُنیا سے سفرِ آخرت اختیار کر لیا اور واہگورو جی کا خالصہ واہگورو جی کی فتح کہتے ہُوئے اپنی جان اکال پُرکھ کے سپُرد کر دی۔ سکھوں نے اُس کے شریر کو اگنی کنڈ میں ایک اَور آہُوتی ڈال کر اس کو پھر سلگا دیا جو ہندُو قوم کی بھلائی کے لئے بنایا گیا تھا۔ اُس دن ہندُوؤں کا وُہ سُورج جس کی روشنی میں ہندُوؤں نے پھر دیکھنا شرُوع کیا تھا، جس کی حرارت سے اُن کے اُجڑے ہُوئے باغوں میں سُوکھے ہُوئے، کملائے ہُوئے، مُرجھائے ہُوئے بُوٹوں میں پھر برگ و بار آنے شرُوع ہُوئے تھے، مَوت کی رات میں چھُپ گیا۔ وُہ اُمیدوں سے پُر گھٹا اور قومی پریم سے گُونجتی ہُوئی بجلی، بھارت دیش بھگتی کی بُوندوں سے بھرپُور بادل جس سے ہندُوؤں کے تپتے ہُوئے دِل و جاں اور جلے ہُوئے ملک و خانماں کی اگنی بُجھنے لگی تھی، اُس کو مَوت کی ہوا ہندوستان سے لے اُڑی۔ وُہ دریا امواج جس کی طغیانی سے ہندوستان کا اُجڑا ہُوا کھیت و کشت و زار سرسبز و شاداب ہونے کی آشا رکھتا تھا، سیلاب ہو کر بہہ گیا۔ وُہ مہان آتما جو ہندُوؤں کو پھر زندہ کرنے آئی تھی، صفحۂ ہستی سے اُٹھ گئی۔ وُہ محبت بھرا دِل جو ہندُوؤں کے لئے خُونِ جگر پی کر اُس کی بہتری کے لئے تڑپتا تھا، سرد ہو گیا۔ آہ ہندُوؤں کا سچا محبّ، ہندُو قوم کا سچا بہی خواہ دیش کا پریمی غمگسار، اہلِ ہند کا پریہ مُونس و مددگار، حقیقی ہمدرد، اصلی خیر خواہ آخر چل بسا۔ مگر اپنی ہڈّیوں کے

کھاد اور خُون کا پانی دے کر قومیّت کا پَودا لگا گیا جو آخر پھل لایا۔

جس پریم بھرے دِل سے اُس نے کام کیا تھا، جس صدقدلی سے اُس نے کارروائی شرُوع کی تھی، جس پاکیزہ مشن کو اُس نے دِلسوزی سے شرُوع کیا تھا اور اپنے خاندان کی خُونریزی سے خاتمہ کیا تھا، وُہ محنتیں تمام بارور ہو گئیں۔ وُہ بامُراد مرا۔ کامیاب مرا۔ وُہ کرگُزرا جس کا اِرادہ کیا تھا۔ کیوں اہلِ خالصہ آپ زندہ شہادت اُس کی کامیابی کی موجود نہیں ہیں؟ گُورو گوبند سنگھ کو مرنے سے پہلے بخُوبی اطمینان تھا کہ وُہ اپنا کام کر چلا ہے اور جس فرض کے لئے اکال پُرکھ کی اُس کو آگیا تھی، اُس کو ادھُورا نہیں چھوڑ چلا۔ اِس لئے مرتے وقت وُہ خوش تھا اور اُداسی کسی قسم کی اُس کو اُس وقت نہیں تھی۔

شواجی مرہٹہ قریباً اُس کا ہمعصر تھا۔ اُس کو جو کامیابی ہُوئی ہے اس کے ساتھ مقابلہ کر کے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ گُورو گوبند سنگھ کو کامیابی نہیں ہُوئی۔ مگر یہ نتیجہ غلط ہے۔ ایسا نتیجہ قائم کرنے کے وقت تمام واقعات کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ شواجی جو کام کرتا تھا اُس میں قومی بھلائی بھی معناً ضرُور شامل تھی۔ مگر اُس کی خُود غرضی طاقت حاصل کرنے کی اس میں محرّک تھی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کا اودیش نشکام تھا۔ اپنے لئے طاقت حاصل کرنا اَور بات تھی اَور اس نیت سے جدوجہد کرنا کہ ہندوستان ہندُو دیش اور مُلک کے غاصبان کو باہر کیا جائے اَور بات تھی۔ شواجی اپنے لئے کام کرتا تھا اَور گُورو گوبند سنگھ دُوسروں کے لئے۔ شواجی کا معراج اپنے لئے پولیٹیکل طاقت تھا۔ گو اُس میں قومی بھلائی بھی داخل تھی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کا معراج مذہبی اور پولیٹیکل

دونوں طاقتیں حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قومیّت پیدا کرنا تھا۔ شواجی کے لئے پولیٹیکل اقتدار حاصل کرنے کے لئے حکمتِ عملی یعنی فریب و دغا اور جھوٹ استعمال کرنے کا میدان خالی تھا لیکن گُورو گوبند سنگھ کے لئے مذہبی پیشوا ہونے کے باعث یہ میدان بند تھا۔ وُہ اپنے زورِ بازُو اور قدیم کھتریوں کی مانند دست بدست اور مقابلہ میں لڑائی کر کے کامیابی چاہتا تھا۔ شواجی کی فُتوحات اُس کے گرد آدمی جمع کرتی تھی اور گُورو گوبند سنگھ فُتوحات حاصل کرنے کے لئے آدمی بناتا اور تیار کرتا تھا۔ شواجی کی مُخالفت ہندُو احاطے سے اُتنی نہیں ہُوئی جتنی گُورو گوبند سنگھ کی ہُوئی۔

لیکن گُورو گوبند سنگھ بہمہ وجُوہ بامراد اور کامیاب مرا۔ وُہ اپنا پاک فرض پُورا کر گیا۔ دلسوزی سے جس کھیت کو تیار کرنا چاہتا تھا، اُس کو سر سبز چھوڑ گیا۔ اِس کھیت میں پھُول آئے پھل آیا اور اب تک وُہ کھیت سر سبز چلا آتا ہے اور اس احسان میں ہندُوؤں کی گردنیں اس کے سامنے نیچے جھکی جاتی ہیں۔

گورو کے خصائل

اِس قدر لکھنے کے بعد اپنے فرض کو ادھُورا چھوڑنا ہوگا اگر ہم گورو کے خصائل پر کچھ حوالۂ قلم نہ کریں۔ گزشتہ واقعات سے جن کا ذکر اُوپر کے اوراق میں ہُوا ہے، جو خصائل گُورو گوبند سنگھ کے معلُوم ہو سکتے ہیں، صرف اُن کو ہی لکھنے کی کوشش کریں گے اور اگرچہ پہلے کبھی اِن پر لکھنے کی کوشش نہیں ہُوئی لیکن پنجاب دیش میں قریباً سب لوگ اِن خصائل سے واقف ہیں۔ مگر میری کوشش یہ پہلے ہوگی کہ میں اِس کے

خصائل لکھنے پر قلم اُٹھاؤں اور اگر کہیں میں لغزش کھا جاؤں تو اُمید ہے کہ معذور خیال کیا جائیگا۔ اگرچہ کسی کسی جگہ مضمون میں اعادہ یا تکرار الفاظ کا احتمال ہے مگر اس سے چارہ نہیں کیونکہ پہلے اس بارے میں کبھی کسی نے قلم نہیں اُٹھایا۔ اور گزشتہ ذکر یافتہ واقعات سے خصائل کا نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ کئی خیالات اور الفاظ کا اعادہ ہو جائے۔

گُورو گوبند سنگھ سچاّ تیاگی تھا اور نشکام دیش بھگت۔ کرشن اور بھیشم نے مہابھارت میں اُپدیش دیا تھا کہ سب سے بڑا تیاگی وُہ ہوتا ہے جو دوسروں کی بھلائی کے لئے میدانِ جنگ میں پران تیاگتا ہے۔ گُورو گوبند سنگھ نے محض دُوسروں کے فائدہ کے لئے نہ فقط اپنے پران تیاگ کئے بلکہ اُس نے سب کچھ جو اپنا تھا اور انسان کے پاس ہو سکتا تھا، وُہ دیش بھگتی میں لگایا۔ اپنے آرام کو قوم کے لئے نثار کیا۔ اپنے جسم اور لہُو کو قوم کے لئے نچھاور کیا۔ کون سی چیز تھی جو اُس نے قوم سے اُٹھا رکھی۔ اِس لئے سب سے بڑا تیاگی بھارت ورش میں گُورو گوبند سنگھ ہی تھا۔

تیاگ اُس کو کہتے ہیں کہ کچھ پاس ہو اور تیاگ دیا جائے۔ بُدھ کا تیاگ تھا، بھیشم کا تیاگ تھا۔ بُدھ کا تیاگ دُنیا کی تکالیف سے ڈر کر تھا۔ بھیشم کا تیاگ خود غرضانہ مگر اپنے پِتا کی خُوشنُودی حاصل کرنے کے لئے تھا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کا تیاگ اور مہاں تیاگ قوم کے لئے تھا اور یہ پہلا تیاگ جس کو تیاگ کہہ سکتے ہیں۔ اُس کو تیاگ نہیں کہتے کہ جب پاس کچھ نہ ہو، کاہلی سے کچھ کام نہ کر سکیں اور تیاگی بن بیٹھیں۔ تیاگ دراصل وہی ہے جو کچھ رکھتا ہو اور تیاگ کرے۔ لنگوٹے میں پھاگ کھیلنے والوں کا تیاگ

تیاگ نہیں کہلاتا۔ گُورو گوبند سنگھ نے اتنا بڑا تیاگ، نہیں اتنے بڑے تیاگ، تیاگ بے غرضانہ اور نشکام کیئے۔ جہاں تک اُس کی اپنی ذات کا تعلّق ہے، کسی میں اپنی خُود غرضی شامل نہ تھی۔ سب دُوسروں کی بھلائی کے لئے تھا۔ سب قُربانیاں ہندُو جاتی کے اُدّہار کے لئے تھیں۔

اگر گُورو گوبند سنگھ چاہتا تو گُورو کی حیثیت میں ہر قسم کی آرائش و آسائش، دولت اور مال سے مالا مال اور خوشحال رہتا۔ لیکن اُس نے کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ نہ دھن نہ دولت، نہ آرام نہ بزُرگی۔ غرض کسی چیز نے اُس کے دِل میں وُہ جگہ حاصل نہیں کی، جو ہندُو دھرم کی رکھشا کے خیالات نے کی۔ نہ کبھی تعریف کا خواہاں ہُوا، نہ کسی خدمت کا کسی سے صلہ مانگا۔ وُہ نشکام دیش بھگت تھا۔ اُس کو نہ کسی کی شاباش کی احتیاج تھی، نہ وُہ کسی کے اظہارِ قدر دانی کا محتاج تھا۔ اُس کا تیاگ سچّے تیاگ کی تعریف میں شامل ہے۔

ایک ہی شخص میں سب کمالات ملنے مشکل ہیں۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ ہر طرف سے کامل تھا۔ وُہ شاعر تھا، مذہبی لیڈر تھا، ریفارمر تھا، مدبّر تھا، سپہ سالار تھا۔ شاعر بھی ایسا تھا کہ نظم میں زور، مضمُون میں فصاحت اعلےٰ درجے کی تھی۔ اکمل درجہ کا مذہبی ریفارمر اور ہادی تھا۔ میدانِ جنگ کا نڈر سپہ سالار، دُور اندیش مدّبر، حقیقی محبّ الوطن اور صادق محبِّ قوم۔ ان تھک فنا فے القوم۔ بےمثال شہید المُلک۔

کرشن اور رامچندر اور شنکر اپنی اپنی جگہ بہت بڑے آدمی ہُوئے ہیں اور اُن سے بھی اپنے اپنے موقعہ پر عظیم کام سرانجام ہُوئے ہیں۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کا قدم اُن

سے بھی آگے ہے۔ گُورو گوبند سنگھ نے اس طرح اِن سب کو قومی کاموں میں پیچھے چھوڑا ہے جس طرح خُود بلحاظ زمانہ پیچھے آیا ہے۔ کرشن راجہ زادوں کو میدانِ جنگ میں خیالی بُزدلی سے نکالتا ہے۔ گُورو گوبند سنگھ اُن لوگوں کو اُٹھاتا ہے جو مٹی میں مل گئے تھے، جن کے خواب میں بھی نہ تھا کہ میدانِ جنگ میں وُہ جوہرِ بہادری دکھائیں گے کہ ارجن کے کارنامے بھُول جائیں گے۔ گُورو گوبند سنگھ بے سروسامانی کے ساتھ سلطنت ہندوستان کے مقابلہ کے لئے تیاری کرتا ہے۔

وُہ نہایت مستقل مزاج تھا۔ باپ کے مرنے پر جو اودیش اپنا قرار دیا، اُس کو تامرگ نہ چھوڑا۔ کوئی زمانہ اُس کی زندگی کا ایسا معلُوم نہیں ہُوا اور نہ کوئی وقت یا دِن یا ماہ یا ہفتہ اُس کی زندگی کا ایسا پایا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے اودیش کو نظر انداز کیا ہو۔ مسلسل متواتر اپنے کام میں لگا رہا۔ جو دُھن بنائی ہمیشہ اور لگاتار اُس میں لگا رہا۔ کبھی اور کسی حالت میں اُس دُھن کو اپنے سامنے سے دُور نہیں کیا۔ کوئی مصیبت، کوئی رنج، کوئی سختی اُس کے دماغ میں خلل انداز نہیں ہُوئی۔ اس سے اندازہ کرو کہ ایک فقیر گوشہ نشین تھا۔ کسی قسم کے اسباب یا مسالہ جنگ اُس کے پاس نہیں تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا لیکن کسی کوتاہی نے اُس کے راہ میں کبھی اثر نہیں کیا۔ بیٹوں کے قتل جیسی مصیبت نے بھی اُس کے اودیش کو متزلزل نہیں کیا۔ وطن، عزیز و اقارب کی جُدائی کسی نے اُس کی ہمّت کو کم نہیں کیا اور تامرگ اپنی دُھن میں لگا رہا۔

وُہ غایت درجہ کا ثابت قدم تھا۔ باوجودیکہ سب کچھ کھو بیٹھا تھا، آوارہ وطن ہو گیا تھا، بے سروسامان تھا لیکن جب ذرا دم لینے کی فُرصت ملی، پھر اپنے کام کو شرُوع

کر دیا۔ مایُوسیوں سے اُس کی ہمّت اور طبیعت پر اور زیادہ رنگ چڑھتا تھا۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ مہاں بلی تھا اس لئے اُس نے ثابت قدمی سے ایک قدم بھی کبھی نہیں ہٹایا۔ وُہ بڑا دلیر، بہادر اور نڈر الوالعزم تھا۔ بے قاعدہ سکھوں کی جماعت سے جس کا نہ سامان درُست تھا اور نہ کھانے کو کافی میّسر تھا، لشکرِ شاہی کا مقابلہ کرتا ہے اور پھر خُود ہر وقت فوج کے آگے ہوتا تھا۔

دُنیا میں ایک ہی مثال سے اُس نے ثابت کردیا کہ وُہ غضب کا جرّی اور دلیر تھا۔ چالیس آدمیوں کے ساتھ لشکر شاہی کے مقابلہ میں چمکور کے میدان میں ڈٹا رہا۔ وُہ مردِ میدان تھا اور میدانِ جنگ میں اپنے کام کو مثل ایک ماہر اور تجربہ کار جرنیل کے سر انجام دیتا تھا۔ اَور یہی باعث تھا کہ وُہ چھوٹی سی فوج کے ساتھ کئی دفعہ فوجِ مخالف کو شکست دے سکا۔ وُہ نڈر تھا۔ خطرے سے بالکل نہیں ڈرتا تھا۔ خُود تلوار لئے ہُوئے ہر صف اور ہر سمت پر بجلی کی طرح چمکتا تھا۔ چُست و چالاک تھا۔ جہاں اُس کی موجُودگی کی ضرُورت ہوتی فوراً وہاں موجُود ہوتا تھا۔ محنت کش تھا۔ تکلیف اور سختیوں کی پروا نہیں کرتا تھا۔ آن کا پکا اور خُوددار تھا۔ ہرچند شکستہ دل ہو گیا تھا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے چار بیٹوں کی دیش اگنی کے ہون کنڈ میں آہوتی ڈال چکا تھا لیکن کبھی اُس نے اپنے کسی فعل یا کام سے قوم کو نا اُمید اور مایوس نہیں کیا۔ اپنی خُودداری کو پُورا نبھایا۔

اورنگزیب نے دو دفعہ بُلایا لیکن نہیں گیا۔ اُس نے شہنشاہِ وقت کی پروا نہیں کی۔ اپنے خیالات کے اظہار میں بہت دلیر تھا۔ ہر کسی کو بلحاظ درجہ اپنی بات کو آزادی سے کہہ گزرتا تھا۔ اورنگزیب کو اُس کے پیغام کے جواب میں بے خوف آزادی سے

لکھا کہ اورنگزیب بڑا سفاک اور ظالم ہے۔ بروزِ حساب یعنی قیامت اُس کو اپنے مظالم کا جواب دینا ہوگا۔ اور معلُوم ہو کہ بادشاہ وہاں اپنی صفائی کس طرح کر سکتا تھا۔ نیز واضح اور زوردار الفاظ میں لکھا کہ خالصہ اُس سے اپنا انتقام لے کر ہی دم لیں گے۔

وُہ اپنے کام میں جلدی نہیں کرتا تھا۔ ہر معاملہ کو ہر پہلُو سے سوچ لیتا تھا۔ اُس کے بڑے عرصہ کے سوچ بچار کا یہ نتیجہ تھا کہ خالصہ دھرم کی ایسی بُنیاد رکھی کہ تلوار کے سایہ میں توپوں کی رو میں ہر طرف اسلامی شوکت اور اقتدار مسلمانوں کی سخت تر مخالفت میں بڑھتا ہی گیا اور ہر شخص میں جو اُس کا سکھ بنا، اُس میں ایسی شخصیّت بھر دی اور اُس کے ایسے کیریکٹر (خصلت) پیدا کئے کہ مَوت کو وُہ کھیل سمجھنے لگا۔ زندگی کو ہتھیلی میں لے گیا۔ جہاں گُورو گوبند سنگھ کا پسینہ گرتا تھا، وہاں وُہ خُون بہانے کو تیار تھے اور اُن میں ہمّت اور حوصلہ کی ایسی پھُونک لگائی کہ ایک ایک سکھ کو ہزاروں کے مقابلہ کے قابل بنادیا۔ ایسے شہید الوطن پیدا کئے کہ نہ تو وُہ اپنی زندگی کا لحاظ کریں نہ عزیز و اقرباء کی محبت اُن کو باز رکھ سکے۔ نہ دُنیا کا کوئی اودیش اُن کے ارادوں کا سدِّ راہ ہو سکے۔ ایسے آہنی طبع آدمی پیدا کئے جو کسی مصیبت اور تکلیف کو خاطر میں نہ لائیں اور اُن میں اپنے نام اور مشن کی عِزّت کا ایسا نقش کیا کہ وُہ قومی نشان بن رہا۔ اُن کو حفیض پستی سے نکال کر بلند رُتبہ پر اُٹھایا۔ نہ برہمنوں سے اُس وقت کچھ بن پڑا اور نہ کسی پنڈت مہنت کو چُوں چراں کرنے کا موقع ملا۔ یہ باتیں جلدی کی نہیں تھیں۔ اِن کی بُنیاد غائر سوچ وچار پر مبنی تھی۔

وُہ ہر کام بنظرِ دُوراندیشی سوچ کر کرتا تھا۔ آئندہ زمانہ کی بات کو پہلے ہی وزن

کر سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ بنظرِ دُور اندیشی خالصہ دھرم میں ایسے اصُولوں کو داخل نہ کیا جس سے پھر خالصہ ذلیل ہو جائیں اور اپنی جوانمردی کو داغ لگائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک خالصہ میں کچھ جان باقی چلی آتی ہے۔ یہ بھی اُس نے دُور اندیشی سے دیکھ لیا تھا کہ اُس کا اودیش ضرُور پھل لائے گا۔ اس سے وُہ مایُوس نہیں مرا۔ اکال نے جس عظیم کام کے لئے اُس کو بھیجا تھا، اُس کے لئے اپنے گنجِ بے پایاں سے ذہانت وذکا، عقل ورسا اور ادراکِ کامل کا بھی کافی حِصہّ اُس کو عطا کیا تھا۔

انتقامی معاملات میں سخت گیر تھا۔ گُورو گوبند سنگھ نے رام رائے کی بیوی کی شکایت پر اُس کے علاقہ کے تمام مسندوں کو بلوا کر گرم تیل میں جلوادیا۔ یہی وجہ تھی کے خالصہ دھرم میں ان کو داخل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وُہ بلوان تھا۔ بہادری اور شجاعت کے کاموں کو پسند کرتا تھا۔ خُود بھی محنت کش تھا۔ اپنے لواحقین اور تابعین میں جفاکشی پیدا کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ جیسا کہ جسم مضبُوط تھا، وَیسا ہی دِل کا بھی بڑا مضبُوط اور بہادر تھا۔ جو سکھ گھوڑا یا ہتھیار نذر کرتا، اُس سے نہایت خُوش ہوتا تھا۔ شکار میں اکثر اِس لئے رہا کرتا تھا کہ سکھوں کو تلوار چلانے اور ہتھیار استعمال کرنے کی عادت ہو اور اُس عادت کی مشق ہو جس کی ایک جنگجُو فرقہ کے لئے ضرُورت ہوتی ہے

وُہ منتظم تھا۔ اپنے کل معاملات کا پُورا انتظام کرنا جانتا تھا۔ آمدنی کا ایسا عُمدہ انتظام تھا کہ مختصر سے سکھوں کی آمدنی پر فوج تیار کرتا تھا اور تھوڑے سے خرچ سے ایک بڑی جماعت سکھوں کو قابُو میں رکھتا تھا اور ہر پہلُو پر انتظام پایا جاتا تھا۔

اُن کے کلام میں تاثیر تھی۔ جو کچھ وُہ سکھوں کو کہتا تھا وُہ بسر و چشم منظُور کرتے

تھے۔ جان تک قُربان کرنے میں اُن کو دریغ نہ تھا۔ اور سکھ بھی ایسے خُوش عقیدہ انسان تھے کہ گُورو کے بچن پر جان نچھاور کرتے تھے کیونکہ گُورو اُن سے نہایت درجہ کا پریم رکھتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سب سکھوں کو مساوی نظر سے دیکھتے تھے۔ چھوٹا بڑا اُس کی نظر میں کوئی نہیں تھا۔ اور یہ بات ہر سکھ کے دِل میں گھر کر گئی تھی۔ نہایت خُوش خلق، شیریں خُو اور خُوش معاملہ تھے اور اس کا یہی باعث تھا کہ باوجودیکہ ہر کسی کو اچھی طرح معلُوم تھا کہ اس کا مشن مُسلمانوں کی حکومت کو ذلیل کرنا ہے۔ لیکن خود مُسلمانوں نے اُس کو سر پر اُٹھا کر خطرہ سے باہر کر دیا کیونکہ گُورو ہر کسی سے احسان اور مروّت کرتا تھا۔ اخلاق اور محبت سے پیش آتا تھا اور خُوش معاملہ شخص تھا۔ حتّٰی کہ دُشمن بھی اُس سے پیار کرتے تھے۔ وُہ بڑا سخی تھا۔ جو کسی کی احتیاج پُوری کرے وُہ سخی۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ نے ملک اور قوم کی حاجت کو اپنے اور اپنے عزیزوں کے شریر سے پُورا کیا۔ اس سے بڑا سخی کون ہو سکتا ہے۔ علاوہ اِن کے اس کا لنگر ہر غریب اور امیر کے لئے کھلا ہُوا تھا۔ محتاجوں اور غریبوں کو اس کے لنگر سے روٹی اور کپڑا ملتا تھا۔

طبیعت میں کسی قدر خُوشباشی اور چہل بھی تھی۔ ایک دفعہ ایک سکھ نے شیر مار کر اس کا چمڑا سالم معہ چہرہ وغیرہ پیش کیا۔ آپ نے اُس چمڑے کو گدھے کے جسم پر چڑھوا کر آبادی میں چھوڑ دیا۔ لوگ اس کو دیکھ کر گھبرائے۔ کوئی کوٹھے پر چڑھ گیا، کوئی چھُپ گیا۔ کسی نے مکان کے دروازے بند کر لئے۔ غرض گاؤں میں تہلکہ مچ گیا اور لوگوں کے اوسان خطا ہونے لگے۔ لیکن جب آخر شیر شکل گدھے نے رینگ لگائی تو

دھڑکتے ہُوئے دِل حوصلہ میں آگئے۔ اور جن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، وُہ ہنسنے اور مسکرانے لگے۔ یہ دل لگی اپنی قسم کی نرالی تھی اور معنی خیز بھی۔

وُہ علم دوست بھی تھا۔ خُود بھی اُس کو مطالعہ کا شوق تھا۔ بھارت کے بہادروں کے کارناموں اور تواریخ پڑھنے اور سُننے کا بہت ہی شوق رکھتا تھا۔ قدردانِ سخن تھا۔ چنانچہ کئی شاعر اپنے دربار میں ملازم رکھے ہُوئے تھے۔ رزمیہ نظم کو بہت پسند کرتا تھا۔ فارسی اور عربی زبان میں مہارت رکھتا تھا۔ سنسکرت جانتا تھا۔ پُرانی مذہبی کتابوں، چھ شاستروں، اُپنشدوں اور پُرانوں وغیرہ کی تعلیم سے بخُوبی واقف تھا۔ بڑے شوق سے ایشور بھجن میں لگے رہنا پسند کرتا تھا اور سکھوں کو بھی ہمیشہ اس کی ہدایت اور تاکید کرتا تھا۔ ہر روز گرنتھ صاحب کی کتھا ہوتی تھی اور خُود اس میں موجود رہتے تھے۔ صبح شام خُود جپ جی صاحب اور رہراس کا پاٹھ کیا کرتا تھا۔ اپنے کرم نیم میں پکا اور دڑھ تھا۔ مُورتی پُوجا اور شرادھ وغیرہ سے متنفر تھا۔

وُہ سچّا راست باز تھا۔ اپنی کسی تعلیم اور کام میں سچائی اور راستی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ نہ تو میدانِ جنگ میں کوئی امر خلافِ راستی کیا نہ روزمرّہ زندگی کے کاموں میں۔ چنانچہ ہر چند لوگوں نے اُس سے کرامات دکھانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس بندۂ خُدا نے صِرف یہی کہا کہ انسان کوئی کرامات نہیں کرسکتا۔ کرامات صِرف ایشور کے اختیار میں ہے۔ ایک موقعہ پر بمقام آگرہ کسی نے اُس سے کرامات کی وجودیّت کے بارے میں سوال کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ اور کرامات تو انسان کبھی کوئی نہیں کرسکتا البتہ میں تین چیزوں کو اس دُنیا میں کرامات مانتا ہُوں۔ اوّل لوہا کی کرامات۔ یہ

ایسی کرامات ہے کہ اس کے ذریعہ سے جو چیز مانگو مل سکتی ہے۔ تاجِ شاہی اس سے مل سکتا ہے۔ ارتھ (دُنیا) کام (خواہشات) موکش (نجات) اور دھرم سب چیزیں اس کے وسیلہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ جو چیز انسان کو نہ ملتی ہو اس سے ملتی ہے۔ یہی انسان کی بلندی کا رُتبہ ہے۔ جو اس کی پرستش کرتے ہیں وُہ چاروں پدارتھ پاتے ہیں۔ اُس کی مُراد لوہے سے ہتھیاروں کی تھی۔ جو شخص یا قوم اسلحہ کا استعمال کرتی ہے، تمام چیزیں اور برکتیں اُس کی خدمت میں حاضر ہو جاتی ہیں۔ کیا زر۔ کیا زمین۔ کیا زمان۔ کیا دُنیا اور کیا عاقبت۔ آدمی اس کی غلامی کرتے ہیں۔ شہزادے اس کے غلام اور شہزادیاں اس کی کنیزیں بنتی ہیں۔ یعنی جس کی تیغ اُس کی دیغ۔ مُکتی اس لئے کہ جو جنگ میں مرتا ہے وُہ سیدھا پرم آنند کو پاتا ہے۔ دُنیا میں بھی عزت ہے۔ شہید اور بہادر کہلاتا ہے۔ محبِّ وطن کا خطاب پاتا ہے اور ہمیشہ اہلِ وطن سے پیار کیا جاتا ہے۔ لوہے کی یہ کرامتیں ہیں جس کی طرف گُورو گوبند سنگھ کا اشارہ تھا۔ لیکن جو کام لوہے نے مَوجُودہ صدی میں کیا ہے جس میں ہم موجُود ہیں، وُہ بھی کرامات سے کم نہیں ہے۔ اس لوہے کو پر لگا کر دریاؤں اور سمندروں میں تیرایا گیا ہے۔ اس لوہے کا انجن بنا کر ہوا میں اُڑایا گیا ہے۔ اس لوہے کی برکت سے ہزاروں کلیں چلتی ہیں۔ دُنیا کو ارزاں اور بہتر سامانِ زندگی بہم پہنچاتے ہیں۔ یہی لوہا سونے سے زیادہ قیمتی بن رہا ہے اور بہت زیادہ مفید ہے۔ یہ صدی لوہے کی حکومت کی تھی۔

دُوسری کرامات گُورو گوبند سنگھ نے بل کو بتایا۔ یعنی ساری دُنیا میں بل حکومت کرتا ہے۔ بلوان کا کمزور اور ضعیف غلام اور خادم ہے۔ ساری کائنات میں یہ فطرت کا

قانون ہے کہ کمزور زبردست کے ماتحت رہے خواہ وُہ باہُو بل ہو، یا دماغی بل ہو۔ طاقت کو ہمیشہ بزُرگی اور حکومت حاصل ہے۔ یہی قانون درندوں میں موجود ہے۔ یہی قانون پرندوں میں موجُود ہے۔ یہی نباتات میں اور یہی انسان میں ہے۔ طاقت کے سامنے سب سر جھکاتے ہیں۔ قومیں بل کے سہارے اُٹھتی ہیں بل کے سہارے بڑھتی ہیں اور بل کے سہارے زندہ رہتی ہیں۔ بل کے سہارے انسان جانوروں سے کام لیتا ہے۔ بل کے سہارے دشمنوں کو سزا دی جاتی ہے۔ سارے کرشمے دُنیا میں بل کے ہیں۔ بل ہین ہمیشہ ذلیل وخوار اور رُسوا ہوتے ہیں۔ بلوان رُوح کے لئے بلوان جسم کی ضرُورت ہے۔ بلوان جسم بلوان رُوح کا محتاج ہے اور بل کرامات سے کچھ کم کام نہیں کرتا۔

تیسری کرامات گُورو گوبند سنگھ نے دھن کو کہا ہے۔ اسکے کرشمے اور عجیب اثر اسقدر ظاہر ہیں کہ محتاجِ بیان نہیں۔ دُنیا میں جو چیز چاہو یہ بہم پہنچاتا ہے۔ عیب پوش ہے اور کُل امراض کی دوا۔ کوئی غرض نہیں جو اس کے ذریعہ سے پُوری نہ ہو۔ کوئی احتیاج نہیں جس کو یہ مکمل نہ کردے۔ کوئی کام نہیں جس کو یہ سرانجام نہ دے سکے۔ یہ پاس نہ ہو تو کوئی عزیز نہیں۔ کوئی رفیق نہیں۔ کوئی رشتہ دار نہیں بنتا۔ کوئی غمخوار نہیں۔ اس کے بدُوں بیٹا بیٹا نہیں بنتا۔ ماں باپ محبت نہیں کرتے۔ آشنا پاس نہیں پھٹکتا۔ بیوی ناک بھوں چڑھاتی ہے۔ رشتہ دار مُنہ چڑاتے ہیں۔ بھائی حقیر سمجھتا ہے۔ سوسائٹی اُس کو عضوِ معطّل سمجھتی ہے۔ اگر یہ پاس ہو تو بیگانے بھی اپنے ہوتے ہیں۔ سب پیار کرتے ہیں اور سب مُنہ کو تاکا کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی کراماتیں پہلی دو چیزوں کی کرامات سے کم نہیں ہیں بلکہ زیادہ۔

گورو گوبند سنگھ کا طریقِ زندگی بالکل سادہ تھا۔ سب سے خندہ پیشانی سے ملتا تھا اور سب سے محبت کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بے نقص انسان تھا۔ نہ تعریف کا خواہشمند نہ کسی کی توہین کی جستجُو۔ وُہ فراخدل تھا۔ پہاڑی راجوں نے ہمیشہ تکلیف دی۔ لیکن جب اُن کو ضرُورت ہوتی، تو اُن کے افعال بھُول کر اُنہیں عفو سے شرمندہ کیا اور اُن کا ساتھ دیا۔ بہادر شاہ نے جاگیر دینی چاہی لیکن اپنے اودیش کو خسروانہ مرحمت اور جاگیر پر قُربان ہی نہ کیا۔ ہندُووں کا حقیقی خیر خواہ تھا۔

گورو گوبند سنگھ کی رائیں نسبت مختلف مسائل

وُہ اوتاروں کے وجود کو نہیں مانتا تھا اور نہ یہ مانتا تھا کہ ایشور کا کوئی اوتار دُنیا میں ہو سکتا ہے۔ بعض آدمی دسویں پادشاہی کے گرنتھ میں اِن بیانات کو جو نظم میں کرشن رامچندر وغیرہ ۲۴ اوتار وشنو اور اوتار برہما وغیرہ کی نسبت کہے گئے ہیں، اس امر کی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ وُہ اِن کو اوتار مانتا تھا۔ اور اگر ایسا نہ مانتا ہو تو وُہ اُن کی تعریف کیوں کرتا۔ کسی چیز کی تعریف کرنا بجائے خُود اُن کو تعریف اوتار میں داخل نہیں کر سکتیں۔ نہ اِن نظموں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اُن میں کہیں اُس نے اِن کو اوتار تسلیم کیا ہو۔ البتہ اِن اوتاروں کے حالات کو نظم میں اور دیش بھاشا میں بحثیت ایک مُورّخ کے لکھا ہے اور اُنکی بیرتا اور شجاعت کے کارناموں کو موثر اور زبردست نظم میں اپنے سکھوں میں جوش اُبھارنے کے لئے بیان کیا ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکال سکتے کہ وُہ اوتار ہونا مانتا تھا یا کرشن وغیرہ کو اوتار تسلیم کرتا تھا۔ لیکن ان قیاسات

اور دلائل پر بحث کرنے کی کیا ضرورت جب اُسکے صریح اقوال موجود ہوں کہ ایشور کا اوتار نہیں ہو سکتا۔ دو قسم کے قول ہیں۔ایک وُہ جن سے معناً ضمناً اوتار کھنڈن پایا جاتا ہے اور دُوسرے وُہ جو صریح کھنڈن کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے قول یہ ہیں۔ مُشتے نمُونہ از خروارے

(۱) اکال اُستت میں لکھا ہے:۔

نمستنگ اکالے۔

(نمسکار اُس پرمیشور کو جو شریر نہیں رکھتا۔)

نمستنگ اجنمے۔

(پھر اُس کو جو جنم نہیں لیتا۔)

(۲) ایک اَور جگہ کہا ہے

اجنم ہے

(اُس کا جسم اور جنم نہیں ہے۔ اُس کا ورن نہیں ہے۔)

دُوسری قسم کے صریح اقوال:۔

(۳) کیتے کرشن سے کیٹ کوٹے اپائے۔

اُسارے گھڑے پھیر میٹے بنائے۔

(کرشن جیسے لاکھوں کروڑوں کیڑے پیدا کئے، پھر بنائے اور پھر مٹی کر دئے۔)

(۴) کاہُو لے ٹھوک بدھے اُر ٹھاکر۔

کاہُو مہیش کو ایش بکھانیو

(کسی نے پتھر کے ٹھاکر گلے میں باندھے۔ کسی نے مہیش کو ایشور کہا۔)

کاہُو کہیو ہر مندر میں ہری۔

کاہُوں مسیت کے بیچ پرمانیو۔

(کوئی کہتا ہے کہ پرمیشور مندر میں ہے اور کوئی اُس کو مسجد ہی میں مانتا ہے۔)

کاہو نے رام کہیو کرشنا کہوں۔

کاہو منے اوتار نہ مانیو۔

(کوئی کہتا ہے کہ رام اور کرشن ہی ایشور کے اوتار ہیں۔ لیکن میں کسی کو ایشور اوتار نہیں مانتا۔)

پھوکٹ دھرم بسار سبھے۔

کرتار ہی کو کرتا جیا جانیو۔

(مَیں نے اِن سب جھوٹے دھرموں کو بھُلا دیا اور صِرف سرشٹی کرتا ہی کو ایشور مانتا ہُوں۔)

(۵) جو کہو رام اجونی اجے۔

ات کاہے کو کوشل کُکھ جیو جو

(اگر تُم رام کو ناپید ہونے اور نہ جسم میں آنے والا کہتے ہو تو پھر کوشلیا کے پیٹ سے کیوں پیدا ہُوا۔)

کال ہوں کال کہے جہہ کو۔
کہہ کارن کال تے دین بھیو جو۔

(کال (موت) جس کو ناش نہیں کر سکتاوُہ کال سے کیوں عاجز کیا گیا)

کیوں کہو کرشن کرپاندھی ہے۔ کہہ کاج تے بدّھک بان لگائیو
اور کلین اودھارت جو۔ کہہ تے اپنی کل ناس کرائیو
آداجونی کہائے کہو کم۔ دیوک کے جٹھر نتر آیئو
تات نہ مات کہے جہہ کو۔ تہہ کیوں بسدیوہی باپ کہائیو

(تم لوگ کرشن کو کرپاندھے (مہربان) کہتے ہو پھر وُہ شکاری کے ہاتھوں کیوں مارا گیا۔ اگر لوگوں کا خاندان تارنے والا ہے تو اُس نے اپنے خاندان یادو کو کیوں برباد کرایا۔ جس کی ابتدا نہیں اور جو غیر مخلُوق ہے، وُہ دیوکی کے حمل میں کیوں آیا۔ جس کا ماں باپ کوئی نہیں ہے، اُس کا باپ واسدیو کیوں کہایا۔)

(۷) جال بدھے سب ہی مرت کے کوؤرام رسول نہ باچن پائے
انت مرے پچھتائے پرتھی پرجے جگ میں اوتار کہائے
رے من لیل اکیل ہی کال کے لاگت کاہے نہ پائین دھائے

(سب موت کے جال میں باندھے ہُوئے ہیں۔ کوئی رام رسُول نہیں بچ سکتا۔ جنہوں نے اوتار ہونے کا دعویٰ کیا ہے، وُہ آخر پچھتا کر مر گئے۔ ارے من تُو اکیلا ہے۔ اکال پُرکھ کے چرنوں کے شرن میں کیوں نہیں جاتا۔

(۸) میں نہ گنیش پر تھم مناؤں۔ کشن بشن کبھوں نے دھیاؤں
کان سُنے پہچان نہ تن سوں۔ لولاگی موری پگ اِن سوں
مہاکال رکھوار ہمارو۔ مہالوہ میں کنکر تھارو

(میں گنیش کرشن اور وشنو کو پہلے کبھی نہیں مناتا۔ یعنی اُن کی پُوجا نہیں کرتا۔ میرا پریم کیول ایشور سے لگا ہُوا ہے۔ مہاکال یعنی ایشور میری حفاظت کرتا ہے۔ جو سخت تکلیف میں بھی محفوظ رکھتا ہے۔)

(۹) کرشن نے راکھشس کو قتل کیا۔ اُس نے اور عجیب کام کئے۔ اُس نے اپنے تیئں برہم بھی کیا لیکن تاہم وُہ ایشور نہیں ہو سکتا۔ وُہ خُود لُقمہءِ اجل ہُوا پس جو اُس پر ایمان لائیں اُن کو کیونکر بچا سکتا ہے۔ صِرف ایشور ہی سرب شکتی مان ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے۔

(۱۰) ایشور کا نہ کوئی دوست ہے نہ دُشمن۔ وُہ نہ تعریف کا محتاج ہے نہ ملامت سے خفا ہوتا ہے۔ پھر وُہ کرشن کا اوتار کس طرح ہو سکتا ہے جس کا کوئی ماں باپ نہیں۔ جس کی کوئی اولاد نہیں۔ وُہ دیوکی کے پیٹ میں کس طرح آ سکتا ہے۔

دیوی دیوتا

جس طرح وُہ اوتاروں کا مخالف تھا، اُسی طرح وُہ دیوی دیوتا کا بھی قائل نہ تھا اور نہ کسی کو قابلِ پرستش دیوی دیوتا مانتا یا کہتا تھا۔ چنانچہ کہا ہے :۔

(۱) رام اور رحیم کے نام لینے سے مُکتی نہیں ہوتی۔ برہم، وشنو، شو، سُورج اور چندرماں سب کال (موت) کے بس میں ہیں۔

(۲) کرشن اور بشن جپے توہے کوٹک۔ رام رحیم بھلی بدھ دھیائیو
برہم جپیئو اور سنبھ تھپیئو۔ تہہ تے تُجھہ کو کن ہُوں نہ بچائیو
کوئی کری تپسادن کوٹک۔ کاہُوں نہ کوڈی کو کام کڈھائیو
کامک منتر کسیرے کے کام نہ۔ کال کو گھاؤ کن ہُوں نہ بچائیو

(تُم نے کرشن بشن کروڑوں کی پُوجا کی۔ رام اور مسلمانی رحیم کی بھی پرستش کی۔ شوجی اور برہما کی اوپاسنا کی لیکن اِن میں سے کوئی تُم کو نہ بچا سکا۔ تُم نے سب کے کروڑوں دِن کروڑوں عبادت کی مگر اُن میں سے کوئی ایک کوڑی کے کام بھی نہ آیا۔ یعنی اِن سے کوڑی کا کام بھی نہ نکلا۔ دُنیا کے لالچ میں تنتر منتر کرتا رہا لیکن موت کے زخم سے تُم کو نہ بچا سکا۔)

جب گُورو گوبند سنگھ اپنے تیئں ایک معمُولی انسان سے زیادہ نہ سمجھتا تھا۔ چہ جائیکہ وُہ کسی اَور دیوی دیوتا کو بُرا سمجھتا۔ لوگوں نے جس کو چاہا دیوتا بنالیا۔ جس کو چاہا اوتار بنا کر پُوجنے لگے۔ اِس طُوفانِ بے تمیزی میں گُورو گوبند سنگھ کا اوتار بننا کوئی طرفہ

ماجرانہ ہوتا۔ لیکن اُس نے خُود ہی اس کا بہ نظرِ دُوراندیشی انسداد سوچا اور اپنا درجہ معمولی انسان سے زیادہ اپنی زبان سے نہ کیا۔ محمّد خُدا کا حبیب تھا۔ مُوسےٰ اور عیسٰی خُدا کے محبوب بنے۔ کرشن خُود خُدا بدُھ خُدا وغیرہ لیکن اس نفسِ صادق کے رہرو نے اپنے تئیں اکال کا خدمت گار اور معمولی انسان کہا۔ بچتر ناٹک میں :۔

جو ہم کو پرمیشر اُچر ہیں۔ تے سب نرک کنڈ میں پر ہیں
مو کو داس تون کا جانو۔ یا میں بھید نہ رنچ پچھانو
میں ہُوں پرم پُرکھ کو داسا۔ دیکھن آئیو جگت تماسا

(مُجھ کو پرمیشور کہنے والا ہمیشہ نرک میں رہیگا۔ مُجھ کو سب لوگ ایشور کا خدمتگار سمجھو اور اس میں ذرا بھی شک نہ لاؤ۔ میں ایشور کا داس ہُوں اور جگت میں تماشہ دیکھنے آیا ہُوں۔)

یہی باعث ہے کہ یہ گورو صادق دُنیا کے تمام مہاتماؤں سے زیادہ چمکتا ہے۔

اس سے یعنی اِن حوالجات سے یہ بھی بلاروک نتیجہ نکلتا ہے کہ وُہ ویدانت کے مسئلہ کو بھی نہیں مانتے تھے۔ کہ جیو اور برہم ایک ہیں۔ جیو اور ایشور کو وُہ جُدا جُدا مانتے تھے۔ مزید کسی اور جگہ۔

مُورتی پُوجا

جب وُہ خود ایسے دیوتاؤں اور اوتاروں کے وجُود کا ہی قائل نہ تھا، تو پھر مُورتی پُوجا کے حق میں کس طرح ہو سکتا تھا۔ وُہ صریحاً مُورتی پُوجا کے برخلاف تھا۔ اسی طرح

قبر پرستی اور مُردہ پرستی کو بھی گناہ کہتا تھا۔ اُس کے بہت سے مقُولے اِس بارے میں مَوجود ہیں۔ لیکن بطور نمُونہ چند ایک یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) پھوکٹ دھرم بھیئو پھل ہین۔ جو پُوج سلا جُگ کوٹ گوائی
سدھ کہا سل کے پرسے بل۔ برِدھ گھٹی نو ندھہ نہ پائی
آج ہی آج سمو جو بتیئو۔ نہیں کاج سریئو کچھو لاج نہ آئی
سری بھگونت بھجیو نہ ارے جڑ۔ ایسے ہی ایسے سو بیس گوائی۔

(پاکھنڈ دھرم تو نشپھل ہے۔ اگر سلا (پتھر) کی یُگوں تک یعنی کروڑ یُگوں تک پُوجا کی تو اپنا وقت ضائع کیا۔ پتھر پُوجنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ طاقت اور ترقی ناش ہوتی ہے اور پریم آنند کو انسان حاصل نہیں کرتا۔ اے مُورکھ! تُم نے سارا وقت ضائع کر دیا۔ مُورتی پُوجا سے تُم کو شرم نہیں آتی۔ اے جڑ یعنی احمق تُم نے نہ تو ایشور کو یاد کیا اور بُت پرستی ہی کرتا رہا۔ اس لئے تُم نے ساری عُمر کو رائیگاں کھو دیا۔)

(۲) کاہے کو پُوجت پاہن کو۔
کچھ پاہن میں پرمیشر ناہیں۔ وغیرہ وغیرہ

(پتھروں کو کیوں پُوجتے ہو۔ اِن کے پُوجنے سے پرمیشر نہیں ملتا۔ اُس پرمیشور کو پُوجو جس کی پُوجا سے سب دُکھ دُور ہوں۔ صرف پرمیشور کا نام لو جس کی پُوجا سے سب دُکھ دُور ہوں۔ دھوکا کے دھرموں سے کچھ پھل نہیں۔)

(۳) جو جگ تے کرہے تپسا۔ کچھ تو ہے پرسّن نہ پاہن کے ہے
ہاتھ اُٹھائے بھلی بدھ سو۔ جڑ تو ہے کچھو بر دان نہ دے ہے

(اگر تم یگ کے اخیر تک پتھر کی عبادت کرتے رہو تو پتھر نے اپنی خُوشی کبھی ظاہر نہیں کرنی۔ اے احمق! اس بے جان چیز نے تم کو کوئی برکت نہیں دینی۔ تمکو یہ خیال ہوگا کہ مصیبت سے تُم کو مُورتی بچائے گی۔ اے بے سمجھ بندے، اس بات کا یقین رکھ کہ اس جھوٹے دھرم سے تُو اپنی عِزّت برباد کرے گا۔)

(۴) پکھان پُوج ہُوں نہیں۔ نہ بھیکھ بھیج ہوں کہیں
انت نام گائے ہوں۔ پرم پُرکھ پائے ہوں (بچتر ناٹک)

(میں بُت پرست نہیں ہُوں نہ کسی فرزندِ مذہب کو مانتاہُوں۔ دائم قائم ایشور کی حمد و ثنا میں رہتاہُوں اور اُس پرم روشنی کو پاؤں گا۔)

(۵) مہادیو کو شو کہتے ہیں اور نرنکار کو نہیں جانتے۔ لوگ اُس کو پتھر کے بُت میں پُوجتے ہیں جو بڑے ہی احمق ہیں۔ پرمیشور اکال کی پُوجا نہیں کرتے۔

واہگورو۔ گورو

الفاظ واہگورو اور گورو سے مُراد سکھوں کی کتابوں میں خُود گُورو نانک دیو کی مُراد بھی ایشور سے تھی۔ جو انسان کا سچّا اور بے شریک راہ نما ہادی ہے۔ گُورو گوبند سنگھ نے بھی ان الفاظ کو اِسی ایشور کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے:۔

آدانت ایکو اوتارا۔ سوئی گُورو سمجھیو ہمارا

تیر تھ

امر تسر کو خالصہ کے لئے تیر تھ قرار دیا ہے۔ لیکن تیر تھ اشنان اور در شن کو کوئی متبرّک کام نہیں بتلاتے۔ امر تسر کو تیر تھ مقرر کرنے سے خالصہ کے لئے ایک مرکز قائم کیا گیا ہے۔ اگر ہندُو تیر تھوں کو اس طرح مرکز اپنے فرقوں کا قرار دیں تو کچھ مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسے تیر تھوں کے در شن زیارت اور اشنان وغیرہ سے کوئی روحانی پھل گُورو گوبند سنگھ نہیں مانتے۔

جل کے مجھّن جے گت ہووے نت نت مینڈک نہاوے
جیسے مینڈک تیسے اوئے نر پھر پھر جونی آوے

(پانی میں نہانے سے اگر گتی ہوتی تو مینڈک ہر وقت نہاتا ہے۔ جیسے مینڈک ویسے ہی وُہ آدمی پھر پھر جنم پاتا ہے۔)

مذاہب

کل مذاہب کی تعلیم اور تلقین کو اور پورانوں وغیرہ ہندُووں کے فرقوں کی تعلیم کو دھوکا سمجھتا تھا اور اس دھوکے سے خالصہ کو بچنے کی بار بار ہدایت کی ہے۔

شراب اور منشی چیزوں سے خالصہ کو منع کیا۔ حتیٰ کہ تمباکو تک پینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

خُود بھی شکار کھیلا کرتا تھا۔ خالصہ کو بھی اس کی اجازت تھی۔ چنانچہ اس کے بارہ میں اس کا قول یہ ہے:۔

راج ساج ہم پر جب آئیو۔ یتھاشکت تب دھرم چلائیو
بھانت بھانت تب کھیل شکارا۔ مارے ریچھ روجھ جھنکھارا
(جب حکومت ملی تو حسب لیاقت دھرم چلا کر قسما قسم کے شکار کھیلے اور ریچھ وغیرہ مارے۔ اور کوئی خواہش نہیں ہے سوائے اس کے کہ دھرم یُدھ کریں۔)

ایشور

گورو گوبند سنگھ اُس ایشور کو مانتا تھا جس کا ویدوں میں بیان ہے۔ یعنی ایسے ایشور کو جو سچدانند، اکال، اجنما، اجونی، امر، ابھے، سرودیاپک، بے حد، بے مثل، بے شکل، لامکان، لامحدود، اننت، سر وادھار، نرلیپ، نیائے کاری ہے۔ آدمی کا بنایا ہُوا ایشور نہیں مانتا تھا اور نہ اس کے کسی اوتار وغیرہ کو مانتا تھا۔
اس کے متعلق خاص حوالجات دینے کی ضرُورت نہیں ہے کیونکہ اُن کے بڑے وسیع اقوال اور سار اگرنتھ اس کا شاہد ہے۔ ناظرین کی توجہّ اُس کی تصانیف وچتر ناٹک، رہ راس، شبد ہزارے، اکال اُستت کی طرف اس بارے میں خصُوصاً دلائی جاتی ہے۔

الہام

گورو گوبند سنگھ نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ جو کچھ وُہ کرتا ہے اکال پُرکھ کے منشا کے مطابق کرتا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ اُن کو کسی قسم کا الہام ہوتا ہے یا اُس پر وحی نازل ہوتی ہے یا کوئی خرق عادات امر اُس سے سرزد ہوتا ہے۔ وُہ تو کرامات کا بھی

قائل نہیں تھااور نہ ہی اس کا اُس نے کبھی دعویٰ کیا ہے۔ وُہ الہام کا دعویٰ کس طرح کر سکتا تھا۔ وُہ بالکل راستباز تھا اور کسی قسم کے دھوکہ سے کام لینا پاپ سمجھتا تھا۔ اُس کا اپنا آتما مہابلی تھا اور اُس کے آتمک بل کا اثر خالصہ میں قومیّت اور جوش دینے کے لئے کافی تھا۔ اُس کو کسی فریبانہ عمل سے خُدا کے نام پر فساد کرانا پسند نہ تھا۔ لیکن جو لوگ محض شخص کے مہان تم کاموں اور بزُرگی کو صرف کرامات کے نمُونوں سے موازنہ کرنا چاہتے ہیں، ہم اُن کی توجہ گُورو گوبند سنگھ کے کارناموں کی طرف دلاتے ہیں جو کراماتوں سے ہرگز کم نہیں ہیں۔ خالصہ دھرم اسکی کرامات ہے جس میں اُس نے وُہ کرشمے کئے ہیں کہ سارا عالم دنگ ہے۔ نامردوں کو مرد بنایا ہے۔ لومڑوں کو شیر بنایا ہے۔ قوم کی کایاپلٹ دی ہے۔ خالصہ اُس کی زندہ کرامت ہر وقت سامنے موجود ہے۔ کسی اور کرامات کے دیکھنے یا تلاش کرنے کی ضرُورت نہیں ہے۔

گورو گوبند سنگھ کے مختلف اقوال اور خیالات

وقتاً فوقتاً گُورو گوبند سنگھ جو پند و نصائح اپنے سکھوں کو کرتے رہے ہیں، اُن کا بیان یہاں کسی قدر دلچسپ ہوگا اور اُن سے کسی قدر گُورو گوبند سنگھ کی زندگی کے کوائف پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

دسویں گرنتھ کے علاوہ مختصر تصانیف گُورو گوبند سنگھ کی اور بھی مشہُور ہیں۔ ایک کا نام رہت نامہ ہے (دستُورالعمل زندگی)۔ دُوسرے کا نام تنخواہ نامہ ہے۔ پہلا اُپدیش غالباً تحریری پرہلاد سنگھ کو اُس کے سوالات کے جواب میں بمقام پذیرا اچل نگر

میں لب گوداوری لکھا گیا تھا۔ اگرچہ اُس میں بہت قیمتی اُپدیش بکثرت درج ہیں لیکن مُجملہ اُن کے یہاں صرف چند مقولے اختصاراً بیان کئے جاتے ہیں۔

کُڑی ماروں کے ساتھ اور مسندوں کے ساتھ گفتگو کرنا۔ عورتوں کے ساتھ شطرنج کھیلنا۔ پگڑی اُتار کر کھانا سنگھوں کے لئے منع ہے۔ جو گُورو کی ہدایتوں پر عمل نہیں کرے گا، وُہ ملیچھ ہوگا۔ اوّل گُورو گرنتھ صاحب کو اور دُوسرا خالصہ کو ماننا چاہیئے۔ جو نہ مانے گا، وُہ دوزخ میں جائے گا۔

سکھوں کو زعفرانی رنگ نہیں پہننا چاہیئے۔ کوئی تعویذ گنڈا نہ پہنیں۔ صبح کھانے سے پہلے جپ جی صاحب اور شام کو کھانے سے پہلے رہراس ضرُور پڑھنی چاہیئے۔ بدُوں اِن کے پڑھنے کے صبح اور شام کا کوئی کام شرُوع نہ کریں۔ سوائے اکال پُرکھ ایشور کے کسی مُورتی کو نہ پُوجیں۔ سوائے سکھ کے کسی کو پرنام سر جھکا کر نہ کریں۔ گرنتھ کو نہ بھُولیں۔ سکھ کو دھوکہ نہ دیں۔ جو مسجد مندر قبر اور مڑھی کی پرستش کرتا ہے وُہ سکھ نہیں ہے۔ جو سکھ ٹوپی پہننے والوں کو پرنام یعنی مصافحہ کرتا ہے وُہ دوزخ میں جاتا ہے۔ اِس کی وجہ غالباً یہ معلُوم ہوتی ہے کہ اُس وقت کے مُغل امراء وغیرہ یا تو ٹوپی پہنتے تھے یا چونکہ ہندُوؤں کو مُسلمانوں نے دستار پہننے سے منع کر دیا تھا، ایسے ٹوپی پوش ہندُوؤں سے شاید مراد ہو۔

خالصہ کو اپنا گُورو تسلیم کرو اور گُورو کو خالصہ میں دیکھو۔ سوائے گرنتھ کے اور کسی کے آگے سر نہ جھکاؤ۔

جو پانچ سکھ کسی کو پاہل دیا کریں گے، ایشور اُن کو بے شمار برکت دیں گے۔

چند چیزیں از تنخواہ نامہ جو گورو جی نے بجواب سوالات نند لال تحریر کیا تھا۔

جو سکھ کسی مسکین بھائی کی جگہ اپنے دِل میں نہیں بناتا، وُہ سکھ نہیں ہے۔ کڑاہ پرشاد سب کو مساوی دینا چاہیئے۔ کڑاہ پرشاد مساوی آٹا شکر اور گھی کا بنانا چاہیئے۔

جو سکھ تعویذ گنڈے پہنے گا اور لوہے کو پاؤں لگائے گا، وُہ عاقبت میں سزا پائے گا۔ کوئی سکھ نسوار نہ لے۔ جو کسی نہ کسی شکل میں لوہا پاس نہیں رکھتا، اور جو کسی مُسلمان کو پرنام کرتا ہے، وُہ قابلِ سرزنش اور سزا ہے۔ سکھ کو دو وقت کیشوں کو کنگھا کرنا چاہیئے۔

سکھ زنار سے پرہیز کریں۔ جھوٹ نہ بولیں۔ وعدہ کا ایفاء ان کو اوشیہ کرنا چاہیئے۔ سوائے لینے پہلے نام ایشور کے کوئی کام شرُوع نہ کریں۔

جو سکھ محتاج کو خیرات نہیں دیتا۔ جو سکھ جُوا کھیلتا ہے۔ جو اپنے گُوروؤں کی غیبت سُنتا ہے ایشور اُن سے دُور رہتا ہے۔ پھُونکا دے کر آگ نہ جلاؤ نہ جُوٹھے پانی سے آگ بُجھاؤ۔ خالصہ وہ شخص ہے جو کسی کی بدگوئی نہیں کرتا۔ جو یُدھ کرتا ہے۔ جو جُر اُت کے کام کرتا ہے۔ جو کسی خان (مراد مُسلمان امیر) کو قتل کرتا ہے۔ جو اپنے جذبات کو قابُو میں رکھتا ہے۔ جو رسموں سے بری ہے۔ جو توہمات سے دُور رہتا ہے۔ جو گُورو کے چرنوں میں خُوش رہتا ہے۔ جو کبھی نہیں ڈرتا گو مغلُوب بھی ہو جاوے۔ جو کسی کو نہیں ستاتا۔ جو سب کو ایشور کی مخلُوق سمجھتا ہے۔ جو اِن امُور کے خلاف کرتا ہے، ایشور اُس سے ناراض ہوتے ہیں۔

گورو گوبند سنگھ اور اسکے اودیش کا ایک اور پہلُو

ایک گروہ ہے جن کا ورد اور وظیفہ یہ ہے:۔

میازار مورے کہ دانہ کش است
کہ جاں وار دجیاں شیریں خُوش است

یہ گروہ اعتراض کرتا ہے کہ گورونانک دیو کی بھگتی، حلیم کل حکمتِ عملی، شانتی بھجن کی بجائے گوروگوبند سنگھ نے قوم کو پریم اور محبت کی سیڑھی سے ہٹا کر خُونخواری سکھائی۔ بھگتی سے ہٹا کر سنگدلی کا اُپدیش کیا۔ ہندوؤں کی مہاں پوِتر اور پاکیزہ عادت دُکھ سہن کرنے کو مٹا کر دُکھ دینے کا خُوگر بنایا۔ اس کے سوشل اور نرم سبھاؤ کو مارشل سپرٹ (یُدھ بیرتا) میں بدل کر طُوفانِ ستمگری کھڑا کیا۔ اُن کی جبلی خاکساری کو ملیامیٹ کر کے قومی فخر اور غرُور میں مبتلا کر دیا۔ اُن کی ذاتی بُردباری اور برداشت کی طاقت کو دبا کر اُن کو ظالم اور خُونریز بنا دیا۔ اُن کی شانتی کو غُصّہ اور غضب میں بدل دیا اور اُن کو انتقام لینے کا بُرا راہ دکھایا۔ اور فی الجملہ ایشور کی بادشاہت میں جو ہندُو بھگتی میں مگن شانتی میں ڈُوبی ہُوئی تھی، اُن کو ہوا و ہوس کا خدمتگار بنا کر راکھشس جونی میں لا ڈالا۔ صُلح کُل گروہ سے جنگجُو بنا دیا۔ اس لئے گوروگوبند سنگھ نے بُرا کیا، دُشمنی کی۔

ہاں جناب آپ بھی درست کہتے ہیں۔ ذرا آنکھیں تو کھولو اور چاروں طرف دیکھ کر یوں کہو جناب کہ آپ کو سوتے سے جگا دیا اور گرنے سے اُٹھا لیا۔ مرنے سے بچا دیا۔ مٹنے اور جلنے سے ہٹایا۔ کسی نے سچ کہا ہے: 'اگر نہ ہوتے گوروگوبند سنگھ ہندُو دھرم تھا اور ہُوا'۔ اعتراض سے پہلے اپنے پس و پیش اِردگرد جھانک لو۔ وُہ کون سا مذہب صفحۂ دُنیا میں ہے کہ جس نے تلوار کے بغیر پر پھیلائے ہوں۔ مُوسیٰ کی خُونخواریوں کی کل مثالیں پیش کرنے کے لئے بہت وقت اور بحساب کاغذ مطلُوب ہے۔

عیسےٰ نے ہر چند ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال پیش کرنے کا نعرہ بلند کیا لیکن کون کہتا ہے کہ عیسےٰ کا دین بدُوں تلوار کے پھیلا۔ سارے یورپ اور دیگر ممالک کی تواریخ اس کی شاہد ہے کہ عیسائیوں نے تلوار سے کس قدر کام لیا ہے۔ یہُودیوں کے مقابلہ میں کیا کیا جور و ستم کیئے۔ جہاں عیسائی مشنری پھیلے جاتے ہیں۔ وُہ اس لئے ہوتا ہے کہ پیچھے سے تلوار آئی۔ جہاں عیسائی مشنریوں کو ذرا تکلیف ہُوئی، اُن کی حفاظت کے لئے تلوار نیام سے نکلی۔ یوروشلم لینے کے لئے سارے یورپ کے عیسائی دُنیا کی متفقہ کوشش اور جہاد تواریخی واقعہ ہیں۔ اسلام نے کیا کہا۔ یہی نہ کہ اسلام قبُول کرو ورنہ تلوار سامنے ہے اور جبراً اسلام میں داخل کیئے جاؤ گے۔ وُہ دُنیا کا کون سا حِصّہ ہے جہاں اسلام کی تلوار اسلام کی تبلیغ کے لئے نیام سے باہر نہیں ہُوئی۔ سارے یُورپ کی عیسائی آبادی نے عیسےٰ کی جنم گاہ یروشلم چھیننے کے لئے اسلام کے ساتھ قریباً سات سال تک جہاد قائم رکھا۔

بدُھ جو چیونٹی کو بھی تکلیف دینا پاپ سمجھتا تھا۔ جو برہمنوں کے یگیہ میں قربانیوں سے گھبرا کر سب جیوؤں کی مساوی رکھشا کا اُپدیش اور ہر ایک جیو کو یکساں زندگی قائم رکھنے کے استحقاق کا ڈنکہ بجاتا تھا، ان کے پیروؤں کی ترقی کیا بدُوں تلوار کے ہُوئی؟ نہیں جب بدُھ دھرم راج دھرم ہو گیا۔ اشوکا جو برہمنوں کے قانُون کے مطابق شُودر تھا، راجہ ہو گیا تو اُس نے تلوار کے ساتھ بدُھ دھرم پھیلایا اور دُوسرے اہلِ مذہب کے خُون سے تلوار رنگ کر بدُھ دھرم کا دائرہ وسیع کیا۔ کیا شنکر کی سوکھی فلاسفی نے بدُھ دھرم کو ہندوستان سے باہر کیا اور وُہ اُس کی دلیل بازی سے بوریا بدھنا

باندھ کر ہندوستان کی حدُود سے باہر نکل گئے تھے؟ نہیں بلکہ راجپوت راجوں نے پھر تلوار اُٹھائی اور تلوار کے سایہ میں وُہ بدُھ مذہب پر کامیاب ہُوئے۔ کھتری راجوں نے شنکر مت کے پھیلانے میں بدُھوں کے خُون سے اپنی تلوار کی پیاس کو بجھایا۔ اس لئے گُوروجی نے دُوسرے مذہب کی تخریب اور اپنے دھرم کے وسیع کرنے کے لئے تلوار پر ہاتھ رکھا۔ محض ہندُو دھرم کو فنا ہونے سے بچانے کے لئے تلوار کو ہاتھ میں لیا۔

تلوار پر ہاتھ کیوں رکھا؟ کن حالات میں رکھا۔ اُس نے اہلِ اسلام کے مقابلہ میں تلوار کو لہرایا جن کو خُدا کی طرف سے یہ پیغام پہنچا تھا کہ جو مُسلمان نہیں ہے وُہ کافر ہے۔ اور کافر گردن زدنی کشتنی اور سوختنی ہے۔ کافروں کی جورُو، بچے، مال املاک، گھر مومن مُسلمانوں پر سب حلال اور مباح ہیں۔ اور ہندوستان میں ان مسائل کا عمل جو کچھ پہلے اسلامی بادشاہ نے کیا سو کیا لیکن اورنگزیب نے کیا کیا؟ اُس نے ارادہ کر لیا کہ تمام ہندُوؤں کو تلوار کے ذریعہ سے اسلام میں داخل کر کے ۷۰ حُوریں اور غلام بہشت میں حاصل کرے۔ اُس کے اظلام اور بیدردیوں بیباکیوں کی ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر گنجائش نہیں ہے۔

ہر صفحہ تواریخ کا مشاہد ہے۔ گاؤں کے گاؤں قصبے در قصبے شہر در شہر اور قوموں کی قومیں جبراً مُسلمان ہو رہی تھیں اور ہندُوؤں کی ہستی کا آخری خاتمہ بالکل سامنے نظر آتا تھا کہ گُورو گوبند سنگھ میدان میں آیا۔ اگر گُورو گوبند سنگھ پیدا نہ ہوتا اور جنگجو فرقہ بنا کر سامنے نہ کرتا اور خُونخوار کا خُونخواری سے مقابلہ نہ کرتا اور آہن با آہن باید کوفت کی مثال نہ بنتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ شانت بھاؤ برداشت اور بُردباری کے عادی ہندُو میازار

موری کا پاٹھ کرنے والے، جیو ہتیا سے کانپنے والے، اہنسا پر مودھرما کے پکارنے والے ہی نہ ہوتے نہ رہتے۔ اور تلوار سے اس قسم کے مُسلمان بنائے جاتے جن کا مذہب یہ حکم دیتا تھا کہ کافروں کے خُون سے ہاتھ رنگنا ثواب، کافروں کے جورُو بچے چھین کر مزے کرنا خُدا کے حکم کی تعمیل تھی۔

ذرا دیکھئے تو سہی جن کو اورنگزیب نے مُسلمان کیا اور پھر جبراً کیا اُنہوں نے کبھی ہندُوؤں سے ہمدردی کی۔ جب وُہ جبراً مُسلمان کئے گئے تھے تو کیا وجہ کہ اُن کی ہمدردی ہمیشہ کے لئے ہندُوؤں سے منتقل ہو گئی۔ وجہ یہ کہ تُم نے اُن کو پھر اپنا بنانے کا حوصلہ نہ کیا اور گُورو گوبند سنگھ نے آہن با آہن باید کوفت کے مصداق بنتے ہُوئے اس قسم کے آدمی پیدا کئے جن کی ضرُورت تھی۔ کرشن نے جو اُپدیش ارجن کو مہابھارت کے یُدھ کے میدان میں دیا تھا۔ بھیشم نے جو اُپدیش یدھشٹر کو بعد فتح پانے کے گدّی نہ قبُول کرنے پر کیا تھا، گُورو گوبند سنگھ نے اُس کو حرف بحرف اپنے وقت میں پُورا کیا۔

صاحبان معترضین! گُورو گوبند سنگھ کا اودیش قابلِ عزّت ہے نہ کہ قابلِ نفرت اُس کا مشن قابلِ فخر ہے نہ کہ قابلِ اعتراض۔ بے آزاری کا اصُول پھیلانے والے لوگ نکتہ چینی بیشک کریں کیونکہ نکتہ چینی کرنا آسان ہے۔ اس میں نہ کچھ تکلیف ہوتی ہے اور نہ کچھ ہرج خرچ۔ لیکن گُورو گوبند سنگھ کے اودیش کی قدر اُن کو تب معلُوم ہو کہ اُن کے گھر کو چھین کر مالک کوئی اور بن بیٹھے۔ اُن کو جنگل میں دھکیل دیوے۔ اُن کے عیال و اطفال اُن سے جُدا کر کے اپنے عشرت کی محفل رچائے۔ عورتوں کو اپنی شہوت کا شکار بنائے۔ بچوں کو غُلامی پر لگائے۔ اُن کے مال و دولت سے گلچھرے

اُڑائے۔ اُن کی مشکیں کس کر اپنے مذہب پر لائے۔ اُس وقت اگر یہ شانتی شانتی اور بے آزاری کا اُپدیش کریں تو ہم جانیں کہ ہاں سچے تیاگی، پکے گیانی، مکمل رحمدل صاحب آگئے ہیں۔ اور امتحان بغیر تو قبلہ ہم آپ کی شانتی اور بے آزاری کے قائل نہیں ہیں۔

ایک اور فرقہ ہے جو یہ کہنے کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہمارا ہنُدو دھرم یہ سکھاتا ہے کہ خُدا کی تمام مخلُوق کو اپنا دوست سمجھو اور سب کو اپنے جیسا سمجھو۔ اِس لئے ہنُدوؤں میں ہنُدو دھرم پھیلانے کے لئے ہم کو نہ تلوار کی ضرُورت ہے اور نہ شہیدانِ دھرم یا قوم کی ضرُورت ہے۔ بے شک ایسا ہی سہی اور آپ نے بجا فرمایا۔ لیکن یہ تو تب ہو کہ کوئی آپ کو دوست بننے بھی دے۔ جو آپ کو کافر سمجھے اور کفر کے جُرم میں آپ کو قابلِ گردن زدنی ہی سمجھے اور سب کچھ آپ سے جبراً لینا چاہے تو پھر آپ کو اُن جیسا بننا چاہئے نہ کہ اُن کو آپ جیسا بناؤ۔ حضرات اور کچھ نہیں تو ایسی حالتوں میں اپنی حفاظت کے لئے تو کچھ بل دکھانا اور کچھ آنکھیں لال پیلی کرنا، کچھ گھُورنا انسان کے لئے غیرت مند بننے کے لئے ضرُوری ہے۔

اس مسئلہِ خُود حفاظتی کو لے کر گُورو گوبند سنگھ نے شہیدانِ قوم اور دھرم پیدا کرنے کی ضرُورت دیکھی اور اُس کے لئے اُس نے تلوار اُٹھائی۔ اگر مبالغہ اور طرفداری کا الزام ہم پر نہ لگایا جاوے تو ہم بلاخوف یہ کہنے کو تیار ہیں کہ اُس وقت کوئی ہنُدو[1] باغیرت پیدا ہُوا تو وُہ صرف گُورو گوبند سنگھ ہی تھا۔ نہیں نہیں مُسلمانوں کے آٹھ سو سال کے عہدِ حکومت میں اگر کسی کی رگِ حمیت کو جوش آیا، کسی کی غیرت نے

---

[1] گورو گوبند سنگھ جی خالصہ تھے اور اُنہوں نے خالصہ سجایا۔ خالصہ اپنے آپ میں نرالی قوم ہے۔

تقاضہ کیااور اُکسایا، تووُہ گُورو گوبند سنگھ ہی تھا۔ گُورو گوبند سنگھ کی غیرت اور احسان نکتہ چینیوں کی وسعت سے بہت بلند ہیں۔

گورو گوبند سنگھ جی کی تصانیف پر سرسری نظر

گُورو گوبند سنگھ کی مشہُور تصنیف دسویں بادشاہی کا گرنتھ ہے جن میں سے کئی حِصےّ اس کی اپنی تصنیف سے ہیں اور کئی حِصےّ دُوسرے شعرا کے بنائے ہُوئے ہیں۔ جو اپنی تصنیف شُدہ ہیں اُن پر سری مُکھ واک تمیز کے ساتھ لکھاہُوا ہے۔ یہ بڑی ضخیم کتاب ہے جو ۱۰۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس پر مفصلّ تقریظ تو اس کتاب کے احاطہ سے باہر ہے لیکن مختصر طور پر صِرف اس امر کی تشریح کرنا کافی ہو گا کہ اسمیں کیا کیا بڑی باتیں درج ہیں:۔

اس گرنتھ کے بعض حصص اور مقامات نہایت زبردست اور پُرجوش الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ کئی حِصےّ اس کے خُود گُورو گوبند سنگھ کے اپنے تصنیف شُدہ نہیں بلکہ اُس کے تنخواہ دار شاعروں وغیرہ کی تصنیف ہیں۔ خصُوصاً اوتاروں اور دیوی کے بارے میں رزمیہ نظمیں اور استری چرتر۔ گُورو گوبند سنگھ کا جو اپنا کلام ہے وُہ سارے گرنتھ میں متمیز ہے۔ یہ گرنتھ گور مکھی حرُوف اور پنجابی زبان میں ہے اور اس زبان میں اس کا ہونا بہت ضرُوری تھا۔ آخری حِصہّ گرنتھ کا اور ظفرنامہ فارسی زبان میں ہے۔ لیکن گور مکھی حرُوف میں ہونے کے باعث اس کی فارسی سلیس اور صاف نہیں ہے۔ اس گرنتھ میں ایشور بھگتی اور ایشور کے نام کا بہت مصالحہ ہے اور پہلے بہت قیمتی پند و نصائح ہیں اور

مختلف مسائل پر رائیں دی گئی ہیں۔ چنانچہ اس میں مندرجہ ذیل بڑے حصص ہیں:

اوّل جاپ صاحب۔

گُورو گوبند سنگھ کا اپنا مضبطہ ہے۔ گورو نانک دیو کے جپ جی صاحب کا اسے ضمیمہ سمجھنا چاہئے یا خلاصہ۔

دوم اکال اُستت

(حمد و ثنا الٰہی) اس کا اپنا بنایا ہُوا ہے اور پُر جوش الفاظ میں لکھا گیا ہے۔

سوم وچتر ناٹک

(عجیب قصّہ)۔ یہ گُورو کا خُود اپنا کلام ہے۔ اس میں اُس نے اپنے سے پیشتر گُوروؤں اور اپنے دُنیا میں آنے کا سبب بیان کیا ہے اور اپنی زندگی کے واقعات کو موثّر اور مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے۔

چہارم چنڈی چرتر و چنڈی چرتر ثانی

ان میں راکھشسوں کے بر خلاف دیوی کی خُونخوار لڑائیوں اور کامیابیوں کے حالات اور وقائع اکثر فرضی نہایت پُر جوش اور بر جستہ نظم میں لکھے گئے ہیں۔

پنجم چنڈی کی وار

یہ سکھوں میں جوش بھرنے کے لئے لکھے گئے معلُوم ہوتے ہیں۔

ششم گیان پر بودھ (علم معرفت)

ایشور کی تعریف اور ثنا سے مملو ہے۔

ہفتم چوبیس اوتاروں کی چوپائیاں

وشنو کے ۲۴ اوتاروں کے کارنامے نظم میں مگر پُر جوش الفاظ میں اسی طریق اور اسی غرض سے لکھے گئے ہیں جیسا کہ چنڈی چرتر

ہشتم مہدی میر

اس کی نسبت شک ہے کہ کس مطلب اور غرض سے لکھا گیا۔ اس میں آنے والے امام مہدی کا ذکر ہے۔

نہم برہما اوتار

اس میں سات برہما اوتاروں کا ذکر ہے۔

دہم رودر یا شو اوتار

اس میں شو کے اوتاروں کا ذکر ہے۔

یازدہم شستر نام مالا

اس میں اختلاف ہے کہ آیا گورو گوبند سنگھ کی اپنی تصنیف ہے یا نہیں۔ اس میں اسلحہ کا نام اور اُن کی تعریف درج ہے۔

دوازدہم سری مکھ واک سویا ۳۳

اس میں قرآن اور پُورانوں کی تعلیم سے اختلاف کیا گیا ہے۔ ویدوں کی تعلیم پر بھی کسی قدر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ جہاں ویدوں کی تعلیم کے وُہ نمُونے دکھائے ہیں جو غیر آریہ لوگوں کی بنیاد پر مبنی ہیں۔

۱۳۔ ہزارے شبد

گُورو کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔ اس میں ایشور کی مہما اور بھگتی کا ذکر ہے۔

۱۴۔ استری چرتر

(فریبِ زناں)۔ اس میں سوکن، بیوی یا سوتیلی ماں کے دکھ بیان کئے ہیں نیز عورتوں کے مکر بیان کئے گئے ہیں۔ گرنتھ کا سب سے بڑا حِصہّ آپ نے لیا ہُوا ہے۔ اس کو اس گرنتھ میں شامل کرنے کی ضرُورت نہیں تھی۔ اپنا تصنیف شُدہ نہیں ہے۔

۱۵:۔ حکایت فارسی زبان میں

مگر گور مکھی حرُوف میں اورنگزیب کو اُس کے مظالم کے نمُونوں اور اُن کے نتائج سے زوردار الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے۔

غالب یہ ہے یہ کہ گرنتھ گُورو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد تدوین کیا گیا ہے۔ یہ گویا مجمُوعہ کلیات گُورو گوبند سنگھ ہے۔ سکھوں میں اس کی عزّت تو کی جاتی ہے مگر اس کا پرچار اس قدر نہیں جس قدر آد گرنتھ کا ہے۔ خُود گُورو گوبند سنگھ نے بھی کہیں اس قسم کا اشارہ نہیں دیا کہ اس گرنتھ کو ہی منایا جاوے یا اس کے کلام کو پہلے گُوروؤں سے

کچھ زیادہ ترجیح دی جائے۔ بعد میں گُورو کی تصانیف کو جمع کر کے اس کو دسم پادشاہی کے گرنتھ کا نام دیا گیا ہے۔ اُس کی ہمّت سے اُس کے پِتا گُورو تیغ بہادر کا کچھ کلام آد گرنتھ میں شامل ہو گیا ہے۔ مگر اُس جوانمرد نے اپنے کلام کو اس میں شامل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ بہر حال گُورو گوبند سنگھ کی کئی خُوبیوں میں سے اُس کی شاعری کی خُوبی کی بھی ایک زندہ مثال موجود ہے کہ اُس نے کس طرح پُر جوش اور دِل سوز الفاظ میں کئی جگہ رزمیہ واقعات کے پُر اثر خاکے کھینچے ہیں اور اپنی قوم کے مُردہ دلوں کو جوش دے کر اُبھارا ہے۔

مُجملہ دیگر خُوبیوں کے گُورو گوبند سنگھ میں یہ بھی بڑی خُوبی تھی کہ وُہ نظم میں ایسا دردِ دِل سوز اور ایسا جوش اور گداز بھر سکتا تھا کہ اُس کے پڑھنے سے لطف آجاتا ہے اور سُوکھی ہُوئی ناڑیوں میں خُون بھر جاتا ہے۔ انہیں سوز و گداز کے الفاظ کا ہی اثر تھا کہ سکھ مرنے کو ایسا ہیچ سمجھتے تھے کہ گُورو کے لئے جان دینا بڑا فخر اور عزّت خیال کرتے تھے۔ گُورو کی نظمیں خالصہ کے دلوں میں جادُو کا اثر کرتی تھیں۔ اگر کوئی بڑی کرامت گُورو کے پاس تھی تو وُہ قُوّتِ زبان، فصاحت بیان، بلاغت لسّان تھی جو اُس نے نظم میں استعمال کی۔ جس سے ہندُوؤں کے پژمُردہ دلوں کے رگ و ریشہ میں بہادری اور شجاعت کا خُون دوڑنے لگا ہے۔

تمام شُد